

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی منکر و نیک حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

مہاجرین

دارالاشعریہ کراچی

رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

مہاجرین

تحریر و ترتیب
الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالمصنفین

اردو بازار ایم ایس جلیج روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

مہرست مضامین
مہاجرین (حصہ اول)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	خانہ کعبہ کی مرمت	۱۰	دیباچہ
۲۶	قریش کی سیاسی خود مختاری	۱۱	مقدمہ
۲۷	قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع	۱۱	اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے
۲۷	قریش کا تمدن	۱۲	دور اول (۵-۲)
۲۸	نظام عسکری	۱۳	دور دوم (۱۵-۵)
۲۸	عدالتی نظام	۱۵	قبائل عدنان
۲۸	نظام مذہبی	۱۷	عدنان کی حکومتیں
۲۹	ندوہ	۱۸	عدنان کی تجارت
۲۹	مشورہ	۱۸	آل عدنان کا مذہب
۲۹	حلف فضول	۱۹	ایام عدنان
۳۰	قریش کا مذہب		آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ
۳۳	لوازم تمدن	۲۰	عدنانوں کی خانہ جنگیاں
۳۳	تجارت	۲۰	ایام بکرو تغلب
۳۶	علوم و فنون	۲۰	ایام بحس و بیباں
۳۶	رفا و عام کے کام	۲۰	ایام ربیعہ و معصر
۳۷	اسلام کا ظہور	۲۰	ایام بنو عامر
	پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی جماعت	۲۱	دیگر ایام مشہور
۳۷	۳۵-۳۱	۲۱	دوسرے موسم
۳۷	جہش کی پہلی ہجرت	۲۱	قریش
۳۷	جہش سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش	۲۱	قبائل قریش اور ان کے مشاہیر
۳۷	نجاشی کا جواب	۲۲	ایام قریش
۳۷	حضرت جعفرؓ کی تقریر	۲۳	یوم ہجاء اول
	نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف	۲۳	یوم ہجاء ثانی
۳۷	وفد مشرکین کی ایک چال اور اس میں ناکامی	۲۳	واقعہ فیل
۳۷	مہاجرین جہش کی واپسی	۲۵	ایک جنگ
۳۷	دوسری ہجرت	۲۵	یوم ذات النکف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳	اہل مدینہ کا قبول اسلام	۴۴	حبشہ کی دوسری ہجرت
۵۳	انصار کی پہلی بیعت	۴۶	حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال
۵۳	انصار کی دوسری بیعت	۴۷	قریش کی ایذا رسانی
	ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا اور اس کے	۴۷	تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر مکہ کی واپسی اور
۵۳	اسباب		مطمع بن عدی کی امان
۵۵	مہاجرین کے فضائل و مناقب ۶۱-۷۳	۴۷	مطمع بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام
۵۵	کلام اللہ اور مہاجرین	۴۸	تبلیغ کا اثر قبائل پر
۶۰	احادیث نبویؐ مہاجرین متعلقہ تھے	۵۲	تنبیہ رؤس کی خواہش

اسمائے مہاجرین (حصہ اول)

(بہ ترتیب کتاب)

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۲۷۰	حضرت مصعب بن عمیرؓ	۶۷	حضرت زبیر بن العوامؓ
۲۷۷	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۸۳	حضرت طلحہؓ
۲۸۲	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ	۹۴	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
۲۸۵	حضرت مقداد بن عمروؓ		حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
۲۹۰	حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیقؓ	۱۲۲	حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ
۲۹۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	۱۳۶	حضرت سعید بن زیدؓ
۲۹۸	حضرت عبداللہ بن سہیلؓ	۱۴۱	سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ
۳۰۰	حضرت قتیبہ بن غزوہؓ	۱۴۷	حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
۳۰۴	حضرت عامر بن قیسؓ	۱۵۴	حضرت بلال بن رباحؓ
۳۰۷	حضرت ابوسمہ بن عبدالاسدؓ	۱۶۰	حضرت جعفر طیارؓ
۳۱۰	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۱۶۵	حضرت زید بن حارثہؓ
۳۱۲	حضرت عکاشہ بن محصنؓ	۱۷۴	حضرت عبداللہ بن عباسؓ
۳۱۶	حضرت ابو حذیفہؓ	۲۰۲	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۳۱۹	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	۲۲۷	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
۳۲۲	حضرت عبیدہ بن الحارثؓ	۲۳۹	حضرت عمار بن یاسرؓ
۳۲۴	حضرت شماس بن عثمانؓ	۲۶۰	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ
۳۲۶	حضرت شجاع بن وہبؓ	۲۶۶	حضرت صہیب بن سنانؓ

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۳۳۱	حضرت عمیر بن ابی وقاص	۳۲۸	حضرت محرز بن نضلہ
۳۳۲	حضرت عامر بن ربیعہ	۳۳۰	حضرت ثقران صالح
اسمائے مہاجرین (حصہ اول) (بہ ترتیب حروف تہجی)			
صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
	ص		الف
۲۶۶	حضرت صہیب بن شان	۳۱۶	حضرت ابو حذیفہ
	ط	۳۰۷	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد
۸۳	حضرت طلحہ	۲۸۲	حضرت ارقم بن ابی الارقم
	ع	۱۲۳	حضرت ابو عبیدہ بن الجراح
۳۳۳	حضرت عامر بن ربیعہ	۲۲۷	حضرت ابوموسیٰ اشعری
۳۰۴	حضرت عامر بن ابی مرثدہ		ب
۱۳۷	حضرت عباس بن عبدالمطلب	۱۵۳	حضرت بلال بن رباح
۲۹۰	حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق		ج
۹۴	حضرت عبدالرحمن بن عوف	۱۶۰	حضرت جعفر طیار
۳۱۰	حضرت عبداللہ بن جحش		ح
۲۹۸	حضرت عبداللہ بن سہیل	۲۹۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ
۱۷۴	حضرت عبداللہ بن عباس	۱۴۱	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب
۲۶۰	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص		ز
۲۰۲	حضرت عبداللہ بن مسعود	۶۷	حضرت زبیر بن العوازم
۳۲۲	حضرت حمیدہ بن الحارث	۱۶۵	حضرت زید بن حارثہ
۳۰۰	حضرت عقبہ بن غزوہ		س
۲۷۷	حضرت عثمان بن مظعون	۳۱۹	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ
۳۱۴	حضرت عکاشہ بن محصن	۱۰۵	حضرت سعد بن ابی وقاص
۲۴۹	حضرت عمار بن یاسر	۱۳۶	حضرت سعید بن زید
۳۳۱	حضرت عمیر بن ابی وقاص		ش
	م	۳۲۶	حضرت شجاع بن وہب
۳۲۸	حضرت محرز بن نضلہ	۳۳۰	حضرت ثقران صالح
۲۷۰	حضرت مصعب بن عمیر	۳۲۳	حضرت شماس بن عثمان
۲۸۵	حضرت مقداد بن عمرو		

اسمائے مہاجرین (حصہ دوم)

(بہ ترتیب کتاب)

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۵۳۳	حضرت عبداللہ بن سہیل	۳۳۷	حضرت عبداللہ بن عمر
۵۳۵	حضرت معقیب بن ابی قاطرہ	۳۷۱	حضرت ابو ہریرہ دوسی
۵۳۷	حضرت عبداللہ بن حذافہ	۳۸۶	حضرت ابوذر غفاری
۵۴۰	حضرت حجاج بن ملاد	۴۰۰	حضرت سلمان فارسی
۵۴۲	حضرت ابو ہریرہ اسلمی	۴۱۱	حضرت اسامہ بن زید
۵۴۳	حضرت ہشام بن عاص	۴۲۰	حضرت عمرو بن العاص
۵۴۶	حضرت قدامت بن مظعون	۴۲۸	حضرت خالد بن ولید
۵۴۸	حضرت ابو احمد بن جحش	۴۶۸	حضرت مغیرہ بن شعبہ
۵۵۰	حضرت عمرو بن سعید بن العاص	۴۷۴	حضرت خالد بن سعید بن العاص
۵۵۲	حضرت مسطح بن اثاث	۴۷۸	حضرت ثمر جمیل بن حنظل
۵۵۳	حضرت مرثدہ بن ابی (مرثدہ) غنوی	۴۸۱	حضرت ذباب بن ارت
۵۵۶	حضرت ابوہریرہ غفاری	۴۸۵	حضرت سلمہ بن اکوع
۵۵۸	حضرت عمرو بن امیہ	۴۸۹	حضرت ابن ابی کثوم
۵۶۰	حضرت ابان بن سعید بن العاص	۴۹۳	حضرت ہریرہ بن حبیب
۵۶۳	حضرت نعیم بن مسعود	۴۹۷	حضرت طفیل بن عمرو دوسی
۵۶۵	حضرت واقد بن عبداللہ	۵۰۱	حضرت عقیقہ بن عامر جہنی
۵۶۷	حضرت عیاش بن ابی ریحہ	۵۰۴	حضرت معمر بن وہب
۵۶۹	حضرت ابو طفیل	۵۰۷	حضرت زید بن خطاب
۵۷۰	حضرت عبداللہ بن خرمہ	۵۱۰	حضرت ابو رافع
۵۷۱	حضرت خیرہ النعمان	۵۱۳	حضرت سعید بن عامر
۵۷۳	حضرت عمر بن عبداللہ	۵۱۵	حضرت عقیل بن ابی طالب
۵۷۴	حضرت عمرو بن عوف	۵۱۸	حضرت نوفل بن حارث
۵۷۵	حضرت عثمان بن طلحہ	۵۲۱	حضرت فضل بن عباس
۵۷۶	حضرت اسلم بن بیضاء	۵۲۳	حضرت طلحہ بن عمرو
۵۷۷	حضرت سہیل بن بیضاء	۵۲۵	حضرت ثوبان
۵۷۸	حضرت ابوقیس بن حارث	۵۲۷	حضرت عمرو بن جندب
۵۷۹	حضرت ابو کبشہ	۵۲۹	حضرت ولید بن وہب
۵۸۰	حضرت سلیم بن عمرو	۵۳۲	حضرت سلمہ بن ہشام

صفحہ	اسماء گرامی	صفحہ	اسماء گرامی
۵۹۶	حضرت ابوسنان بن حصن	۵۸۱	حضرت ابومرثد غنوی
۵۹۷	حضرت فراس بن نضر	۵۸۲	حضرت ذوالشمالین
۵۹۸	حضرت حاطب بن حارث	۵۸۳	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم
۵۹۸	حضرت معمر بن حارث	۵۸۴	حضرت قیس بن خداذہ
۵۹۹	حضرت ابورہم اشعری	۵۸۵	حضرت عقبہ بن مسعود
۵۹۹	حضرت ابوردہ	۵۸۶	حضرت صفوان بن بیضاء
۵۹۹	حضرت حارث بن خالد	۵۸۶	حضرت سنان بن ابی سنان
۶۰۰	حضرت عیاض بن ربیع	۵۸۷	حضرت آنسہ
۶۰۱	حضرت جناب بن عبدالمطلب بن غزوہ	۵۸۷	حضرت طفیل بن حارث
۶۰۱	حضرت مسعود بن ربیع	۵۸۸	حضرت سائب بن عثمان
۶۰۲	حضرت ربیعہ بن اثم	۵۸۹	حضرت عامر بن ابی وقاص
۶۰۲	حضرت حمید بن رباب	۵۹۰	حضرت وہب بن سعد
۶۰۳	حضرت عمرو بن عثمان	۵۹۰	حضرت عبد اللہ بن حارث
۶۰۳	حضرت خطاب بن حارث	۵۹۱	حضرت عمرو بن سراقہ
۶۰۳	حضرت عاقل بن ابی بکر	۵۹۱	حضرت عبد اللہ بن سراقہ
۶۰۳	حضرت عبد اللہ الاصغر	۵۹۲	حضرت اسود بن زوقل
۶۰۵	حضرت قیس بن عبد اللہ	۵۹۲	حضرت ثامہ بن عدی
۶۰۵	حضرت مالک بن زمعہ	۵۹۳	حضرت سعد بن خولہ
۶۰۶	حضرت حاطب بن عمرو	۵۹۳	حضرت معمر بن ابی سرح
۶۰۶	حضرت اربد بن حمیر	۵۹۴	حضرت حمیہ بن جزء
۶۰۷	حضرت جہم بن قیس	۵۹۵	حضرت عدی بن ہلالہ
۶۰۷	حضرت باہم بن ابی مذیفہ	۵۹۵	حضرت یزید بن زمعہ
۶۰۷		۵۹۶	حضرت سکران بن عمرو

اسماء مہاجرین (حصہ دوم)

(بہ ترتیب حروف تہجی)

صفحہ	اسماء گرامی	صفحہ	اسماء گرامی
۵۸۹	حضرت ابن ام مکتوم		الف
۵۸۸	حضرت ابوالحمہ بن جحش	۵۸۷	حضرت آنسہ
۵۹۹	حضرت ابوردہ	۵۹۰	حضرت آبان بن سعید ابن العاص

صفحہ	اسماء گرامی	صفحہ	اسماء گرامی
۴۴۸	حضرت خالد بن ولید	۵۴۲	حضرت ابو ہریرہ سلمیٰ
۴۸۱	حضرت خیاب بن ارت	۴۸۶	حضرت ابو ذر غفاری
۶۰۱	حضرت خیاب بن موسیٰ عتبہ بن غزوہ	۵۱۰	حضرت ابو رافع
۶۰۳	حضرت خطاب بن حارث	۵۹۹	حضرت ابو ہریرہ اشعری
۵۸۴	حضرت خنیس بن حذافہ	۵۵۶	حضرت ابو ہریرہ غفاری
	ذ	۵۸۳	حضرت ابو ہریرہ بن ابی رہم
۵۸۴	حضرت ذوالشمالین	۵۹۶	حضرت ابوسنان بن جھن
	ر	۵۶۹	حضرت ابوللیبہ
۶۰۲	حضرت ربیعہ بن النعم	۵۷۸	حضرت ابوقیس بن حارث
	ز	۵۷۹	حضرت ابوکبشہ
۵۰۷	حضرت زید بن خطاب	۵۸۱	حضرت ابوہریرہ غنوی
	س	۴۷۱	حضرت ابو ہریرہ دوی
۵۸۸	حضرت سائب بن عثمان	۶۰۲	حضرت ار بہ بن حمیر
۵۹۴	حضرت سعد بن خولہ	۶۱۱	حضرت اسامہ بن زید
۵۱۳	حضرت سعید بن عامر	۵۹۲	حضرت اسود بن نوئل
۵۹۶	حضرت سکران بن عمرو		ب
۴۰۰	حضرت سلمان فارسی	۴۹۳	حضرت بریدہ بن حبیب
۴۸۵	حضرت سلمہ بن اکوع		ث
۵۳۲	حضرت سلمہ بن ہشام	۵۹۲	حضرت ثمامہ بن عدی
۵۸۰	حضرت سلیط بن عمرو	۵۲۵	حضرت ثوبان
۵۸۶	حضرت سنان بن ابی سنان		ج
۵۷۶	حضرت سہیل بن بیضاء	۶۰۷	حضرت جہم بن قیس
۵۷۷	حضرت سہیل بن بیضاء		ح
	ش	۵۹۹	حضرت حارث بن خالد
۴۷۸	حضرت شرییل بن حسنہ	۵۹۸	حضرت حاطب بن حارث
	ص	۶۰۶	حضرت حاطب بن عمرو
۵۸۶	حضرت صفوان بن بیضاء	۵۴۰	حضرت حجاج بن علاط
	ط		خ
۵۸۷	حضرت طفیل بن حارث	۴۷۴	حضرت خالد بن سعید ابن العاص

۵۲۱	حضرت فضل بن عباس	۴۹۷	حضرت طفیل بن عمرو
	ق	۵۲۳	حضرت طلیب بن عمیر
۵۲۲	حضرت قدامہ بن مظعون	ع	
۶۰۵	حضرت قیس بن عبد اللہ	۶۰۳	حضرت عاقل بن ابی کبیر
	م	۵۸۹	حضرت عامر بن ابی وقاص
۶۰۵	حضرت مالک بن زمعہ	۶۰۲	حضرت عبد اللہ الاصغر
۵۹۲	حضرت محمد بن جزمہ	۵۹۰	حضرت عبد اللہ بن حارث
۵۵۳	حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی	۵۳۷	حضرت عبد اللہ بن حذافہ
۵۵۴	حضرت مسطح بن اثاثہ (غوف)	۵۹۱	حضرت عبد اللہ بن سراقہ
۶۰۱	حضرت مسعود بن ربح	۵۳۳	حضرت عبد اللہ بن سمیل
۵۹۲	حضرت معمر بن ابی سرح	۴۳۷	حضرت عبد اللہ بن عمر
۵۹۸	حضرت معمر بن حارث	۵۷۰	حضرت عبد اللہ بن محرمہ
۵۷۳	حضرت معمر بن عبد اللہ	۵۸۵	حضرت عقبہ بن مسعود
۵۳۵	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ	۵۷۵	حضرت عثمان بن طلحہ
۴۶۸	حضرت مغیرہ بن شعبہ	۵۹۵	حضرت عدی بن ہند
	ن	۵۰۱	حضرت عقبہ بن عامر جہنی
۵۲۳	حضرت نعیم بن مسعود	۵۱۵	حضرت عقیل بن ابی طالب
۵۷۱	حضرت نعیم النحام	۵۵۸	حضرت عمرو بن امیہ
۵۱۸	حضرت نوفل بن حارث	۵۹۱	حضرت عمرو بن سراقہ
	و	۵۵۰	حضرت عمرو بن سعید ابن العاص
۵۶۵	حضرت واقد بن عبد اللہ	۴۲۰	حضرت عمرو بن العاص
۵۲۹	حضرت ولید بن ولید	۵۲۷	حضرت عمرو بن محمد
۵۹۰	حضرت وہب بن سعد	۶۰۳	حضرت عمرو بن عثمان
	ز	۵۷۲	حضرت عمرو بن عوف
۶۰۷	حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ	۶۰۲	حضرت عمیر بن رباب
۵۳۴	حضرت ہشام بن عاص	۵۰۲	حضرت عمیر بن وہب
	ی	۵۶۷	حضرت عیاض بن ابی ربیعہ
۵۹۵	حضرت یزید بن زمعہ	۶۰۰	حضرت عیاض بن زبیر
	☆ ☆ ☆	۵۹۷	حضرت فراس بن نضر
			ف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ جلد ان حضرات صحابہ ؓ کے حالات میں ہے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے چونکہ اسلام میں ان بزرگوں کی حیثیت بہت بڑی ہے اس لئے ان کو سب سے اول جگہ دی گئی اور ان میں بھی چاروں خلفائے راشدین ؓ کے بعد جن کے حالات میں ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ بزرگوار اس جلد میں مذکور ہیں اور ان کو تمام مہاجرین میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہم نام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین نے لکھا ہے، آئندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا۔

کتاب میں دو فہرستیں لگائی گئی ہیں، ایک میں کتاب کی ترتیب کے مطابق ناموں کی فہرست ہے اور دوسری میں حروف تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہیں، تاکہ تلاش و مراجعت میں لوگوں کو آسانی ہو۔

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مؤرخین اسلام اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، باندہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفاء کرتے ہیں، عاربہ اور مستعربہ۔

عرب باندہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آ جاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ ہیں، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں جو یمن اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے، ان میں سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمین عرب میں موجود ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے کہ اسی سلسلہ اسماعیلی کی ابتدا ہوئی، جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو ”وادی غیر ذی ذرع“ میں بسایا تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان میں حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی، وہ ”عرب مستعربہ“ کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسماعیلؑ کے گیارہ اولادیں ہوئیں، جن میں ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گذرا ہے، قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلہ نسب عدنان ہی تک آ کر منتہی ہو جاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہو جاتا ہے، ایک حضرت اسماعیلؑ سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک اور تیسرا فہر سے آخر تک۔ مہاجرین کے حالات میں اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ

کی تمام کڑیاں سامنے آجائیں، پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔

دور اول

حضرت اسماعیلؑ کی گیارہ اولادوں میں نابت اور قیدار نے نہایت جاہ و جلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آل نابت سے تھا، یا آل قیدار سے بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہیں اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلہ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اسی قول کو ترجیح دی ہے، قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نام آور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے، حتیٰ کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان یعنی آنحضرت ﷺ اسی کی نسل میں پیدا ہوئے، الہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری شہمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ (یسعیاہ باب ۲۱ آیہ ۱۶، ۱۷)

اس عظمت و شجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں کی بستیاں آباد تھیں، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں۔ ”قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی۔“ (یسعیاہ باب ۲۴ آیہ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیاں منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگوں کو منظم اور منضبط رکھ سکے، ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسماعیل میں بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور بنو اسماعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسماعیل کے اطاعت گزار رہے، آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے اور تنہا بھیڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دار و مدار نہ تھا، اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہیں عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے، وہ تیرے اور مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ

تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷ آیت ۲۱) اسماعیلی قبائل نے تجارت کو اس قدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا تھا، اسماعیلی تھا اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ ”جب حضرت یوسفؑ نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلساں اور مراوٹوں پر لادے ہوئے کہ انہیں مصر کو لے جائے۔ (پیدائش باب ۳۷ آیت ۲۵)۔

اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ میں ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے۔ ”جدعون نے انہیں کہا کہ تم سے ایک حوالہ کرنا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسماعیلی تھے۔ (قضاہ باب ۱۸ آیت ۲۳)

ان مذکورہ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی قبائل بدادت کے ابتدائی دور میں نہ تھے، بلکہ اس سے نکل کر تمدن شاہراہ اختیار کر لی تھی، یعنی ان میں دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی، معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی، ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں، ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسماعیل کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے، اس لئے ہم بھی خانہ کعبہ کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی تولیت آل اسماعیلؑ میں بڑی عزت کی چیز تھی، کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، حضرت اسماعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہو گیا، کیونکہ جب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی اور ارض حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے اور اس صغیر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض ادا نہیں کر سکتے تھے، حضرت اسماعیلؑ کے سرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا اور مضماض جرہم اس پر فائز ہوا، چنانچہ حادثہ جرہم ہی کہتا ہے۔

و کنوا لہ البیت من بعد نابت

نطوف بذاک البیت والامدظاہر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیع بن ہویر عالتی کو رشک ہوا اور مضامض جرہمی سے آمادہ جنگ ہو گیا، مگر شکست کھائی اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابل مذمت حرکت یہ کی کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور حجاج پر زیادتیاں کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے، غرضیکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسماعیل ان کی ناروا حرکتوں کو دیکھتے تھے، مگر اول تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے، دوسرے حرم میں کشت و خون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج میں خوزریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھ کر بنو بکر اور عیشاں نے سختی سے اس کا تذکرہ کیا۔ ”یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خوزریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستوں سے پاک کر دیا۔ یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انھوں نے چلتے چلتے حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم میں پھینک کر کنویں کو پاٹ دیا۔“

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسماعیل میں لوٹ آئی اور چند پشتوں کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربوں کی قوتیں ٹوٹ گئیں، سارا عرب ویران ہو گیا اور تمام ملک میں خاک اڑنے لگی۔ عدنان اسی حملہ میں مارا گیا۔ مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیانی نے بچا لیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی۔

دور دوم

پہلے دور میں حضرت اسماعیلؑ سے لے کر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، دوسرے دور میں عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیونکہ مہاجرین کا سلسلہ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلہ نسب باتفاق نسابین حضرت اسماعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ لیکن درمیانی پشتوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے، کہ وہ عبری سے عربی میں منتقل ہوئے ہیں اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان میں جاتے ہیں تو لامحالہ کچھ لب و لہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہیں، البتہ درمیانی کڑیوں کی تعداد کا اختلاف ضرور قابل لحاظ ہے، بعض

عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتیں بتاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے، کیونکہ اگر صرف نو دس پشتیں مانی جائیں، تو عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہلی روضۃ الانف میں لکھتے ہیں کہ ”عاوۃ“ محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتیں یا دس یا بیس پشتیں ہوں، کیونکہ ان دونوں کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے۔“

یہ تو قیاس عقلی ہے، اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب میں ایسے تھے، جن کو چالیسوں پشتیں بڑباں یاد تھیں۔ چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ”مجھ سے بعض عرب نسابوں نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علمائے عرب کو جانتے ہیں جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک پشتیں نام بنام حفظ تھیں اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نسابوں نے علماء کے محفوظ ناموں کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے ناموں سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے ناموں میں اختلاف ہو گیا تھا۔“

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تھا۔ اس لئے انھوں نے صرف مشہور لوگوں کے نام یاد رکھے اور پورا سلسلہ محفوظ نہیں رکھا، لیکن بہر حال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان چالیس پشتیں تھیں۔

قبائل عدنان عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصاء اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوع غن کے لئے زیادہ کارآمد بھی نہیں ہے، اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کر ان بنی کا تذکرہ کریں گے، جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائل عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آ جائے گا اور آئندہ جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے وہاں اس کے بگھنے میں دقت نہ ہوگی۔

عدنان کے دوڑ کے تھے، عک اور معد، مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضران میں سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد و دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا اور حکومتیں قائم کیں، ان کے مشہور قبائل و بطون یہ ہیں۔

بنو جدیلہ نہب بن افصہ (خاندان حضرت صہیبؓ) بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں۔
قضاء کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں مگر از روئے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاء نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، حانی بن قضاء کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے۔

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان، بلی، (حضرت کعب بن عمرو، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع ابو بردہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان بہرا) (حضرت مقداد بن اسود کا خاندان) بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہیمہ اور نہد ہیں۔

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو حکم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں۔ پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے۔

مضر بن نزار بطون و قبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاء اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عثمان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔

بطون خندف بن الیاس بن مضر..... الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طانجہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاء کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے لطن سے تھے، اس لئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصہ ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق بنو کعب (حضرت عمران بن حصین کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہ کا خاندان) بنو جہیمہ وغیرہ نکلے ہیں بنو افصہ سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوع کا خاندان پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے۔

طانجہ کے مشہور بطون و قبائل ضبیہ، رباب، تمیم اور مزنیہ (بحیرہ کعب مداح رسول اکرم و معقل ابن یسار کا خاندان) ہیں چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تمیم کی شاخیں، بنو حارثہ، بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حظلہ بن ربیعؓ کا تب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے۔

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل قارہ، اسد اور کنانہ ہیں، پھر بنو اسد سے بنو غنم (ام المومنین حضرت زینبؓ اور عکاشہ بن محسن کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے، یہ بھی اضلاع نجد میں آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد، مناة بنو مالک اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناة سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث اور

بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو واقد اور قیس بن شداد کا خاندان) بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان بنو جزیع وغیرہ پیدا ہوئے۔

بطون قیس عیلام..... بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون و شعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا قیس عیلام کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور حفصہ ان تینوں سے الگ سلسلے چلے۔

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہیں ان دونوں کی اولاد بن طائف اور نجد میں بستی تھیں۔ بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، بابلہ، عطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عیس، بنو ذبیان، بنو اخیع، (خاندان حضرت معقل بن سنان) پھر بنو عیس سے بنو حارث (خاندان حضرت حذیفہ بن یمان) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو مرہ (خاندان حضرت سرہ بن جندب)

بنو حفصہ بن قیس کے دو بڑے لڑکے بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صد با بطون کا منبج تھے، بنو ہوازن (خاندان عقبہ بن غزوہ) بھی بنو حفصہ کا ایک لڑکا تھا، مگر اس کی مستقل بستی نہ تھی بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا۔

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عیس (خاندان حضرت عباس بن مرداس) بنو ثعلبہ، بنو بھر (خاندان حضرت حجاج بن ملاط) بنو زعبہ، بنو عوف، بنو سلیم ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے، کچھ خیبر کے اطراف میں اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی۔

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو منبہ، بنو سعد (آنحضرت کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا۔) پھر بنو منبہ سے بنو ثقیف، بنو جہم، بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنو معاویہ سے بنو نضر، بنو جہم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان میں بھی شاخ درشاخ ہو کر صد با بطون نکلے۔

قبائل کی تقسیم میں بعض خانوادوں کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے اور بعض میں صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخوں کو منسوب کر دیا گیا ہے اور شاخ درشاخ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عدنان کی حکومتیں..... بنی عدنان نجد، حجاز اور تہامہ میں آباد تھے اور ابتدا سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے، وہیں خیمہ زن ہو جاتے۔ اونٹ اور بکریوں کے گلے ان کا ذریعہ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد میں اس قدر کثرت ہوئی کہ قدیم اقامت گاہیں ان کے لئے کافی نہ ہو سکیں، چنانچہ عدنان کی پانچویں شاخیں اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف میں پھیل گئیں، ان میں سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں، جو صدیوں تک بڑی شان و شوکت

سے چلتی رہیں، چنانچہ بنو قضاہ کی حکومتیں حجاز سے لے کر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران قبائل میں تنوخ، اور سلیم نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تخت حکومت پر بیٹھے۔ ۲۔ شام کی سلطنت کے علاوہ جوک اور رومۃ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں۔ ۳۔ بنو قضاہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل میں مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب القسیم ہوتا تھا اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ادنیٰ مخالفت ہی، اعلان جنگ تصور کی جاتی تھی۔ ۴۔ آل معمر میں بکر و تغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں اور بنو عامر کی حکومت عراق میں تھی۔ ۵۔ ان کے علاوہ نجد میں کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی اگرچہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہیں، اگر قیاسات و قرائن کی رو سے نساوہ عدنانی ہیں، اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مشہور شاعر امرء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان شاعری کرتا تھا اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے۔ ۶۔

حمر معد حبار نائل

وجر ہم قد علمو ضمانا

دوسرے موقع پر اپنی مدح میں کہتا ہے۔

وانا الذی عرفت معد فضلہ

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسب کا دعویٰ نہیں کیا۔ عدنان کی تجارت..... اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار (تجارت) کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروان تجارت اس کے حدود سلطنت میں موجود تھے اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کر لیا تھا۔ ۷۔

آل عدنان کا مذہب..... دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا اور خانہ کعبہ کی بنیاد تو حید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس

کی عتبہؓ توحید پر ناصیہ سالی کریں،

واذہوانا لا براہیم مکان الیت ان لا لشرك بی شینا و طہر بیتی
للطائفین والقائمین والركع السجود، واذن فی الناس بالحج یا توک
رجالا وعلی کل ضامریاتین من کل فج عمیق. (حج ۲۲: ۲۶، ۲۷)
اور جب آنے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا، تو کہا کہ میرا
شریک نہ ٹھہرانا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں، نماز میں کھڑے
ہونے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و
صاف کرنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے
دلی ہو جانے والی سواریوں پر دروازہ راستہ سے آئیں گے۔

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دین ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا رنگ لگ
گیا، اور اس نسل میں عمرو بن لُحی ایک شخص پیدا ہوا، جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی اور خانہ
کعبہ میں متعدد بت لاکر نصب کئے۔ چونکہ خانہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکناف
عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے اور عمرو بن لُحی نے بت بھی اسی قلب توحید میں
نصب کئے تھے، اس لئے بہت جلد آل عدنان نے بت پرستی قبول کر لی اور چند ہی دنوں میں یہ
دباء تمام عرب میں پھیل گئی، اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی، بت پرستی کے
علاوہ عدنانیوں میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا، چنانچہ قضاء اور
ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا، نبی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم میں
مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے۔
کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حد الی دتک پرواز کر چکے تھے۔ ان ہی کے متعلق قرآن میں
آیا ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا السَّالِثَةُ نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا اللَّهُ

(جاثیہ ۳)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے، بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے

اور ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے۔“

اگرچہ تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آل عدنان میں پایا جاتا تھا، مگر خال خال ورنہ ان کا عام
مذہب بڑا ہوادین ابراہیمی تھا۔

ایام عدنان..... آل عدنان میں صد ہا خونریز جنگیں ہوئیں اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں
تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان میں اخوت اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی

ہوتی، تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحہ ہستی سے نابود ہوتی، یہ لڑائیاں ایام عرب کے نام سے مشہور ہیں اور دو قسم کی ہیں، ایک وہ لڑائیں ہیں، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنان کی خانہ جنگیاں ہیں۔

آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ..... عدنانوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں، جن میں یوم بیضاء، یوم خزار، یوم صفحہ، یا یوم مشعر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ مشہور ہیں، یوم بیضاء بنو مذحج یعنی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمنیوں کے درمیان ہوئی، اس میں بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفحہ یا مشعر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی۔ اس میں اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے، جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس میں تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ هذا اول يوم انتصرت العرب على العجم۔ یعنی پہلا دن تھا جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے۔

عدنان کی خانہ جنگیاں..... عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں، جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایام بکر و تغلب..... ایام عرب میں بکر و تغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں، اس کی ابتداء ایک معمولی واقعہ سے ہوئی اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس میں پانچ لڑائیاں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں اور یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم حنو، یوم قصبات، اور یوم قطعہ پہلی میں طرفین برابر رہے، دوسری میں تغلب پر بنو بکر غالب رہے، تیسری میں بکر تغلب پر فتح یاب ہوئے، چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ قبیع جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔

یوم عبس ذویہا..... عبس ذویہا کی لڑائیاں احس و غمراء کے نام سے مشہور ہیں، احس اور غمراء دو گھوڑے تھے، ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں یوم عراعر، یوم ہباہ، یوم بوار، یوم جراج، یوم غرق، وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

ایام ربیعہ و مضر..... بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربیعہ میں بہت لڑائیاں ہوئیں، مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم نباج، یوم دثجل، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان

لڑائیوں میں بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زدرین، یوم نھف، یوم مباہلہ، یوم شیطین، ان میں بنو بکر نے شکست کھائی اور بنو تمیم فتح یاب ہوئے، ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں، یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم لقیعہ وغیرہ ہوئیں۔

ایام بنو عامر بنو عامر قیس عیلاں کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا اور قبائل عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم شعب جبلہ، یوم ذی نجب، یوم نثار، یوم جھار، یوم مروت، یوم رقم، یوم شعب جبلہ اور ذی نجب، بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی، پہلی میں عامر غالب رہے، دوسری میں تمیم۔ یوم نثار اور جھار کا معرکہ بھی ان ہی دونوں میں ہوا۔ اس میں بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے تاہم ان کا بہت نقصان ہوا۔ ۳ یوم مروت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی اور غطفان غالب رہے۔

دیگر ایام مشہورہ یوم ابان منذر بن ماء السماء تغلیسی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی۔ یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے، یہ باہم حارث کنذی کی اولاد میں ہوئی، جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے، ۶ یوم ررحان، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے۔ ۷ یوم ادرۃ الاول بنو منذر بن امرئ القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی۔ ۸

دورِ سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے۔ ”قریش“ فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا۔ مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے اور ”تقرش“ تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا۔ اس کے علاوہ

قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے۔ جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے۔

قبائل قریش اور ان کے مشاہیر..... قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہئے قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے، بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور ناموران اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب، کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے۔

عشرہ مبشر میں ابو عبیدہ بن جراحؓ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، قحطاف افریقہ بانی شہر قیروان اور عبدالملک بن قطیبہ والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبددار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو نجیح، بنو سلیم۔

مشاہیر قریش..... بنو امیہ خاندان سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس، ابوسفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ، ام المومنین ام حبیبہؓ۔

بنو عدی: خاندان حضرت عمر بن خطابؓ، سعید بن زید، جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔

بنو تیم: خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ عمر بن عبداللہ بن جعدان وغیرہم، نبی عبددار: حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ

نبی اسد: زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ۔

بنو مخزوم: خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہ، ابو جہل، ابوسلمہ، ام المومنین ام سلمہؓ

بنو نجیح: صفوان بن امیہ، ابو محمد ورہ، موزن بن ہشامؓ عثمان بن مظعونؓ، بنو ہاشم: عمرو بن العاصؓ قحطاف مصر

بنو ہاشم: خاندان رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلبؓ، حضرت علیؓ وغیرہ۔

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو ان ہی کی شاخ سمجھنا چاہئے۔

بنو زہرہ: خاندان حضرت امیہ، عبدالرحمن بن عوفؓ وسعد بن وقاصؓ،

بنو عبد العزی: خاندان ابوالعاصؓ داماد رسول اکرم ﷺ

بنو جب: خاندان عبداللہ بن عامر والی عراق۔

بنو امیہ اصغر..... قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور قریش البطائح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے:

بطائح	ظواہر
بنو محارب بنو تمیم الادرم بنو خزیمہ بن لوی بنو سعد بنو حارث	بنو قصی بن کلاب بنو کعب بن لوی

ایام قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر تلوار بن نگی آتی تھیں۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں۔
یوم فجار اول..... یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر جنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا۔ نضری قرض خواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لے کر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنے کے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے؟ اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گزر رہا تھا، اس نے سن لیا اور غصہ میں بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپس میں صلح ہو گئی، یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے۔

یوم فجار ثانی..... حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ براہ قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا، اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ

کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا، یہ شخص سلاطین اور امراء کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں، تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے؟ عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نو بہت آگئی مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لے کر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کے لئے اس کے پیچھے ہولیا اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے، بنو قیس اس کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ میں ملا، اس نے تمام روسائے قریش کو خبر کر دی اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا، ابھی طرفین میں صلح کی گفت و شنید ہوئی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سن کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اس لئے ایک جمعیت لے کر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہو گئے اور بنو قیس واپس ہو گئے، مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا، ابتداً قریش پسپا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رخ بدل دیا اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ لرفین کے مقتولین شمار کئے جائیں، جن کے زیادہ ہوں، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا۔

واقعہ قبل..... اصحاب قبل کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقع پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوئے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کنیہ تیار کرایا اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کنیہ تعمیر کرایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لوں، عربوں نے سنا تو بہت برا فروخت ہوئے اور اسی حالت غضب میں ایک کنانی نے کنیہ میں نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو متہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس

لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہیں، اگر تم اس میں کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے، عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہارا مقابلہ کر سکیں، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچالے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو محفوظ مقامات میں بھیج دیا اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائیں مانگیں اور چلے گئے جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچالیا۔ اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیوں میں چیچک کی بیماری پھیلی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کا جھنڈ بھیجا۔

ایک جنگ..... قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاہ میں تولیت حرم کے بارہ میں دو لڑائیاں ہوئیں، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ میں آیا، تو حرم کے متولی بنوصوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضائی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا اور بنوصوفہ سے کہا کہ تولیت حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، مگر انھوں نے انکار کر دیا، جس پر طرفین میں جنگ ہوئی اور بنوصوفہ نے شکست کھائی، بنوخزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا۔ اس لئے بنوبکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دیں، قریش کے معاون قضاہ اور کنانہ تھے، غرضیکہ دونوں میں سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے، جب دونوں خوب لڑ کر تھک گئے، تو عمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے اور اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے اور بنوبکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے۔ ۲

یوم ذات نکیف..... چونکہ قصی بنوبکر کو خانہ کعبہ کی تولیت سے بے دخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلہ بنوبکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقع نہ ملا آخر کار عبدالمطلب کے زمانہ میں دفعتاً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو خرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبدالمطلب نے بنوہوں، بنوحارث، اور بنومصطلق کو جمع کر لیا اور ذات نکیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنوبکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ ۳

خانہ کعبہ کی مرمت..... خانہ کعبہ کی مرمت کے موقع پر بھی ایک خوزیز جنگ ہوتے

ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت امتداد زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی، دیواریں پست تھیں، چھت گر گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک جہہ بھی نہیں لگایا، جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش میں گزر گئے، آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، وہ حکم مانا جائے، حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ داخل ہوئے، سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت ﷺ اس سے بے خبر تھے، آپ کو اطلاع دی گئی، تو آپ نے رفع شرکی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضیکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنہ عظیم رک گیا۔

قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا اور اہمیت کی وجہ سے قدرۃ آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس طرف اٹھتی تھیں، چنانچہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہیں، یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ تبسکک سے مشتق ہے، جس کے معنی میں نخوت اور غرور توڑنا اور سرکشوں کی گردن جھکانا چونکہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جبارہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں، اس لئے اس کو مکہ کہنے لگے۔ یہ بہر حال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا، حتیٰ کہ وہاں خود عربوں کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا، بلکہ عام غیر متہدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترکہ مرکز خانہ کعبہ تھا، جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے، چنانچہ آئندہ چل کر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اس کا دار و مدار اسی خانہ کعبہ پر تھا، قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے، تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا۔

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع..... وحشت اور تمدن کی یہی طبعی عمر ہوتی ہے جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ متمدن تھے، لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا، کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں شادی کر لی، قصی کی بھی نشوونما وہیں ہوئی، جوان ہوا، تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا، ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت و عظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، داد ہیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن حبشہ خزاعی کے ہاتھ میں تھی، قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی، جب حلیل مر گیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے ہوئے بنو خزاعہ کو ولایت حرم کا کیا حق ہے، چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کر کے بنو خزاعہ کو لڑکر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمت حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہیں، کوئی پہاڑوں پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہے، نہ ان میں کوئی نظام ہے اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑوں اور صحراؤں سے اکٹھا کر کے، ایک جگہ آباد کیا، اس لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہیں، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منظم صورت میں قائم رکھ سکے، اسی لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے، جس کی اطاعت تمام قبائل قریش نے قبول کی اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا۔

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت میں قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبہ حکومت میں ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبوں میں ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان میں بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے تمام صیغوں کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغوں اور عہدوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

نظام عسکری:-

قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے، عقاب، قتبہ، اعنہ، سفارہ،

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
عقاب	نشان قومی کی علمداری	بنو امیہ
قتبہ	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	بنو مخزوم
اعنہ	فوج کی سپہ سالاری	بنو مخزوم
سفارت	قبال اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	بنو عدی

عدالتی نظام:-

اس کے دو شعبے تھے، حکومت و اشاق

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
حکومت	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	بنو سہم
اشاق	جرمانہ خوبیا اور مالی تاواں کی نگرانی	بنو تیم

نظام مذہبی..... قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، جہاں حج کے موقع پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں۔ لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا۔ اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رقادہ، سدانہ، ایبار، موال، حجرہ، سقایہ اور رقادہ حجاج کے متعلق تھے اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق۔

سقایہ: یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی۔ رقادہ: یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبر گیری، اس کا رخبر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران قریش بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارت بیت اللہ کے خاطر آتے ہیں اور خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور تم اپنے آپ کو ”حیر اللہ خدا کے پڑوسی کہتے ہو“، کیا تمہارا اس قدر بھی فرض نہیں کہ تم ان کی خاطر ومدارات کرو، مفلسوں کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو اور ہر طرح ان کی آسائش کا سامان بہم پہنچاؤ۔

اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی۔ اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا۔

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانہ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال میں خاص اہتمام تھا اور اس کے لئے علیحدہ علیحدہ عمارہ قائم کیا تھا، جس کے منتظم بنو ہاشم تھے۔

سدانہ: خانہ کعبہ کی کلید برداری یا در بانی، چونکہ خانہ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا اور اس میں بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا۔ اس لئے عموماً بندر ہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات میں کھولا جاتا تھا، اس در بانی کا شرف بنو عذار کو حاصل تھا۔

ایسار: خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے، جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو حجاج کے سپرد تھی۔

اموال حجرہ..... حجاج وزائرین کعبہ بتوں پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے اور جائیدادیں وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا۔ جس کو اموال حجرہ کہتے تھے اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی۔

ندوہ..... دارالندوہ ایک عمارت تھی، جس کو قصی نے خانہ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس میں اہم کاموں کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہیں انجام پذیر ہوتی تھیں۔

مشورہ..... اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتے تھے، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کے لئے مخصوص تھا، بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہیں انجام پاتا تھا۔

حلف فضول..... عام نظام عدالت کے علاوہ قریش نے اسناد و مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا۔ مگر اس کی قیمت نہیں ادا کی، وہ بے چارہ قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی دجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دروناک اشعار پڑھ کر اپنی بے کسی ظاہر کی زبیر بن عبدالمطلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے بنو ہاشم، بنو ہرہ، بنو تمیم بن مرہ کو عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع کیا اور سمجھوں نے حلف لے کر عہد کیا کہ جب تک بحر صوف میں پانی رواں رہے گا اور جب تک حراء اور ثبیر اپنی جگہ پر قائم رہیں گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لیں۔

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کے لئے رکھی گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ
شہادت فی دار عبد اللہ بن جدعان حلفاً لودعیث بہ فی الاسلام

لاجیب

”یعنی عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں، میں ایسے حلف میں شریک ہوا کہ

اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھ کو زمانہ اسلام میں بھی دی جائے تو قبول کر لوں۔“

قریش کا مذہب..... قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا، لیکن اصنام پرستی ان میں اس قدر چھا گئی تھی کہ دین صیغ کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچانا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین میں بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لُحی ہے یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہاں ایک شہر میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود ہیں، ہم ان کی پرستش کرتے ہیں، اس کے صلہ میں یہ پانی برساتے ہیں اور ہر قسم کی امداد کرتے ہیں، عمرو بن لُحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو ہم اپنے یہاں لے جا کر ان کی پرستش کریں گے، لوگوں نے ہل نامی بت اس کو دے دیا، جس کو لا کر اس نے مکہ میں نصب کیا، اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لُحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور مناة کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا۔ غرضیکہ یہ وہ عمرو بن لُحی نے عام عرب میں پھیلائی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔ یجر فصبہ فی النار۔ یعنی اس کی آستیں آگ میں گھسی جاتی ہیں، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے، چنانچہ اساف و ناملہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے اور قریش کے مخصوص بت تھے اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ قبیلہ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہو گئے۔

لاات..... بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ لاات مکہ میں ایک پتھر تھا، جس پر حجاج کے لئے ستون گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا، وہ مر گیا، تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اپنے ہم نام پتھر میں گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہو گئی۔

عزی..... بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور تبرکات اسی کے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزی قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے بارغ میں نصب تھا، قریش برابر وہاں تحائف لے جاتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔

منافہ..... بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزی کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے تھے چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے۔ والات والعزی ومنافہ الثالثة الاخری فانہن الغرائق العلی وان شفا عنہن لرجی۔ ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے۔ اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے۔

الفریتم اللہ والعزی، ومنواف الثالثة الاخری الکم الذکر ولہ الاثنی،

تلك اذا قسمه ضیزی، ان ہی الاسماء سمیتوہا انتم وآباءکم
ما انزل اللہ بہامن سلطان۔

کیا تم نے لات اور عزی اور تیسرے بت منافہ پر نظر کی کیا تمہارے لئے
بچے اور خدا کے لئے بیٹیاں ہیں، اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو
نام ہی نام ہیں، جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا ہے، خدا نے
ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری۔

ہبل..... قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا اور قریش کے تمام بتوں میں
سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا، یہ سب سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اس پر انسانی قربانیاں بھی
چڑھائی جاتی تھیں، چنانچہ عبدالمطلب نے منہ مانی تھی کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان
دیکھیں گے، تو ایک کو بیٹے ہبل پر نذر چڑھائیں گے۔ لڑائیوں میں ہبل کی بے پکارتی تھی،
جنگ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کو پسپائی ہوئی اور دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ خدا نخواستہ
آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے، تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی بے کافروہ لگایا۔ خانہ
کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن میں حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم کی صورتیں
بھی شامل تھیں۔ ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے
موقع پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے۔

بدعات حج..... اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر امتداد زمانہ سے اس میں اس
قدر تغیر و تبدل ہو گیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی چونکہ حضرت ابراہیم بیت
اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس

فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اس کے ارکان اور طریقہ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں، اشہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے، یعنی محرم کا نام بدل کر صفر رکھ دیتے اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے، جو غیر اشہر حرام میں جائز ہیں، حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ خاموش حج کرتے، یعنی دوران حج میں منہ سے نہ بولتے، ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا۔ قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کے لئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے۔ ۱۳ اسی پر آیت نازل ہوئی۔

ثم افوضوا من حيث افاض الناس۔ (سورۃ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے۔ ۱۴ حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے۔ ۱۵ طواف کے وقت واللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى فانهن الغرائق العلى وان شفا۔ ۱۶ تھیں لمرجسی۔ پڑھتے تھے۔ ۱۷ تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے۔ ۱۸ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے مایومن اکثرهم باللہ الا وہم مشرکون۔ ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں، تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعات حج ہی نہیں رائج تھیں، بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً: شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی اعیاش، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش بھی مستثنی نہ تھے، بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے۔ سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی غرض کہ اس قبیل کی صد ہا لغویتیں ان میں رائج تھیں، تاہم ان برائیوں کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں، مظلوموں کی وادری ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے، جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج میں ہزاروں حجاج کی ضیافت کرتے تھے، ناداروں کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے اور اس سعادت میں قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا۔ ۱۹ حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو دیتے۔ ۲۰ یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانوں کے لئے بھی قریش کا دسترخوان اسی طرح وسیع تھا، ایفائے عہد میں خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیوں نہ ہو، مگر عہد سے نہ پھرتے تھے۔

۱ بخاری جلد باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱ ۲ بخاری جلد کتاب التماسک ص ۲۲

۳ بخاری جلد ص ۳۲۶ ۴ ایضاً ص ۲۲۸ ۵ سیرۃ ابن ہشام جلد ص ۶۷

۶ تجم البلدان جلد ۶ ص ۱۶۶ ۷ سیرۃ ابن ہشام جلد ص ۴۷ ۸روض الانف

۹ بخاری جلد ص ۵۳۹

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے تھے، اشہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش، مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تذکرہ کرتے تھے، حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا، جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختوں کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کر دیا۔

کفر و شرک کی اس عام تیرگی میں کہیں کہیں خدا پرستی کا نور بھی پر تو قلم تھا، چنانچہ قریش میں خدا پرستوں کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً: زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں موحّد تھے، دین حنیف کی پیاس میں موسوی اور عیسوی چشموں کی طرف لپکے، مگر کہیں پیاس نہ بجھی، آخر میں خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا، کہ خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں، وہ اس نعمت تو حید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش میں اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیوں پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے حتیٰ کہ لڑکیوں کو لے کر خود پرورش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قریش کے اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں، جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ خود صحابہ کرامؓ میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں، جو زمانہ جاہلیت میں فطرت سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ۔

لوازم تمدن

تجارت۔..... قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے حتیٰ کہ ابو جہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا۔ قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافلے ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروان تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے، سورہ قریش میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لایلف قریش الفہم رحلة الشتاء والصیف للیعبد وارب هذا

البيت الذی اطعمهم من جوع وامنهم من خوف۔ (سورۃ القریش)

”عجب ہے کہ قریش کو اپنے جائزے اور گرمی کے سفر (تجارت) سے کس قدر الفت ہے،

ان کو چاہئے کہ اس گھر کے رب کو پوچھیں جس نے ان کو بھوک سے بچانے کے لئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا۔“

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ روم سے اجازت نامے حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدود حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں، اس زمانہ میں اگرچہ راستے پر امن نہ تھے، رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے ”جیر اللہ“ خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے، اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے، قریش میں اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس میں مرد و عورت، بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہ بیوگی کے زمانہ میں بڑے پیمانہ پر تجارت کرتی تھیں، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہ کا مال تجارت کل قریش کے سامان تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہ کا مال لے کر بصرے تشریف لے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی اور بعد اسلام انھوں نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی۔ آپ یمن کے بازار جرش میں دوبار تشریف لے گئے، بحرین میں بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابوطالب بھی تاجر تھے، اکابر قریش میں ابوسہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا۔ مدینہ میں مقام سلخ پر آپ کا ایک پرچہ بانی کا کارخانہ تھا۔ کبھی کبھی خود مال لے کر باہر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ اسلام کے بعد بصری مال تجارت لے کر جاتے تھے۔ ۵۔

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے، ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا بے اور بذات خود تجارت کے سلسلہ میں بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہیں کہ بہت سے ارشادات نبویؐ میں تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا۔ ۸۔ حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنو قینقاع کے بازاروں میں آپ کا کھجوروں کا کاروبار تھا۔ ۹۔ زمانہ جاہلیت میں ربیعہ بن حارث کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔ ۱۰۔ حضرت علیؓ

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۰۰ ۲۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۷

۳۔ امش القرآن ص ۱۳۸ جلد ۱ ۴۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰

۵۔ ابن ماجہ باب المزاج ۶۔ مسند ابن ضیل جلد ۱ ص ۶۲

۷۔ ایضاً جلد ۳ ص ۳۳۷ ۸۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۷۷ ۹۔ مسند احمد بن ضیل ۱۰۔ اصابہ جلد ۲ ص ۱۹

نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے۔ ابان بن سعید قریشی بھی تاجر تھے، اور شام وغیرہ جا کر تجارت کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، تو ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب قاصد خط لے کر پہنچا، تو اس وقت قریش کے تاجروہاں موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کئے۔ غرضیکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں، کانت قریش قومًا تجاراً۔ چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج سے روکا تو انھوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے، عرب عموماً ان چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جزیں۔ (۲) سونا، لوہا اور جواہرات۔ (۳) خام کھالیں، بنا ہوا چمڑا، زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ۔

توراة میں جا بجا ان چیزوں کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالباً ان کی تجارت کرتے ہوں گے، بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، قریش کے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لے کر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چیز تھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ

ومعه فضة كثيرة وهي عظم تجارتهم۔

عرب کی دس تجارتی منڈیاں تھیں، ان میں قریش زیادہ تر بازار ذوالحجاز اور عکاظ میں شریک ہوتے تھے۔ بے زمانہ اسلام میں لوگوں نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۵

ليس عليكم جناح ان تبغوا فضلا من ربكم (البقرہ ۲: ۱۹۸)

”تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں (کہ زمانہ حج میں) اپنے رب کا

فضل تلاش کرو۔“

زمانہ اسلام میں تجارت اور زیادہ چمکی، چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازاروں میں کاروبار تجارت میں گزرتا تھا، اور زمانہ جہالت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام میں تقریباً سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا۔ ۹

۱۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۸۰۔ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶۔ ۳۔ بخاری جلد ۱ ص ۲
 ۴۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰۔ ۵۔ مسند ضعیل مسند اہل بیت۔ ۶۔ طبری ص ۱۳۷
 ۷۔ یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱۴۔ ۸۔ کتاب المہاجر باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوۃ
 فانشروا فی الارض۔ ۹۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۷۴

علوم و فنون..... یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا، تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے، جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد بھی جاتی تھی، از آنجملہ قبیلہ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے، قریش کی زبان میں اتر آیا۔ خود آنحضرت ﷺ نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ”میں تم سب میں فصیح تر ہوں، اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے، خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان میں تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابو حذیفہ بن عتبہؓ، حاطب بن عمروؓ، ابوسلمہ بن عبد الاسدؓ، ابان ابن سعیدؓ، خالد بن سعیدؓ، عبد اللہ بن سعدؓ، ابوسفیان بن حربؓ، امیر معاویہؓ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور حضرت ام سلمہؓ عارف پڑھ سکتی تھیں۔

لکھ نہیں سکتی تھیں، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی۔

رفاہ عام کے کام..... قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام جازیوں سے ان کو ممتاز کرتے تھے، جس سے ان کے معاصر قبائل میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی، چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار کے قبائل کی آسائش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئیں مختلف مقامات پر کھدوائے تھے، اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کے لئے آب شیریں مہیا کیا جائے، ان کے کنوؤں اور ان کے مالکوں کے نام کی تفصیل یہ ہے۔

شہر مکہ کے اندرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنوئیں	جگہ
عبد شمس	مکہ کے بالائی حصہ پر
ہاشم بن عبد مناف	بدر	ابوطالب کی گھاٹی پر
مطلب بن عدی	سجلہ	
بنو اسد ابن عبد العزی	سقیہ	
بنو عبد دار	ام احرار	
بنو تميم	سبلہ	
بنو سہم	غمر	

مکہ کے بیرونی کنوئیں

مرہ بن کعب	احرم	
بنی کلاب بن مرہ	خیم خم	

اسلام کا ظہور..... قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں کہ دفعۃً افق مکہ پر برق تجلی چمکی، نور حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تاب نظارہ نہ لاسکیں اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نور حق کی روشنی کو تاریکی میں چھپا دیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے، مگر سیل صداقت برابر پھیلتا گیا، یہاں تک کہ ریگستان عرب کو رشک گلزار بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوت اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب دعوت کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی، اور اس کے استیصال کی تمام امکالی کوششیں شروع کر دیں، وہ اشاعت اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودوں کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت ﷺ کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے مگر جب آپ پر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی، تو مجبوراً ان لوگوں کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے فیصل تھے، چنانچہ عمائد قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے بھجدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم

اس کو روکو ورنہ ہمارے حوالہ کردو، اس وقت ابو طالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت ﷺ پر نہ پڑا، اور آپ کے سابق طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے، اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بہت سمجھایا کہ بیٹا چچا پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کر سکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی ابدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر مہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضہ کو چھوڑ دوں، تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس میں میں ہلاک ہو جاؤں، یا کامیاب ہوں، اس جواب سے ابو طالب بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی میں آئے کرو، میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔ جب قریش کو ابو طالب کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو قیسری مرتبہ پھر آئے، مگر اس مرتبہ انہوں نے صاف جواب دے دیا، جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آ جائیں، چنانچہ ابو الولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیاں آپ کے سامنے پیش کیں، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کر دیں، کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تم کو اپنا سردار بنالیں اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔

جب تمام تر غیبات ابو الولید دے چکا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میری بھی کچھ سنو! یہ کہہ کر آپ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے۔

عتبہ جب یہاں سے اپنے ساتھیوں میں گیا تو وہ لوگ اس کا بدہ ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہیں معلوم ہوتے، جو یہاں سے بھیجے گئے تھے، سبھوں نے ماجرا پوچھا، انہوں نے کہا، میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے نہ وہ شعر ہے اور نہ وہ کہانت ہے، میری رائے ہے کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجیب نہیں کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہو گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے، اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربوں کی کامیابی بھی تمہاری کامیابی ہے، عتبہ کے یہ خیالات سن کر لوگوں نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسکور ہو گئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری رائے ہے، آئندہ تم لوگ جو چاہو کرو۔

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کسی طرح اپنے فریضہ سے دست کش نہ ہوئے بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی اور قبائل قریش میں مسلمانوں کا زور افزوں اضافہ ہوتا گیا، اکابر قریش میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہو چکے، تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شان نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنوں میں گندی چیزیں ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ کے چہرہ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں، بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں ہی ہوں، اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکل کر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹا شروع کیا، حضرت ابو بکرؓ موجود تھے، یہ درد ناک منظر نہ دیکھ سکے اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفتوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹا تھا، جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا اور کفار بھوک پیاس، مار پیٹ ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے۔ ان کی درندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوئی، بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے انداز ستم ایجاد کرتے تھے۔

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توڑے کی طرح تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا، کہ جنبش نہ کر سکیں، اور کہتا کہ محمدؐ سے توبہ کر کے لات و عزی کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احدا حد کی صدا بلند ہوتی۔

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطہ دیتے، مگر زبان کلمہ حق سے نہ

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳، بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبیؐ میں یہی واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

۲۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۰ و اسد الغار جلد ۱ ص ۲۰۶

پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ بانا رکھوئی ہو دا و سلاما علی عمار کما کنت علی ابراہیم۔ اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے۔

حضرت خباب بن ارتؓ بھی مشرکین کے ظلم و ستم کے شکار تھے وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دھکاتے اور مجھ کو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب میں اس وقت تک مبتلا رہتا جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی۔

حضرت صہیبؓ بھی ان ہی بے کس لوگوں میں تھے جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس و فقر کی حالت میں آیا تھا، یہاں رہ کر دولت مند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لے کر نکل جائے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، انہوں نے فرمایا، اگر میں سب مال و متاع تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے سارا مال حوالہ کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا۔ ”دفع صہیب دفع صہیب۔“ صہیب نفع مند رہے، صہیب نفع مند رہے۔

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیا کے دست ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں۔ حضرت سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقات اسلام میں تھیں ان کو ابو جہل بہت ستاتا تھا، حتیٰ کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔

حضرت زبیرہؓ دائرہ اسلام میں ابتدائی میں داخل ہوئیں، ابو جہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے۔ ان ہی میں ایک خاتون لبینہؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعیفائے اسلام کے حضرت ابو بکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

یہ تمام مہاجرین ضعیفائے اسلام میں تھے، جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے حضرت ابو بکرؓ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی۔ بے حضرت عثمانؓ جب مشرف باسلام ہوئے، تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رشی سے باندھتے اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے۔

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے نوارے چھوٹنے لگے۔ یہ مذکورہ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ ان کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔

پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت..... مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے، نہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی، جہاں وہ کچھ اطمینان و سکون حاصل کر سکیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئی اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھے۔

مرد	عورتیں
حضرت عثمانؓ	حضرت رقیہؓ
حضرت ابو حذیفہؓ	حضرت سہلہ بنت سہیلؓ
حضرت زبیر بن عوامؓ	
حضرت مصعب بن عمیرؓ	
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	حضرت ام سلمہؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	حضرت لیلیٰ بنت ابی حمزہؓ
حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ	
حضرت سہیل بن بیضاءؓ	
حضرت حاطب بن عمروؓ	

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو گئی، اور بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانوں کا آرام و آسائش کب گوارا کر سکتے تھے۔

حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش..... اس لئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے، اس وفد کے ارکان میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونوں حبش پہنچے، اور نجاشی کے دربار میں حاضری سے قبل پہلے درباری بطریقوں سے ملے اور فردا فردا ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزین ہوئے ہیں، ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں، اس لئے آپ لوگوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گزار ہوں تو برائے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائیں، اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفروضہ ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں، اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہو کر ہدایا پیش کئے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب سے مختلف ہے، اس لئے ہم عرض گزار ہیں کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا، اس لئے انہوں نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں، اس لئے ان کا حوالہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

نجاشی کا جواب..... نجاشی یہ درخواست سن کر بہت برہم ہوا، اور کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر خود تحقیقات نہ کر لوں گا، اس وقت تک میں اپنے مہمان اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالہ نہیں کر سکتا، البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے مطابق ہیں، تو مجھے حوالہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے، تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جا سکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے، آزادی سے رہ سکیں گے۔

نجاشی کا مسلمانوں کو تحقیق حال کے لئے طلب کرنا..... چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا چونکہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے بالکل نیا تھا، اس لئے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہئے مگر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح بیان کر دیں گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا، اور وہ تمہارا جدید مذہب ہم سب لوگوں کے مذہب سے نرالا ہے؟ اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر میں دیا۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر ایہا الملک، ہم جاہل قوم تھے۔ توں کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے، فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برابر تاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زبردست کو کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا۔ جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے اور اپنے آباء کے اصنام کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اس کی پرستش کریں، اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خونیازی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عقیقہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے، اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی، کہ ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں۔

نجاشی کا آیات قرآنی متاثر سے ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھبعض کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، نجاشی نے کہا کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

وفد مشرکین کی ایک چال اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جاسکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے، تو ایک دوسری تدبیر سوچی وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں، یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے۔

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی..... غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو تم کہتے ہو، حضرت عیسیٰ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے، اس پر بظاہر بہت زیادہ چین بکھیں ہوئے اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی..... ابھی مہاجرین حبشہ میں کچھ ہی دن رہے تھے کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرتاً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے، مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کھٹکھٹ میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہو گئے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت..... مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہو گئے، مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربار حبشہ سے ناکام واپس ہوئی تھی، اور مہاجرین وہاں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کر دی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبشہ روانہ ہو گیا۔

اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	۴	حضرت شجاع بن وہبؓ
۲	حضرت ابو حذیفہؓ	۵	حضرت عتبہ بن غزوہؓ
۳	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۶	حضرت طلیب بن عمیرؓ

۱۔ یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۴۰۲، ۴۰۳ میں مفصل مذکور ہیں۔ ۱۲۔

۲۔ طبقات ابن سعد جز اول قسم اول ص ۱۳۸

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۷	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	۳۵	حضرت خراس بن نصرؓ
۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۳۶	حضرت جہم بن قیسؓ
۹	حضرت مقداد بن عمروؓ	۳۷	حضرت ابولکبہؓ
۱۰	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	۳۸	حضرت مطلب بن ازہرؓ
۱۱	حضرت معتب بن عوفؓ	۳۹	حضرت عتبہ بن مسعودؓ
۱۲	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۴۰	حضرت شریح بن حسنہؓ
۱۳	حضرت خنیس بن حذافہؓ	۴۱	حضرت حارث بن خالدؓ
۱۴	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۴۲	حضرت عمرو بن عثمانؓ
۱۵	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ	۴۳	حضرت عباس بن ابی ربیعہؓ
۱۶	حضرت قدامہ بن مظعونؓ	۴۴	حضرت ہاشم بن ابوحنیفہؓ
۱۷	حضرت سائب بن عثمانؓ	۴۵	حضرت بہار بن سفیانؓ
۱۸	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ	۴۶	حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
۱۹	حضرت عبداللہ بن محرزہؓ	۴۷	حضرت معمر بن عبداللہؓ
۲۰	حضرت حاطب بن عمروؓ	۴۸	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
۲۱	حضرت عبداللہ بن سہلؓ	۴۹	حضرت قیس بن حذافہؓ
۲۲	حضرت سعد بن خولہؓ	۵۰	حضرت ہشام بن عاصؓ
۲۳	حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	۵۱	حضرت ابو قیس بن حارثؓ
۲۴	حضرت سہیل بن بیضاءؓ	۵۲	حضرت سائب بن حارثؓ
۲۵	حضرت معمر بن ابی سرحؓ	۵۳	حضرت حجاج بن حارثؓ
۲۶	حضرت عیاض بن زہیرؓ	۵۴	حضرت تمیم بن حارثؓ
۲۷	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	۵۵	حضرت سعید بن حارثؓ
۲۸	حضرت خالد بن سعیدؓ	۵۶	حضرت سعید بن عمروؓ
۲۹	حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ	۵۷	حضرت حمیہ بن جزؓ
۳۰	حضرت خالد بن حزامؓ	۵۸	حضرت حاطب بن حارثؓ
۳۱	حضرت اسود بن نفلؓ	۵۹	حضرت خطاب بن حارثؓ
۳۲	حضرت عمرو بن امیہؓ	۶۰	حضرت سفیان بن معمرؓ
۳۳	حضرت یزید بن زمعہؓ	۶۱	حضرت خالد بن سفیانؓ
۳۴	حضرت ابوالروم بن عیسؓ	۶۲	حضرت جنادہ بن سفیانؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۶۳	حضرت نبیہ بن عثمانؓ	۶۶	حضرت مالک بن زمعہؓ
۶۴	حضرت سلیط بن عمروؓ	۶۷	حضرت عمرو بن حارثؓ
۶۵	حضرت سکران بن عمروؓ	۶۸	حضرت عثمان بن عبد غنمؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت سودہ بنت زمعہؓ	۱۱	حضرت ام کلثوم اسما بنت عمیسؓ
۲	حضرت فاطمہ بن علقمہؓ	۱۲	حضرت فاطمہ بنت عمیسؓ
۳	حضرت عمیرہ بن سعدیؓ	۱۳	حضرت امینہ بنت خلفؓ
۴	حضرت حسنہ ام شرییلؓ	۱۴	حضرت خزیمہ بنت جہمؓ
۵	حضرت حبیبہ بنت ابوسفیانؓ	۱۵	حضرت ام حرمہؓ
۶	حضرت ام سلمہ بنت ابی سلمہؓ	۱۶	حضرت فاطمہ بنت مجللؓ
۷	حضرت ربطہ بنت حارثؓ	۱۷	حضرت فکیہہ بنت یسارؓ
۸	حضرت رملہ بنت ابی عوفؓ	۱۸	حضرت برکہ بنت یسارؓ
۹	حضرت لیلیٰ بنت ابی حمزہؓ	۱۹	حضرت اسما بنت عمیسؓ
۱۰	حضرت سہلہ بنت نبیلؓ		

غریب مسلمانوں کو خانمان برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اور آپ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقابلہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند میں گزارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بے کسی پر رحم آیا، اور انہوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیوں کو قید تنہائی سے نجات ملی جا۔

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال..... اس معاہدہ کی نتیجہ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ کے حامی اور چیمپے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سو مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بھی داغ مفارقت دیا، اور دواڑہائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت ﷺ کے دونوں محافظ اٹھ گئے۔

قریش کی ایذا رسائی..... اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لئے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا، اور انہوں نے کسی ممکن ایذا رسائی سے دریغ نہ کیا، ان میں اکثر واقعات اوپر گزر چکے ہیں ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لا کر فرق مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے، ایک صاحبزادی نے اس حالت میں دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں، سر سے مٹی دھوئی جاتی تھیں اور آنسو بہتے جاتے تھے، سرور عالم ﷺ شفی دیتے تھے کہ جان پدر مت رو، خدا تمہارے باپ کو کفار کی دراز دستیوں سے روکنے والا ہے، اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابوطالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے۔ تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر..... ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد شریکین مکہ کے جو رستم نے سرزمین حرم آنحضرت ﷺ کے لئے تنگ کر دی، اس لئے آپ نے زید بن حارثہ کی معیت میں طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہاں کچھ بندگان خدا تو حید کی صدا پر لبیک کہیں، چنانچہ طائف پہنچ کر سرداران ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمہارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہیں ملا؟ خدا کی قسم! ہم تم سے بات نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے میں بڑا خطرہ ہے اور اگر جھوٹے ہو، تو قابل التفات نہیں۔ آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے، تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلہ ثقیف کے ایک ایک سربر آوردہ شخص سے ملے، لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ہمارے یہاں سے نکل جاؤ، اور جہاں تمہاری آواز سننے والے ہوں وہاں جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کچھ اوباشوں کو پیچھے لگا دیا، جنہوں نے ذات اقدس پر سنگ باری شروع کر دی، اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے دونوں پاؤں زخموں سے چور ہو گئے، زید بن حارثہ آپ کو بجاتے تھے، اس مہر افعت میں وہ بھی زخمی ہوئے۔ ۳۔

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان..... غرض اس طرح آپ وہاں سے مغموم و ناکام واپس ہوئے، راستہ میں زید ابن حارثہ نے گزارش کی کہ مکہ میں ہم کس طرح رہ سکتے ہیں، جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لے کر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی، اس لئے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے اور آپ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے۔ ۴۔

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام..... اسلام اور بانی اسلام (ﷺ) کے خلاف غیظ و

غضب کا جو طوفان اٹھا تھا، وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت ﷺ سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعت اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فردگاہوں پر بالخصوص عکاظہ، جحہ، اور ذوالعکاظہ کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے، وہاں آپ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے، جن قبائل میں آپ نے زکشت لگا کر پیغام خداوندی پہنچایا، ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، یثرب، بنو نضیر، بکاء، کندہ، کعب، حارث بن کعب، غدرہ، حضارمہ، لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے، یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا تو دوسرے کیوں قبول کریں گے۔

تبلیغ کا اثر قبائل پر..... اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوس صالحہ موجود تھے، جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہتیرے قبائل میں اسلام کا خاصا پر تو پڑا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب حضرت جعفر بن ابوطالب حضرت علی بن ابوطالب
موالی ہاشم	حضرت آنسہؓ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت ابو کبشہ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت زید بن حارثہ مولیٰ آنحضرت ﷺ
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارث حضرت طفیل بن حارث
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنوی حضرت مرثد بن ابی مرثد

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفانؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت خالد بن سعیدؓ
	حضرت عبد اللہ بن جحشؓ
	حضرت ابواحمد بن جحشؓ
	حضرت عکاشہ بن مھسنؓ
	حضرت شجاع بن وہبؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہبؓ
بنو نوفل کے حلیف	حضرت عقبہ بن غزوہؓ
بنو اسد بن عبد العزیٰ	حضرت زبیر بن عوامؓ
بنو اسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ
بنو عبد دار	حضرت مصعب بن عمیرؓ
بنو عبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیرؓ
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ
	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
	حضرت طلیب بن ازہرؓ
	حضرت عبد اللہ صقرؓ
	حضرت عبد اللہ بن شہابؓ
	حضرت عامر بن ابی وقاصؓ
	حضرت مطلب بن ازہرؓ
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ
	حضرت مقداد بن عمرؓ
	حضرت خباب بن ارتؓ
	حضرت مسعود بن ربیعؓ
	حضرت عقبہ بن مسعودؓ
	حضرت شریک بن حسنہؓ
بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
	حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ
	حضرت عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبرؓ
	حضرت حارث بن خالدؓ

حضرت عمرو بن عثمانؓ	بنو تميم بن مرہ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	بنو مخزوم بن یقطہ
حضرت ارقم بن ارقمؓ	
حضرت شماس بن عثمانؓ	
حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ	
حضرت سلمہ بن ہشامؓ	
حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ	
حضرت ہبار بن سفیانؓ	
حضرت عبداللہ بن سفیانؓ	
حضرت عمار بن یاسرؓ	بنو مخزوم کے حلیف
حضرت مصعب بن عوفؓ	
حضرت عمر بن الخطابؓ	بنو عدی
حضرت زید بن خطابؓ	
حضرت سعید بن زیدؓ	
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	
حضرت عمرو بن سراقہؓ	بنو عدی
حضرت نعمان بن عبد اللہؓ	
حضرت معمر بن عبد اللہؓ	
حضرت عدی بن نضلہؓ	
حضرت عروہ بن ابی اثاثہؓ	
حضرت مسعود بن سویدؓ	
حضرت عبداللہ بن سراقہؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	حلیف بنو عدی
حضرت عاقل بن ربیعہؓ	
حضرت خالد بن ربیعہؓ	
حضرت ایاس بن ربیعہؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	
حضرت خولی بن ابی خولیؓ	
حضرت یحییٰ بن صالح غلام عمر بن خطابؓ	

بنو سہم

حضرت خنیس بن حذافہؓ
 حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
 حضرت ہشام بن عاصؓ
 حضرت ابو قیس بن حارثؓ
 حضرت عبداللہ بن حارثؓ
 حضرت سائب بن حارثؓ
 حضرت حجاج بن حارثؓ
 حضرت تمیم بن حارثؓ
 حضرت سعید بن حارثؓ
 حضرت سعید بن عمروؓ
 حضرت عثمان بن مظعونؓ
 حضرت عبداللہ بن مظعونؓ
 حضرت قدامہ بن مظعونؓ
 حضرت سائب بن عثمانؓ
 حضرت معمر بن حارثؓ
 حضرت خطاب بن حارثؓ
 حضرت سفیان بن معمرؓ
 حضرت خالد بن سفیانؓ
 حضرت جنادہ بن سفیانؓ
 حضرت عیینہ بن عثمانؓ
 حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ
 حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ
 حضرت حاطب بن عمروؓ
 حضرت عبداللہ بن سہیلؓ
 حضرت عمیر بن عوفؓ
 حضرت وہب بن سعدؓ
 حضرت سلیط بن عمروؓ
 حضرت سکران بن عمروؓ
 حضرت مالک بن زمعہؓ

بنی جحج بن عمرو

بنو عامر بن لوئی

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	بنو قھر بن مالک
حضرت سہیل بن بیضاءؓ	
حضرت معمر بن ابی سرخؓ	
حضرت عیاض بن زہیرؓ	
حضرت عمرو بن حارثؓ	
حضرت عثمان بن عفیفؓ	
حضرت سعید بن عبد قیسؓ	بنو اسد بن عبد العزی
حضرت خالد بن حزامؓ	
حضرت اسود بن نوفلؓ	
حضرت عمرو بن امیہؓ	
حضرت یزید بن زمعہؓ	
حضرت ابوالروم بن عبیدؓ	بنو عبیدہ بن قصی
حضرت فراس بن نصرؓ	
حضرت جہم بن قیسؓ	
حضرت ابو فکیہؓ	بنو عبد بن قصی کے حلیف
حضرت حمیہ بن جزاءؓ	بنی سعد کے حلیف
حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسیؓ	قبیلہ دوس
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہؓ	

قبیلہ دوس کی خواہش..... جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی پورش اور دشمنان اسلام کا زغہ تھا، اس وقت بھی اطراف مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا، ذات نبویؐ کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمروؓ نے خواہش کی آنحضرت ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں، لیکن آپؐ نے انکار کر دیا۔ اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپؐ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن بغیر آپؐ حکم الہی کے مجبور تھے۔

مدینہ کا خواب..... بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت ﷺ کو عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا، اور آپؐ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں، اس

سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے، لیکن درحقیقت یہ شرب کی بابرکت زمین تھی۔ اہل مدینہ کا قبول اسلام..... اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کو چند خزر جی اشخاص ملے، آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آمینہ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۶، ۸ ہے، لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے، اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو موسم حج میں بنونجار کے کچھ آدمی ملے، آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔

ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:-

حضرت عوف بن حارثؓ

حضرت اسعد بن زرارہؓ

حضرت قطیبہ بن عامرؓ

حضرت رافع بن مالکؓ

حضرت جابر بن عبد اللہؓ

حضرت عقبہ بن عامرؓ

انصارؓ کی پہلی بیعت..... دوسرے سال موسم حج میں خزر جی کے بارہ آدمی آئے، اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا یعنی شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت۔ یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا۔ یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے۔

انصارؓ کی دوسری بیعت..... تیسری مرتبہ خزر جی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے، اور ان سمجھوں نے بیعت کی، مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنان اسلام کے درمیان آنحضرت ﷺ کی حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کریں گے۔

عام ہجرت..... انصارؓ کی بیعت اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی۔ اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثر لوگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

عبداللہ بن جحشؓ	محمد بن عبداللہ بن جحشؓ	زید بن حارثہؓ
ابو احمد بن جحشؓ	عمر بن خطابؓ	کنانہ بن حصینؓ
عکاشہ بن محسنؓ	عیاش بن ابی ربیعہؓ	آنسہؓ
شجاع بن وہبؓ	زید بن خطابؓ	ابو کبشہؓ
عقبہ بن وہبؓ	عمر بن سراقہؓ	عبیدہ بن حارثؓ
اربد بن حمیرہؓ	عبداللہ بن سراقہؓ	طفیل بن حارثؓ
منقذ بن بناتہؓ	حنیس بن حذافہؓ	حصین بن حارثؓ
یزید بن رقیشؓ	سعید بن زیدؓ	مسطح بن اثاثہؓ
سعید بن رقیشؓ	عمر بن نفیلؓ	سویط بن سعدؓ
محرز بن نطلہؓ	واقد بن عبداللہؓ	طلیب بن عمیرؓ
قیس بن جابرؓ	خولی بن ابی خوئیؓ	جناب مولیٰ عقبہ بن
عمر بن محسنؓ	مالک بن ابی خوئیؓ	غزوٰؓ
مالک بن عمروؓ	ایاس بن بکیرؓ	زبیر بن عوامؓ
صفوان بن عمروؓ	عامر بن بکیرؓ	ابوسبرہؓ
ثقیف بن عمروؓ	عاقل بن بکیرؓ	مصعب بن عمیرؓ
ربیعہ بن اسلمؓ	خالد بن بکیرؓ	ابو حذیفہؓ
زبیر بن عبیدہؓ	طلحہ بن عبید اللہؓ	سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ
تمام بن عبیدہؓ	صہیب بن سنانؓ	عقبہ بن غزوٰؓ
سخرہ بن عبیدہؓ	حزہ بن مطلبؓ	عثمان بن عفانؓ

مستورات :

زیب بنت جحشؓ	جدامہ بنت جندلؓ	سخرہ بنت تمیمؓ
ام حبیب بنت جحشؓ	ام قیس بنت محسنؓ	حنہ بنت جحشؓ
ام حبیب بنت ثمامہؓ	ام سلمہؓ	آمنہ بنت رقیشؓ

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے..... مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اول یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجہ ظلم میں اسیر تھے، جب ان کی گلو خاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کر سکیں،

تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکے، جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے، اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا، جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قافلہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آجائے، اس لئے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک خانہ کعبہ پر توحید کا علم نصیب نہ ہو گیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے، چنانچہ غزوہ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا، قابل ذکر اشخاص میں سعید بن عامر، بن خدیج، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اچھی آئے، پھر عین غزوہ خیبر کے موقع پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہیں، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی، جن میں ذیل کے اشخاص قابل ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہؓ، دوسؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ، سلیمان بن صردؓ، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ:

لاہجرة بعد الفتح الا جهاد ونية۔

”فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے۔“

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب میں امن و امان حاصل ہو گیا تھا، اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی۔

مہاجرین کے فضائل و مناقب

کلام اللہ اور مہاجرین..... انسان کے لئے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے، کچھ دنوں کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خولیش و اقارب، اہل و عیال، اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلا وطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے، کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑ کر بے خانماں ہوئے، یہ وہ جذبہ فدویت ہے، جس کی مثال مذاہب عالم کے تاریخی صفحات میں نہیں مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے، تو ان کے جیب و دامن مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، غرض وہ

۱۔ بخاری کتاب الجہاد، باب وجوب التفسیر ما یجیب من الجہاد۔

ہر قسم کی مادی دولت سے نبی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے اور اس نے ان کو تمام مخرقات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا۔
خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سورہ حشر میں مہاجرین کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون
فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون.
(الحشر ع ۵۹: ۸)

” (مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کر دیئے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ ہیں راست باز لوگ۔“
ان کے اقوال و افعال یہ تھے۔

الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ولولا
دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات و
مسجد يدكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرون الله من ينصره ان الله لقوى
عزيز ۵ الذين ان مكنتهم في الارض اقاموا الصلوة واتوا الزكوة وامروا
بالمعروف ونهوا عن المنكر والله عاقبة الامور. (الحج ع ۲۲: ۴۰، ۴۱)
”وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں
کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا
دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا
نام لیا جاتا ہے، گرا دیئے جاتے، اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ ضرور اس
کی مدد کرے گا، بے شک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین)
اگر ہم ان کو حکومت دے کر زمین پر قادر کر دیں تو یہ نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ
دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع
کریں گے اور انجام خدا ہی کے لئے ہے۔“

ان قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گراں بہا نعمت ان کو حاصل تھی، یعنی
رضائے الہی اور اس کی رحمت درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب
سے بلند تر تھے۔

الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم
اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ہم الفائزون، یشیر ہم ربہم برحمۃ منہ
ورضوان و جنت لہم فیہا نعیم مقیم، خالدین فیہا ابدًا۔
(توبہ ع ۹: ۲۰-۲۲)

”جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستہ
میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب
ہونے والے ہیں، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی
خوشخبری دیتا ہے، جن میں ان کو دائمی آسائش ہے، اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ
ہمیشہ رہیں گے۔“

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور
اپنا مال خدا کی راہ میں لٹاتے ہیں۔
ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے
والوں کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوہم
باحسان رضی اللہ عنہم ورضوانہ واعدلہم جنت تجری تحتہا
الانہار خالدین فیہا ابدًا ذالک الفوز العظیم۔
(توبہ ع ۹: ۱۰۰)

”اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور
وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور
وہ لوگ خدا سے راضی ہیں، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن
کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی
ہے۔“

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمۃ الہی سے ناامید نہیں ہوتے، اس لئے مہاجرین
ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے۔

والذین ہاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ
اللہ واللہ غفور رحیم۔ (بقرہ ع ۲: ۲۱۸)

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ خدا
کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں سے درگزر کرے گا، اور ان کی خطائیں ان کے نامہ اعمال سے مٹا دے گا۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا مَن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتِلُوا
وَقُتِلُوا لَا كُفْرَنَ عَنْهُمْ سِيَائِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مَن تَحْتَهَا
الْأَنْهَارُ. (آل عمران ع ۱۹۵:۳)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے اور میرے
راستے میں تکلیفیں پہنچائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو
مٹا دیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں
رواں ہوں گی۔

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت
میں بھی سرفراز فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ مَن بَعْدَ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةِ أَكْبَرَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ. (نحل ع ۱۶:۴۱)
اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا
میں ضرور اچھی جگہ بخمائیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ
لوگ جانتے۔

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام شدائد اٹھائے، جلا وطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی اور
روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی، اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے
ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مَن بَعْدَ مَا فُتِنُوا ثَمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ
رَبَّكَ مَن بَعْدَ مَا لَغُفُورٌ رَّحِيمٌ. (نحل ع ۱۶:۱۱۰)
”پھر خدا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد گھر
بار چھوڑا، اور جہاد کیا، اور (ان کی تکلیفوں پر) صبر کیا، بے شک تمہارا خدا (ان
امتانوں کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے۔“

سورہ حج میں ایک موقع پر اپنے انعام و اکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا
حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ لِيَدْخُلَنَّهُمْ مَدْخَلًا يُرْضَوْنَ. (حج: ۸۴)
”جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، پھر شہید ہو گئے یا مر گئے، ان

کو خدا ضرور اچھا رزق دے گا۔ بے شک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے، اور ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔“

تجدستی و عشرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں، مہاجرین نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض میں ان پر اپنا یہ فضل کیا۔

لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه في ساعة العسرة. (توبہ ع ۹: ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر..... اپنا فضل و کرم کیا، جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔

خدا نے صرف اپنے فضل و کرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحب مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا۔

ولا ياتل اولوا الفضل منكم والسعة ان يؤتوا اولى القربى والمساكين والمهاجرين في سبيل الله وليعفوا وليصفحوا ط الا تحبون ان يغفر الله لكم ط واللہ غفور رحيم. (نور ع ۲۴: ۲۲)

تمہارے صاحب فضل اور صاحب مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ چاہئے کہ ان کی خطائیں معاف کر دیں، اور ان سے درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہیں۔

فلا تخلصوا منهم اولياء حتى يهاجروا في سبيل الله. (النساء ع ۴: ۸۹)

”جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔“

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جنہوں نے راہ خدا میں گھر چھوڑے اور اس کے راستہ میں جانی اور مالی جہاد کیا، یا جنہوں نے مہاجرین کی امداد کی۔

ان الذين امنوا وهاجروا وجاهلوا باموالهم وفسهم في سبيل

اللہ والذین اووا ونصروا اولئک بعضهم اولیاء بعض . (انفال ع ۸: ۷۲)

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان

و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی،

یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

وراثت کے لئے تنہا ایمان کافی نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری

ہے، ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پاسکتا۔

والذین امنوا ولم یہاجرُوا مالکم من ولا یتہم من شیء حتی

یہاجرُوا (انفال ع ۸: ۷۲)

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی، تو تم کو ان کی وراثت سے

کوئی تعلق نہیں، جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔“

ایمان کی پختگی کا دار و مدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے۔

والذین امنوا و ہاجرُوا و جاہلُوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا

اولئک ہم المؤمنون حقاً لهم مغفرة ورزق کریم . (انفال ع ۸: ۷۳)

”اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور خدا کے راستہ میں

جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ کچے ایمان والے

ہیں، اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔“

احادیث نبوی ﷺ..... قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین

کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک موقع پر مہاجرین کی فضیلت اس

پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں :-

لولا الهجرة لکنتم امراء من الانصار . ۱

”اگر ہجرت نہ ہوتی، تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔“

ہجرت حفاظت دین کی خاطر کی جاتی تھی۔

فقال لا هجرة اليوم كان المؤمنون یفراحدہم بدینہ الی اللہ و

رسولہ . ۲

”حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا، یہ مومنین

کے لئے اس وقت تھی، جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے خدا اور اس کے

رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے۔“

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو اپنے ایمان و اعتقاد میں نہایت سخت ہوں۔

جاء اعرابی الى النبي صلى الله عليه وسلم فسأله عن الهجرة فقال ويحك ان الهجرة شأنها شديد.

”ایک اعرابی نے آنحضرت کے پاس آکر ہجرت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے۔“

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے۔

عن عمر قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول الاعمال بالنية فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امرأة يتز و جهها للهجرته الى ماها جواليه ومن كانت هجرته الى الله و رسوله للهجرته الى الله و رسوله. ۱

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی، تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی، اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا۔

اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت جاہ و دولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی، اس کو خود حضرت خوابؓ بیان کرتے ہیں۔

كنناها جرونا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لنعطي وجه الله فوجب اجرنا على الله. ۲

”ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اس لئے ہم اجر کے مستحق ہو گئے۔“

چونکہ مہاجرینؓ اپنے وطن کو خالصتاً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آکر بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت ﷺ بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص قال جاء نبي النبي صلى الله عليه وسلم
يعودني وانا بمكة وهو يكره ان يموت بالارض التي هاجر منها. ۱
”حضرت سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ امیری عیادت کو
مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہاں سے
ہجرت کی گئی ہو۔“

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت ﷺ
سے دعائے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے۔

قال مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول
الله ادع الله ان لا يردني على عقبي . ۲

”حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، آنحضرت ﷺ امیری عیادت کو
تشریف لائے میں نے درخواست کی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا
مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے۔“

اس درخواست پر آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اللهم امض اصحابي هجرتهم ولا يردهم على اعقابهم ۳

”خدایا! میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا۔“

اکابر اصحاب ہجرت کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ مخزوم فرماتے تھے
کہ ”ہاجرت الہجرتین او التین“ ۴

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے۔

عن ابن عمر قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما
حين طلعت الشمس فقال سيأتي ناس من امتي يوم القيامة نورهم
كضوء الشمس قلنا من اولئك يا رسول الله؟ فقال فقراء المهاجرين
لتقوى بهم المكاره يموت احدهم وحاجته في صدره يحشرون من
القطار الارض . ۵

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے
وقت آنحضرت ﷺ کے پاس تھے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن
میری امت کے کچھ لوگ ایسے انھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل

ہوگا، ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا کہ فقراء
مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور
تمنائیں سینوں میں لئے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں، یہ لوگ مختلف اقطار عالم
سے اٹھائے جائیں گے۔

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتعلم اول زمرة تدخل الجنة
من امتی فقراء المهاجرين ياتون يوم القيامة الى باب الجنة
ومستفتحون فتقول لهم غزوه او قد حو سبهم قالوا اباى شئ لحاسب
وانما كانت اسيا فانا على عواقبنا في سبيل الله حتى متا على ذالك
فيفتح لهم فيقبلون فيها اربعين عاما قبل ان يدخلها الناس۔ (مسند ابن عمر)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا
تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں
داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہوں گے، قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر
آکر باب جنت کھلوانا چاہیں گے دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم
ہو چکا؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ
میں ہماری تلواریں ہمارے زریب دوش رہیں، اور اسی آن کے ساتھ جان دی
اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور عام لوگوں کے
داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے۔“

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو ہٹتی نہ کرتے تھے فاقہ
پر فاقہ ہوتے، مگر ان کی جائز و حراموں میں فرق نہ آتا، غزوہ خندق کے موقعہ پر علی الصبح
کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے
آنحضرت ﷺ نکلے، تو یہ منظر دیکھا۔

قال عرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الى الخندق فاذا
المهاجرون والانصار يحفرون في غداة باردة فلم يكن لهم عيب
يعملون ذالك فلما راى ما بهم من التعب والجوع۔
”رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور

انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں، اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو کر دے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر۔

یہ دعا فرمائی۔

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر الانصار والمهاجر
”خدا یا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔“

ان فضائل کے علاوہ مہاجرین کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک و صاف تھا، اس لئے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے، یادہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے، یادہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا، اس لئے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا، نہ اس کے پاس مال و زر تھا، نہ قوت و حکومت تھی، بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا، اس لئے ان کا اسلام خاصہ نڈھ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ (تیرہ) سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لئے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں۔

اس کے برعکس مدینہ میں انصار کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال و زر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے، مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگوں میں تھے، اس لئے مکی سورتوں میں کہیں نفاق و منافقت کا تذکرہ نہیں ہے، اور مدنی سورتوں میں اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نساء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتیں ہیں اور ان سب میں مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورہ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ داری میں نازل ہوئی ہے، سورہ توبہ میں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے۔

الاعراب اشد کفرا و نفاقا واجلر الا يعلموا حلود ما انزل اللہ علی
رسوله واللہ علیم حکیم، ومن الاعراب من يتخذ ما ينطق مفرما و يترص
بکم اللواتر علیہم دائرة السوء واللہ سمیع علیم . (توبہ ع ۹: ۹۷، ۹۸)

”دیہاتی بد و کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اور یہ اسی لائق ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے، اس کے احکام کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردش زمانہ کے منتظر ہیں سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کر دی ہے۔

وَمِنْ حَوْلِكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوْا عَلٰى
النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرْدُّوْنَ اِلَىٰ عَذَابِ
النِّعَمِ. (توبہ ع ۹: ۱۰۱)

”اور مسلمانو! تمہاری آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، ان کو تم نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں عنقریب ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

”احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مہاجرینؓ میں کوئی منافق نہ تھا، بلکہ نفاق انصارؓ کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، حب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا، اور اس میں اس و خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہو گئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْ حَوْلِكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوْا عَلٰى
النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرْدُّوْنَ اِلَىٰ عَذَابِ
النِّعَمِ. (توبہ ع ۹: ۱۰۱)

اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، مکی سورتوں میں نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے، ان میں کوئی منافق نہ تھا

اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے، اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل و عیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی

۱۰ جولائی ۱۹۲۸ء
دارالمصنفین، اعظم گڑھ

حضرت زبیر بن العوامؓ

نام، نسب، خاندان..... زبیر نام، ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیر کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات کی پھوپھی تھیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیقؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت ﷺ کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذات نبویؐ کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیر ہجرت نبویؐ سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ، بہادر، اولوالعزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عبوانا نہیں مارا پٹا کرتے اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بنائی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہؓ کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہؓ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا۔

من قال انی ابغضه فقد کذب

انما اضربه لکی یلب

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو اس لئے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو۔

ویهزم الجیش ویبائی باملب . الخ

اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے۔

اس تربیت کا یہ اثر تھا، کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انہوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ

گیا، لوگ اسے لاؤ کر شکائیے حضرت صفیہؓ کے پاس لائے، تو انہوں نے معذرت و عفو خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل۔ اسلام..... حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے، لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جان نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت غلی لکوار کھینچ کر جمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول ﷺ نے دیکھا تو پوچھا زبیرؓ! یہ کیا ہے؟ عرض کی مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدا نخواستہ) حضور گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

سرور کائنات نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے۔ کہ یہ پہلی تکواری جو راہ فدویت و جان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔ ہجرت..... عام بالا کشان اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ عشرین مکہ کے بچہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے بچانے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا، جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے ”کچھ کرو اب میں کافر نہیں ہو سکتا۔ ہم غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو خود سرور کائنات نے مدینہ کا قصد کیا، اس لئے انہوں نے بھی شرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔

مواخات..... آنحضرت ﷺ نے مکہ میں حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کا اسلام بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہنچنے کے بعد انصار و مہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی، تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ میں شریک تھے۔

غزوات..... غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں نہایت جانبازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفیں تھوہالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے زمین پر رکے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔ اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤں تک زہرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا، پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے بطور یادگار حضرت زبیرؓ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفاء میں تمبر کا منتقل ہوتا رہا، یہاں تک خلیفہ ثالثؓ کے بعد حضرت زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا۔

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں ندائے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ ۲

معرکہ بدر میں حضرت زبیرؓ درودِ عامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اس وضع میں آئے ہیں۔ ۳ غرض مسلمانوں کی شجاعت و ثابت قدمی نے میدان مار لیا، حق غالب رہا اور باطل کو شکست ہوئی۔

غزوہ احد..... ۳ھ میں معرکہ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول ﷺ نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا، کون اس کا حق ادا کرے گا؟ تمام جان نثاروں نے بے تابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابود جانہ انصاری کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ ۴

جنگ احد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہو گئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیانِ دین کے پاؤں متزلزل ہو گئے، یہاں تک کہ شیع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہؓ پروانہ دار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔ ۵

غزوہ خندق..... ۵ھ میں یہودیوں کی مقصدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس حصہ پر مہمور تھے جہاں عورتیں تھیں۔ ۶

۱ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶۔ ۲ بخاری باب غزوہ بدر

۳ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶۔ ۴ زرقانی جلد ۲ ص ۳۲

۵ مسند جلد ۱ ص ۱۶۳۔ ۶ ایضاً

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کے لئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا کون اس قوم کی خبر لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ ”میں“ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا ”ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیرؓ ہے۔“ اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تہا آمد و رفت سے آنحضرت ﷺ ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی وامی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے۔ لیکن پھر کچھ توارضی و سادی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوہ خیبر..... غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو قریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یا سر غضب ناک ہو کر ”اہل من مبارز“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تنومند اور قوی بیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج شہید ہوگا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں ازیر اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر رد بدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا۔

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیرؓ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا، تو ابن ابی بلتعہؓ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمتہ للعالمین نے ان کی غفوا ہی پر جرم معاف فرما دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ

بِالْمُودَةِ. الْآيَةُ ٥ (ممتحنہ ع ۱۰۶)

فتح مکہ..... رمضان ۱۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ موجود تھے، حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہو گیا، تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور سوار کے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے، جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔

مختلف غزوات..... فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوہ حنین پیش آیا، کفار مکین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیرؓ اس گھائی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا، لات و عزی کی قسم! یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیرؓ ہے، تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیزی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو رد کیا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھائی کفار سے بالکل صاف ہو گئی۔ اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر ۵ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیرؓ اس سفر میں بھی ہمراہ تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائناتؐ نے وفات پائی، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ..... سواد و برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اولؓ رہ گزین عالم جاودانی ہوئے، اور فاروق اعظمؓ نے مسند حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزالت نشین رہنا سخت تنگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی زرم گاہ میں شریک ہوئے اس وقت یرموک کے میدان میں ملک شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں، حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس بار سے اس پار نکل گئے اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور نزع کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عرۃ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گدھا

تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔
غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی، اور فرزندِ ان تو حید تمام ملکِ شام کے وارث بن گئے۔

فسطاط کی فتح..... فتحِ شام کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی، نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے، اس کے ساتھ متعینوں سے پتھر برسائے شروع کر دیئے، اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر تنگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیرھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقتول حاکمِ مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

اسکندر یہ کی تسخیر..... فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندر یہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کئے بڑی رہی، لیکن جس قدر زیادہ دن گزرتے جاتے تھے، اسی قدر دربارِ خلافت سے اس کے جلد فتح کرنے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ..... مصر کا مل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سپہ سالار فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرمایا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم! میں امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے

مستفید ہوتی رہیں، حضرت زبیرؓ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے۔
 ۲۳ھ میں خلیفہ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدہ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرور کائنات ﷺ آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگوں میں ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے، لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلس شورائی نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسند گرامی پر بٹھا دیا۔ حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کر لی۔

خلیفہ ثالثؓ کے عہد میں حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کے ملکی مہم میں شریک نہیں ہوئے، درحقیقت عمرؓ بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن ۳۵ھ میں مصری مفسدوں نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کیا، تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو امیر المومنین کی مساعدت و حفاظت پر مامور کر دیا۔

غرض اٹھارہویں ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت زبیرؓ نے حسب وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافات مدینہ میں حش کو کعب نامی ایک مقام پر سپرد خاک کیا۔

خلیفہ وقت کے قتل سے تمام مدینہ میں مفسدین کا رعب طاری ہو گیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرف دار تھے اس لئے انہوں نے اس کو خلافت کا بارگراں اٹھانے پر مجبور کیا، اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعت کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریوں کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کر لی۔

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ میں امن و امان قائم نہ ہو سکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی تھا، اور فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں پر شریک ہو جاتے، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت زبیرؓ جو اساطین امت میں تھے، کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاح حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گزر گئے، لیکن امن و سکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس

آئے، اور اصلاح و اقامت حدود کا مطالبہ کیا، انہوں نے جواب دیا، بھائی! میں اس سے غافل نہیں، لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ وہ خود مجھ پر حکمران ہے۔ غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں، اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر یہیں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہؓ وزیر شیب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بد امنی کا نقشہ کھینچا۔

انا نحملنا بقنينا هر ابا من المدينة من غيوغا اعراب وفارقنا قوما

حیاری لایعرفون حقاً ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسهم۔

ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے، اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔

ام المومنینؓ نے فرمایا ”تو پھر کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرتا چاہئے“ غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع ہو گئے تھے، جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے، راہ میں امویوں نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا، لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت و گذشت ہو گیا، بصرہ کے قرب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، لیکن وہاں داعیان اصلاح کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمانؓ کے ساتھیوں سے دست و گریبان ہو گئی، یہاں تک کشت و خون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا بیان تھا کہ جب طلحہؓ وزیر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں علم مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ ہم قہر او جبراً شریک بیعت ہوئے اور اگر فرض کر لو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبہ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی، غرض معاملہ نے زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ وزیر بیعت پر مجبور کئے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انہوں نے جمعہ کے روز مسجد نبویؐ میں داخل

ہو کر حاضرین سے بہانگ بلند سوال کیا۔

یا اهل المدينة انی رسول اهل البصرة البکم اکره هؤلاء القوم

هذین الرجلین علی بیعة علی ام اتیابھا طالعین.

اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کا قاصد بن کر آیا ہوں، کیا واقعی اس قوم

نے ان دونوں کو علیؑ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

جمع میں تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن حضرت اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا، بول اٹھے ”خدا کی قسم! ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی“ اس سے ایک پچھل پڑ گئی، تمام اور سہل بن حنیف حضرت اسامہؓ سے الجھ پڑے، صہیب بن سنانؓ، ابویوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالیں گے تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا ”ہاں خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا، غرض اسی طرح اسامہؓ کی جان بچ گئی اور کعبؓ بصرہ واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؑ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انہوں نے عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ وہ مجبور کئے گئے اور اگر مان بھی لو تو قوم و ملک کی بہتری کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے، اس خط کے بعد عثمانؓ نے اپنی رائے بدل دی، اور کعبؓ کی تحقیقات کے باوجود اعیان اصلاح کی مزاحمت پراڑے رہے۔

حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشاء کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمان بن عتابؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دیا، حضرت عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حق میں مداخلت تصور کر کے ایرانی ”زط“ اور سپاہیوں کو حملہ کا حکم دے دیا، لیکن حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دارالامارت میں گھس گئے اور حضرت عثمان ابن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگوں نے اس بے رحمی کے ساتھ ان کو مارا کہ تھا اور ڈاڑھیاں نوچی تھیں کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہؓ وزیرؓ کو یہ سخت ناگوار گذرا اور حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو، جہاں جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ اور ایک بڑی جماعت اس مہم میں ساتھ دینے پر تیار ہو گئی۔

جنگ جمل اور حضرت زبیرؓ کی حق پسندی حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہاں حضرت امام حسینؓ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنالیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں حضرت علیؑ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہؓ وزیرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم

کر کے آگے بڑھایا، سویں جمادی الآخر ۳۳ھ جمعرات کے دن دونوں فوجوں میں مذہبیز ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی خاصیت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مد نظر تھی، اس لئے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنابی شروع ہوئی، حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب ﷺ کے سامنے گذرے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی، ہاں! یا رسول اللہ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے، لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک خاص سخت سلاطم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے منسوخ ہو گئے، ام المؤمنینؓ کے پاس آ کر کہنے لگے، میں برسر غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کا مقولہ یاد دلایا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے "اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔" حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا آپ ہم لوگوں کو دو گرد ہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں، حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا۔ "عبد اللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن خواری رسول کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، کہنے لگے، جان پد علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبد اللہؓ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں، کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے کہا میں جاتا ہوں اور ہتھیار سجا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا وہ اس وقت اپنے غلاموں کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، ابن جرموز نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

ابن جرموز۔ ابو عبد اللہ! آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟

حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ابن جرموز۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟
حضرت زبیرؓ میں اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا، اس لئے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے۔

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونوں ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا تو زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا میں بھی شریک ہوں گا، حضرت زبیرؓ نے کہا میں تمہیں امان دیتا ہوں، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے؟ اس نے کہا ہاں! اس عہد و پیمان کے بعد دونوں اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہو گئے۔

شہادت..... حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ میں گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا اور حواریؓ رسولؐ کا سر تن سے جدا ہو کر خاک و خون میں تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خواں اور پیرو رسول ﷺ کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہ مرتضویؑ میں حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا ”اس نے بارہا رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں، اے ابن صفیہ کے قاتل! تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔“

حضرت زبیرؓ نے چونٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۳ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے۔ فنور اللہ مرقده و حسن مثواه۔

اخلاق و عادات..... حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاقی زرو جواہر سے مالا مال تھا، تقویٰ، پیارسائی، حق پسندی بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیت الہی..... جب یہ آیت نازل ہوئی۔ انکم میت وانہم میعون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تخصمون الا یہ۔ تو سرور کائنات ﷺ سے پوچھا ”یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟“ ارشاد ہوا ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے ”اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہو گا۔“

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی

ام عطاء کے پاس گئے، دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے، کہنے لگے ”ام عطاء! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، انہوں نے عرض کی کہ ”میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیے بھیج دیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔“

حضرت زبیرؓ نے جب دعوت اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا ”اگر حکم دیتے تو علیؓ کی گردن اڑا دوں؟“ بولے تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟ اس نے کہا میں علیؓ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا، اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا۔“ فرمایا کہ نہیں! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے، اس لئے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے۔“

قلبت روایت کا سبب..... حضرت زبیرؓ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں میں سے تھے، لیکن کمال اتقاء کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا، پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضور کی اتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں، فرمایا جان پدر! حضور کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا حصہ کم نہیں ہے، میں جب سے اسلام لایا، رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوا، لیکن حضور کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے۔

من کذب علی متعمدا فلینبوا مقعدہ من النار.

”یعنی جس نے قصد امیری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہئے کہ جہنم

میں اپنا ٹھکانا بنالے۔“

مساوات پسندی..... مساوات اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجبیز و تکفین کے لئے دو کپڑے لا کر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لئے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لئے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا ٹکڑا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے۔

استقلال..... حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے

۱۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۶۔ ۲۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۶۔

۳۔ ابوداؤد کتاب العلم باب فی التمشید فی الکذب علی رسول اللہ ﷺ، مسند جلد ۱ ص ۶۵، صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱

۴۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۵

عزم و ارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا: ”ہم طعن و طاعون ہی کے لئے آئے ہیں۔“ یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے، غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

امانت..... حواری رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل و اولاد اور مال و متاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا، انہوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے ”میں آپ کو خدا، رسول اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں، میں نے فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں۔“ حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مال و متاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل و عیال پر صرف کرتے تھے۔

فیاضی..... فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انہوں نے اس میں سے ایک سہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا۔ غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں، حضرت زبیرؓ کی ذات والا صفات میں ایک ایک کر کے وہ سب موجود تھیں۔

ذریعہ معاش اور تمول..... معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انہوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا وہ کبھی گھٹنا نہیں۔

تجارت کے علاوہ مال غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم (یادینار) کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہیں بلکہ جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا، اطراف مدینہ میں ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔

قرض اور اس کی ادائیگی..... حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے

ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے۔

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا ”جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے، اس لئے میرا مال و متاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ٹلٹ خاص تمہارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا۔“ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا ”آپ کا مولیٰ کون ہے؟“ فرمایا ”میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے۔“

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچ کر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بیچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہ اور دوسرے ورثہ کے علاوہ تھے۔

جاگیر و زراعت..... فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا انصار نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت بیچ کر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے ”بارسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی۔ چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لئے چہرہ سرخ ہو گیا، اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کر کے پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ سے دوسری طرف بہہ جائے۔

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تک تینوں علیحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہ بن

عمر کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لئے دوڑے اور واقعہ دریافت کر کے ان کو لئے ہوئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلا وطن کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دے دی تھی۔ جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے۔

آل و اولاد سے محبت..... حضرت زبیرؓ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہؓ اور ان کے بچوں کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال میں سے ایک ٹکٹ کی خاص ان کے بچوں کے لئے وصیت کی تھی، لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیرؓ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرات و بہادری کا سبق دے۔

غذا و لباس..... دولت و ثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے، البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی، آلات حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے، چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نفرتی تھا۔

حلیہ..... بدن چھریا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گول اور سر پر کندھوں تک بالوں کی لٹیں۔

اولاد و ازواج..... حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی، بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی،

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- (۱)..... حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ۔ ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے۔ نام یہ ہیں
(۱) عبداللہ (۲) عروہ (۳) منذر (۴) خدیجہ الکبریٰ (۵) ام الحسن

(۶) عائشہ

- (۲)..... حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید، انہوں نے
 (۷) خالد، (۸) عمر (۹) حبیبہ، (۱۰) سودہ (۱۱) ہند۔ یادگار چھوڑی۔
 (۳)..... حضرت رباب بنت انیف ان سے
 (۱۲) مصعب، (۱۳) حمزہ (۱۴) رملہ پیدا ہوئیں۔
 (۴)..... حضرت زینب بنت بشر، ان کے بطن سے
 (۱۵) عبیدہ، (۱۶) جعفر (۱۷) حفصہ پیدا ہوئیں۔
 (۵) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ان سے صرف ایک لڑکی (۱۸) زینب پیدا ہوئی۔

حضرت طلحہؓ

نام و نسب، خاندان..... طلحہ نام، ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، طلحہ بن عبد اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی اسی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اس لئے حضرت طلحہؓ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاریؒ کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعہؓ گوا میرالمومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لئے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت طلحہؓ ہجرت نبویؐ سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا، اور عنوان شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

اسلام..... ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصری تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گرد و پیش جس قسم کے مذہبی جے جے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ و ہند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعت ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں انجم صداقت کی پروتویا سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہؓ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ

رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کر دیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ۱۔

مواعیات..... مکہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔

ہجرت..... حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت ﷺ نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ پہنچے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔ ۲۔

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر و اسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہو سکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہو کر غزوہ بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرور کائنات ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔

بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مال غنیمت میں حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کر کے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی

ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگزاریوں کے باعث اس کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہے۔

غزوہ احد..... ۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسٹ میں مصروف ہوئے، کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرور کائناتؐ کی حفاظت کا بھی خیال نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا میدان جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شیعہ ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیروں کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور صد ہا کفار صرف ایک مقدس، سستی کو فتا کر دینے کے لئے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازک وقت میں جمال نبوت کا یہ شہدائی ہالہ بن کر خورشید نبوت کو آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیروں کی بوچھاڑ کو تھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذاب قدسیؐ پر تلوار کا وار کیا، خادم جاں نثار یعنی طلحہؓ جانناز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، اور انگلیاں شہید ہوئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا، حسن یعنی خوب ہوا، سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسمانی تمہیں انجی اٹھالے جاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے صحابہ بھی مدد کے لئے آ پہنچے، مشرکین کا ہلہ کسی قدر کم ہوا تو سرور کائناتؐ کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا۔

حضرت طلحہؓ نے غزوہ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوام عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے تھے۔ ۳۱ دربار رسالت (ﷺ) سے اسی جان بازی کے صلہ میں ”خیر“ کا لقب مرحمت ہوا، صحابہ گودا قحہ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ غزوہ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا

کرتے تھے، خود حضرت طلحہؓ کو بھی اس پر فخر کا رنامہ پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے۔

متفرق غزوات..... غزوہ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہؓ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعت رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوہ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بے شمار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لئے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لئے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالتؐ سے فیاض کا لقب حاصل کیا۔

سرور کائنات ﷺ ایک طرف حملہ قیصر کے مدافعتاً اہتمام میں مصروف تھے۔ دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہو کر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف کریں، آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا، انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم یہودی کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس میں آگ لگا دی، ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچا کر لے بھاگے۔

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ و جلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے وہاں چودہ دن قیام کر کے سب لوگ واپس آئے پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا۔ حضرت طلحہؓ ہمرکاب تھے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دو شنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہؓ کو اس سانحہ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں

۱۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ احد

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹

۳۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵

سیادت و خلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا اس وقت یہ کسی گوشہ تنہائی میں مصروف گریہ تھے۔ عہد صدیقی..... سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہمات امور میں رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست و بازو ثابت ہوئے، سواد و برس کی خلافت کے بعد جب خلیفہ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے منصب کے لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں، یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

عہد فاروقی..... حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض و عداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابل تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لئے سب سے موزوں ہیں تو دفعتاً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ حضرت فاروق اعظمؓ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا، اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی، صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکہ نہادند کے موقع پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظمؓ کو مشوش کر دیا اور انہوں نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔

امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی تیاری کی اور عہد خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لئے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

عہد عثمانی..... حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری چھ سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور پر شورش و بے چینی کا آماجگاہ ہو گیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی و فتنہ پردازی

کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہؓ نے دربار خلافت کو مشورہ دیا کہ اسباب شورش کی نفی و تحقیق کے لئے تمام ملک میں وفود روانہ کئے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصص ملک میں روانہ کئے گئے، ان لوگوں نے واپس آ کر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافت حال کے لئے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالا خانہ پر کھڑے ہو کر کبار صحابہؓ میں ایک ایک کا نام لے کر پکارا اسی ضمن میں حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انہوں نے جواب دیا ”ہاں! میں حاضر ہوں“ حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل و مناقب بیان کر کے ان سے تصدیق چاہی، تو انہوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہو گیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمدؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔ محافضین نے باوجود قلت تعداد کے اس سیلاب کو روک رکھا، لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر و حلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لئے خونیں شفق کے پردہ میں نہان کر دیا، حضرت طلحہؓ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا ”خدا عثمانؓ پر رحم کرے“ لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انہیں ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی

فلا يستطيعون نصبة ولا الى اهلهم يرجعون۔ (یس ۳۶: ۵۰)

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادل نخواستہ بیعت کی..... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علیؓ کو عنان خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعت عام کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش و ہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل نخواستہ بیعت کر لی۔

خلیفہ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ..... خلیفہ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ تھا، اس سے تمام علاقہ میں شورش اور بد نظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پر فتن بنا دیا، حضرت طلحہؓ مکمل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ و فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربار خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح

بلند کرنے کے لئے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں، اس لئے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ جانے کی تیاری ہوئی، کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہو سکتی تھی۔ بصرہ پر قبضہ..... غرض داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزین تھے جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنماتی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزدل شہر پر قابض ہو گئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیوں نے جوش و خروش کے ساتھ اہل دعوت کو بلایک کہا۔

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کے لئے بڑھنا..... حضرت علیؓ کو مدعیان اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس لئے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزمائہ جوان ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳ھ میں دونوں فوجوں میں ٹکرائو ہوئی۔

شہادت..... جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنماتی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو برداشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کر لی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لئے تیر قضا ثابت ہوا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو، یہ تیر نہیں بلکہ پیام خداوندی ہے۔

تجزیہ و تکفین..... اختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر میں شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لئے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے نکلنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرؓ صحابیؓ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس

میں قتل کر دیا، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصنون و محفوظ تھا، یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کانور لگایا گیا تھا وہ بھی بحینہ موجود تھا۔
اخلاق و عادات..... حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا، خشیت الہی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے ان کا پیمانہ لبریز تھا، معرکہ احد اور دوسرے غزوات میں جس جوش و فداکاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لئے اپنا مال راہ خدا میں دیا کریں گے، اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ فممنہم من قضیٰ نحبہ . الا یہ .

(احزاب ۳۳: ۲۳)

”یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر

دکھایا، چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ بارگاہ نبوتؐ میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا،

”طلحہؓ تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔“ ۱

حضرت طلحہؓ قلم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقراء و مساکین کے لئے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، حضرت قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہؓ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا۔ ۲

غزوہ ذی القرد میں آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گزرے جس کا نام بلیان مارح تھا، حضرت طلحہؓ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔ ۳ اسی طرح غزوہ ذی القرد میں تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاکت میں مبتلا تھے، انہوں نے مصارف جنگ کے لئے ایک گرانقدر رقم پیش کی اور دربار رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا۔ ۴

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہ خدا میں صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا، پوچھا ”آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟ بولے ”نہیں!

تم نہایت اچھی بیوی ہو، تمہاری کوئی بات نہیں ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے، اس وقت اسی کی فکر میں تھا کہ کیا کروں؟ میں نے کہا ”اس کو تقسیم کر دیجئے“ یہ سن کر انہوں نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرادی۔

حضرت طلحہؓ بنو تمیم کے تمام محتاج و محتک دست خاندانوں کی کفالت کرتے تھے، لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کر دیتے تھے، جو لوگ مقرض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہ منیٰ پر تیس ہزار درہم قرض تھا، وہ سب انہوں نے اپنے پاس سے ادا کر دیا ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیش خدمت کرتے تھے۔

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی ”میں یا رسول اللہ“ اور وہ تینوں نو مسلم مہمانوں کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان میں سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان میں وفات پائی ان کو اپنے مہمانوں سے جو انس پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب میں بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں، لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے، اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہؓ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات ﷺ سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکو کاری کا زیادہ موقع ملا، اس لئے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے پیش تھا۔

احباب کی مسرت و شادمانی ان کے لئے بھی سامان انبساط بن جاتی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کے باعث معتبوب بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی خطا معاف کر دی اور وہ خوش خوش دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، حضرت کعبؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حضرت طلحہؓ گود دستوں کی خدمت گزاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا، اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کر دیجئے، حضرت طلحہؓ نے فرمایا: ”گو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری، دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا، اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرادیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربار رسالتؐ سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلواد دیجئے تاکہ اعمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔“

رسول خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو طرز عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے، حضرت طلحہؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم ورنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا ”تمہارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“ کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ”اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا“ مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا، لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ با عظمت و پراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہؓ نے کراچھل پڑے فرمایا ”ہاں! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے۔“

حسن معاشرت..... حضرت طلحہؓ اپنے حسن معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی، لیکن انہوں نے حضرت طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا ”میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے کچھ مانگو تو بکل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کر دو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔“

ذریعہ معاش..... حضرت طلحہؓ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں

متعدد علاقے حاصل کئے، ان میں سے قناتہ اور سراقہ نہایت مشہور ہیں، ان دونوں مقامات میں کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناتہ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔

تمول..... غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنادیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لئے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انہوں نے کہا ”بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی“ یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔

غذا و لباس..... طرز معاش نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حالت احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا بولے ”طلحہؓ یہ کیا ہے؟“ ”عرض کی“ امیر المومنین یہ گیر وارنگ ہے“ فرمایا، آپ لوگ ائمہ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کرے گا کہ میں نے طلحہؓ کو حالت احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا۔

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگلی تھی جس میں نفیس سرخ یا قوت کا نگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یا قوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا۔ دسترخوان بھی وسیع تھا، لیکن پر تکلف نہ تھا۔

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قدمیانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ و سفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوہ احد میں شل ہو گئی تھیں۔

اولاد و ازواج..... حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، حمزہ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابوبکر الصدیقؓ، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القحطاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسماعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱ صفحہ ۱۵۸

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱ صفحہ ۱۵

۳۔ ایضاً ص ۱۵۶ ۴۔ ایضاً ص ۱۵۷

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

نام، نسب خاندانہ..... عبدالرحمن نام، ابو محمد کنیت والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا، یہ دونوں زہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے عبدالرحمن بن عوف بن عبد جوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی الزہری۔

حضرت عبدالرحمنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھایا۔

اسلام..... عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمنؓ واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی راہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آگئی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ہر وان حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرور دو عالم ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔۱

ہجرت..... خلعت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشان اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔۲

مواعیات..... مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرادیا، اور وہ انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے ”میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ میں طلاق دے دوں گا، عدت گزارنے کے بعد تم نکاح کر لینا۔“ لیکن حضرت عبدالرحمنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا ”خدا تمہارے مال و منال اور اہل و عیال میں برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو۔“ لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچادیا، وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور خیر وغیرہ نفع میں بچالائے، دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی

یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسم شادی کی علامتیں موجود تھیں، استفسار ہوا ”یہ کیا ہے“ عرض کی ”ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے۔“ سوال ہوا مہر کس قدر ادا کیا؟ عرض کی ”ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔“ حکم ہوا ”تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔“

غزوات..... ۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبدالرحمنؓ اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوہ بدر میں دونو جوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے، انہوں نے آہستہ سے پوچھا ”یا ام! ابو جہل کون ہے جو سرور کائنات ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟“ اسی اثناء میں ابو جہل سامنے آگیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا ”وہ دیکھو! جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے۔“ ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلادی۔ ۲

غزوہ احد میں جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت (زخم) شمار کئے گئے تھے، خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ ۳

دومۃ الجندل کی مہم..... شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے بلا کر اپنے دست اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا۔ ”بسم اللہ! راہ خدا میں روانہ ہو جا، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ وہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے۔“ حضرت عبدالرحمنؓ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلہ کلب کے سردار، صغ بن عمرو الکلسی جو مذہب عیسائی تھے، اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب فرمان اصغ کی لڑکی تھامر سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۴

فتح مکہ..... مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگیں ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلہ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین

تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا، انہوں نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کر دیا، سرور کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی ”خدا یا! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔“

حضرت عبدالرحمنؓ کے خاندان اور قبیلہ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا، تاہم اخوت اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چنانچہ اس خونریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا ”افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا“ انہوں نے جواب دیا ”میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا“ حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا ”بے شک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمہارا چچا تھا۔ اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی، آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا۔“

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں، حضرت عبدالرحمنؓ سب میں شریک رہے، آخری سترج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ میں سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اسی اسی قتل کے سبب چھانے میں شریک تھا اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

عہد صدیقی..... خلیفہ اول کے عہد میں حضرت عبدالرحمنؓ ایک مخلص مشیر اور صاحب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے ۱۳ھ میں جب صدیق اکبرؓ کا آفتاب حیات لب بام آیا اور ایک جانشین ماحرر کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لئے فاروق اعظمؓ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا ”عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔“ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ”ان کی سختی اس لئے بھی تھی کہ میں نرم تھا، لیکن جب یہ بارگراں ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔“ ۳۱ھ غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عہد فاروقی..... فاروق اعظمؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظام خلافت کو

۱۔ حضرت عبدالرحمنؓ کے والد عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جا رہے تھے بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲)

۲۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶

۳۔ طبری ۷/۲۱۳

پہلے سے زیادہ منظم و مرتب کر دیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمنؓ اس مجلس کے نہایت صاحب الرائے، پر جوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دار الخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمنؓ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دنوں پہلو ہیں، خدا نخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، حضرت عبدالرحمنؓ کی اس مال اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھول دیں اور سب نے پر زور الفاظ میں اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتمم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، غرض اسی جیسے بیس میں تھے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی، اور کھڑے ہو کر کہا میں نے پالیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ اس حسن انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ اور واقعات نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزوں تھا۔

اسی طرح معرکہ نہاوند میں بھی حضرت عمرؓ کو موقع جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مال اندیشی پر غالب آ جاتا تھا۔ چنانچہ جب مہم شام میں اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں، اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم نے رومیوں کے جوش و خروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دار الخلافہ میں بھیجی، تو حضرت عبدالرحمنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے "امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل، خدا نخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے۔" لیکن اس موقع پر دوسرے مال اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عبدالرحمنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائیں دیں، ان کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ علم و فضل کے سلسلہ میں آئے گا۔

واقعہ ہاتھ ۲۳ھ میں ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعتاً فیروز نام ایک بمبی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، حضرت عبدالرحمنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی۔ ۲۴ھ اور حضرت عمرؓ گواٹھا کر ان کے گھر لائے۔

حضرت عبدالرحمنؓ کا ایثار..... خلیفہ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کر لیں، لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے۔

خلیفہ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائر ہے، اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہئے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اپنے حق سے باز آ گئے اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الہی، سنت نبویؐ اور طریقہ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے، بہر حال حضرت عبدالرحمنؓ نے دونوں کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور ہر ایک کو علیحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلانے اور کہا ”مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے، اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لو گے“ غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے مجمع عام میں ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کر لی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت نوٹ بڑی۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ تھا، چنانچہ طبریؒ کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ابتدا ہی میں حضرت علیؓ سے اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا۔^۱ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، رشتہ داری بے شک ایک موثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات میں بنائے فیصلہ نہیں ہو سکتی۔

اصل یہ ہے کہ گواہ اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہو جائے، چنانچہ خلافت مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں، حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ

۱ بخاری باب الافاق علی بیعت عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے اخذ ہیں۔

انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا، جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کاربند ہونے میں پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہر حال حضرت عبدالرحمنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار، دوراندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایہ ناز کارنامہ ہے۔

وفات..... عہد عثمانی میں حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہاں تک معلوم ہے مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی، یہاں تک کہ روح اطہر نے پچھتر (۷۵) برس تک اس سرائے فانی کی سیر کر کے ۳۷ھ میں داعی حق کو لبیک کہا۔ ان لله وانا الیہ راجعون۔ حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا:-

اذهب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوها ومسقت زلقها.

یعنی ”ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گرد لا چھوڑ دیا۔“

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے ”واجب لہ“۔ یعنی یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

علم و فضل..... رسول اللہ ﷺ کی محبت نے حضرت عبدالرحمنؓ کے کیسے فضل و کمال کو علمی زرو جواہر سے پر کر دیا تھا، گو انہوں نے دوسرے کبار صحابہؓ کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں۔ تاہم خلفائے راشدینؓ کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر انہی معلومات سے فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں جب رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ ”آنحضرت ﷺ کے مترد کہ میں وراثت نہیں ہے۔“

اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے تو اس وقت حضرت عبدالرحمنؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا۔

۱۸ھ میں مقام عمواس میں طاعون پھیلا اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبدالرحمنؓ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔

اصابت رائے..... خدائے تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمنؓ کو اصابت رائے، اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر یمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”عبدالرحمنؓ نہایت صائب الرائے، ہوشمند اور سلیم الطبع ہیں، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمنؓ ہوں ان کا ساتھ دینا۔“

حضرت عمرؓ کی رائے صرف حسن ظن نہیں بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے خلافت کی گرہ کو حسن خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے۔

اخلاق و عادات..... حضرت عبدالرحمنؓ کا دامن فضل و کمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، خصوصاً خوف خدا، حب رسول، صدق و عفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔

خوف خدا..... خوف خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ سے رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر و فاقہ یاد آگیا، بولے ”مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے، حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہو گئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہو گیا“ اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ۳

حب رسول..... ایک بار گاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمنؓ رسالت ماب ﷺ کی محبت اور خدمت و حفاظت میں ہمیشہ پیش پیش رہے، واقعہ احد صحابہؓ کی جاں نثاری و محبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمنؓ اس آزمائش میں پورے اترے، بدن پر بیس

زخم کھائے، پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کر لنگڑا کر چلنے لگے، لیکن جذبہ جاں نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا۔

حضرت سرور کائنات ﷺ کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمن پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ باہر نکلے، حضرت عبدالرحمن بھی پیچھے چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ایک نخلستان میں پہنچ کر سر بسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمن؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا ”جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا، میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ یعنی یہ طویل سجدہ سجدہ تشکر تھا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے، پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا ”ابو محمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟“ بولے رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔ ۱۔

صدق و عفاف دیانتداری، صدق و عفاف حضرت عبدالرحمنؓ کے دستار فضل و کمال کا نہایت خوبصورت طرہ تھا، صحابہ کرامؓ کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں حضرت زبیرؓ نے مقدمہ دائر کیا کہ ”میں نے آل عمرؓ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمرؓ کو دربار نبوتؐ سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمرؓ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے۔“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”عبدالرحمنؓ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں۔ ۲۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکو کار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمنؓ سے متعلق تھا، وہ سفر حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے، سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے،

جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام و اہتمام کے ساتھ اتارتے تھے، غرض انہیں صرف اپنی عصمت و عفت کے باعث امہات المؤمنینؓ کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طفرائے امتیاز ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ..... ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کو بے نیازی اور استغناء نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا تو اس میں سات سوانٹ پر صرف گے ہوں آنا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل بڑ گیا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عبدالرحمنؓ جنت میں رہتے ہوئے جائیں گے۔“ حضرت عبدالرحمنؓ کو اطلاع ہوئی تو ام المؤمنینؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی ”میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا میں وقف ہے۔“

صحابہؓ کی دولت ذاتی راحت و آسائش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا، اسی قدر اس کا دست کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبدالرحمنؓ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لئے گراں قدر رقمیں پیش کیں، سورہ برأت نازل ہوئی اور صحابہؓ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے، اسی طرح جہاد کے لئے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سوانٹ حاضر کئے۔^۱

عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہ خدا میں لٹا دیا۔^۲ لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تمول آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو، ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی ”اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرت مال مجھے ہلاک کر دے گا۔“ ارشاد ہوا بیٹا راہ خدا میں صرف رو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”میرے اصحابؓ میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب ہوگا۔“^۳

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت

۱۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۷۷

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱۰ لٹ تذکرہ عبدالرحمنؓ

۴۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۳

بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہ خدا میں وقف کئے، نیز بدر میں جو صحابہ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے، ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو صحابہ بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا۔

امہات المومنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقیں پیش کیں، ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھیں، خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔

مذہبی زندگی..... حضرت عبدالرحمنؓ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے۔

اکثر روزے رکھتے تھے، حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے، جس سال حضرت عمرؓ منہ نشین خلافت ہوئے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی۔

ذریعہ معاش..... تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت اراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف مقام ”جرف“ کے کھیتوں میں بیس ایک سو آب پاشی کا کام کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور اتفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت دافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلباڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کانٹے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے، جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔

غذا و لباس..... دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آ جاتا تو گذشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے آنکھیں پر نم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا کیونکہ فقر و فاقہ میں بیماری کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اجازت دی تھی

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمنؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ رشتی کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑادیئے، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دی ہے؟“ فرمایا کہ ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں۔“

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ و سپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگر دار کا ٹھیس، کلائی ٹھسی ہوئی، انگلیاں مولیٰ اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے، اور غزوہ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔

اولاد و ازواج..... حضرت عبدالرحمنؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف و محبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے۔ بیویوں کے نام یہ ہیں۔

حضرت کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضر بنت الاصح، کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہ بنت عاصم، بحریہ بنت ہانی، سہلہ بنت سہیل، ام حکیم بنت قارظ، بنت ابی انشاش، اسماء بنت سلامہ، ام حریث، یہ بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں، مجد بنت یزید، غزال بنت کسری، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خاندان کسری کی شہزادی تھیں، نہ نب بنت الصبار بادیہ بنت غیلان۔

حضرت عبدالرحمنؓ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، سالم، اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمد، ابوسلمہ فقیہ، ابراہیم، اسماعیل، حمید، زید، معن، عمر، عدی، عروہ، اکبر، سالم اصغر، ابوبکر، عبداللہ، عبدالرحمن، مصعب، سہیل (ابوالایض) عثمان، عروہ، یحییٰ، بلال۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔
”ام القاسم۔“ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں، حمیدہ، لمتہ الرحمن، صغریٰ، ام یحییٰ، جویریہ، امیہ، مریم۔

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف

۲۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۷۷

۳۔ طبقات قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف

۴۔ استیعاب جلد ۲ ص ۳۰۲

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

نام، نسب، خاندان سعد نام، ابواسحاق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حنظلہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرتؐ کی نانہال زہری خاندان میں تھی، اس لئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرور کائنات ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔

اسلام حضرت سعد وقاصؓ کا سن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوت اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنادیا، اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو قیرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

استقامت حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیل مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کی لذت کا آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب و دانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شان استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیت الہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنادیا گیا۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(الایۃ)

مکہ کی زندگی اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبویؐ تک مکہ میں ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلنے رہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران و سنان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھائی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگے، حضرت سعد و قاصؓ کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد و قاصؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔ ۳۔

ہجرت مکہ میں جب کفار کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد و قاصؓ نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عقبہ بن ابی وقاصؓ کے مکان میں فرودکش ہوئے۔ ۴۔

جنہوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی و طمانیت نصیب ہوئی، تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا، آنحضرت ﷺ نے پیش بینی کر کے حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا حضرت سعد و قاصؓ بھی اس جماعت میں شامل تھے، غرض دور یہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے ٹکرائے ہوئے، چونکہ محض بحسب مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت وقاصؓ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں چلا گیا۔ ۵۔

دوسری دفعہ خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجنّس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خزار تک دور کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت

۱۔ مسلم مناقب سعد وقاصؓ

۲۔ ترمذی: اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ مشرک پر مجبور کریں، جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر

عبداللہ بن جحش کو ایک سر بمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں، انہوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا ”میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے۔“

حضرت سعد بن ابی وقاص اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعاً کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوہؓ اور حضرت سعد وقاصؓ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہو گیا، اور اس طرح وہ دونوں پیچھے چھوٹ گئے، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع بھی جاتی تھی، اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن
سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله
والفتنة اكبر من القتل. (بقرہ ۲: ۲۱۷)

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہہ دو
اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز
رہنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے
اور فتنہ کشت و خون سے زیادہ برا ہے۔

قریش فدیہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوہؓ اور
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ
دونوں صحیح و سلامت پہنچ نہ جائیں تمہارے قیدی رہانہ ہوں گے، غرض جب یہ دونوں جاننا واپس
آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

غزوات

غزوہ بدر..... معرکہ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاصؓ سرخیل کفار کو نہ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکلیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی، اس تلوار کو لئے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعدؓ کے برادر عزیز حضرت عیہؓ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض ممکن و طول واپس آئے، لیکن تھوڑی سی دیر کے بعد سورۃ انفال نازل ہوئی اور سرور کائنات ﷺ نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔ غزوہ احد..... سورۃ مدینہ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے تبدیل ہو گئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعدؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لئے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے۔

یا سعد ارم فداک امی وابی

یعنی اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سعدؓ کے سوا اور کسی کے لیے ”فداک ابی و امی“ کا جملہ نہیں سنا، لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہر حال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوہ احد میں یہ فخر صرف سعد بن ابی وقاصؓ کے لیے مخصوص تھا۔

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز دستہ جملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا، حضرت سعدؓ نے عمیل ارشاد کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے

ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت ﷺ ان کی تیر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار فس پڑے، یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔ اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تانک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر داخل ستر (جہنم) ہوا۔

متفرق غزوات غزوہ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں اسی فدویت، جان فاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا، جس کا اظہار غزوہ احد میں کر چکے تھے۔

غزوہ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد و قاصمؓ ہمراہ تھے، لیکن مکہ پہنچ کر سخت طویل ہو گئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ٹکٹ مال کا خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا ”نہیں! پھر عرض کی ”دو ٹکٹ نہیں تو نصف سہی“ حکم ہوا، نہیں صرف ایک ٹکٹ اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدارو تو مگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال نہ پھیلاتے پھر میں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔

ایک مبارک پیشین گوئی حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اٹھ بار دیکھ کر پوچھا ”روتے کیوں ہو؟“ عرض کی ”معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا۔“ آنحضرت ﷺ نے تسفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی۔

اللهم اشف سعدا اللهم اشف سعدا۔ ۱۲

یعنی اے خدا سعدؓ کو صحت عطا کر! سعدؓ کو صحت عطا کر!

رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لئے آب حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے ساتھ ہی یہ بشارت

سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔ یہ پیشین گوئی عجیبی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابو بکرؓ صدیق سقیفہ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔

خلیفہ اول نے صرف سواد و برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظمؓ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمرؓ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکادی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی چونکہ حضرت سعد وقاصؓ کے آئندہ رناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں۔

عراق کی فوج کشی اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا، خصوصاً عراق عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جمالیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران وخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور ثنی شیبانی اور سوید غلی نے تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور ابلہ کی طرف غارت گری شروع کر دی، یہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، ثنی نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطہ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفہ اول نے ثنی کو اجازت دے دی، اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ ثنی کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتاً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول

فرمانی اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فوج گراں کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متعلقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا، اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابو عبیدہؓ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوس ناک شکست ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے کمک بھیج کر فوج کو از سر نو مستحکم کر دیا اور چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ کام آچکے تھے، اس لئے ثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کر دی، انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کر لیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں، اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیریں اختیار کیں، پوزان وخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد، اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکادی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور ثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرزمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر تمام عرب میں پر جوش و جادو بیان خطیب پھیلا دیئے، کہ وہ اپنی پر تاثیر تقریروں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ کریں، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دار الخلافہ کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے، جن میں سے ہر ایک تیغ و تفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہو گئی لیکن سب سے زیادہ وقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ نے درخواست کی مئی تو انہوں نے بھی اس بار گراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہو گئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، لوگ اسی جیسے بیٹھ میں تھے کہ دفعتاً حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، تمام حاضرین اس انتخاب پر بھڑک اٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔ سپہ سالاری..... حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے، اس

کے ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا، حضرت عمرؓ کو سپہ سالاری کے لحاظ سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نصیبتیں و فراز سمجھا کر زمکاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے دی۔

غرض اس طرح حضرت سعدؓ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشاں و تاباں ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے الوالعزم، حوصلہ مند اور خوش تدبیر نام آوروں کی صف میں ان کو ممتاز کر دیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے، یہاں تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہاں سے چل کر مشراف میں خیمہ زن ہوئے، حضرت ثنیٰ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نیرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، معنی نے حسب ہدایت (مقام) مشراف میں آ کر ملاقات کی اور ثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعدؓ وقاصؓ سے بیان کئے۔

حضرت سعدؓ نے مشراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری پھر مینہ دیسہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرد گاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ مشراف سے آگے بڑھ کر قادیسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجیسوں کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادیسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جمادیئے۔

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کئے، سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین میں بڑی روداد چھوٹی رہی، آخر میں مسلمانوں نے کہا اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی، مسلمانوں کی صاف بینی پر غضب ناک ہو کر، مسلمانوں کی اس دلیری پر جھلا کر خاک و مہول متکا کر کہا لو یہ تم کو ملے گا، حضرت عمرو بن سعدی کرب نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ ”فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی، غرض سرفراہ واپس آ گئے، اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں، ابھی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط میں مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادیسیہ میں ڈیرے ڈالے۔

رستم کی فوجیں قادیسیہ پہنچیں تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ

کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کمپ میں گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلواریں سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے انکالی، لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا، اور نجی فوج کے بہت سے اسرار بیان کئے۔

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں، آخری سفارت میں حضرت مغیرہؓ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضب ناک ہو کر کہا کہ ”کل تمہاری فوجیں تہ وبالا کر ڈالوں گا۔“ حضرت مغیرہؓ نے واپس آ کر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

جنگ قادسیہ رستم اس قدر غضب ناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف آراء ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا، مشہور شعراء اور پر جوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ دلوں کو بھڑکا رہے تھے، اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو بے تاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی، گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور حضرت خالد ابن عرطفہ کو قائم مقام کر کے میدان جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالا خانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے کی وجہ سے قریب تھا کہ بجیلہ سواروں کے پاؤں اکھڑ جائیں، حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تیمم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی میں کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سن کر انہوں نے اس جوش سے تیر بر سائے کہ دفعتاً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کارن ہوا، شام ہوئی تو دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الارماث کہتے ہیں۔

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامہ کارزار میں شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ

کنیں، اس تائید نبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہو گیا اور اس زور شور سے تیغ و سنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والوں کی رگ شجاعت میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا حضرت ابو جحش ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو حضرت سلمیٰؓ کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا، سلمیٰؓ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا

واترک مشدودا علی وثاقہا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں، اور میں زنجیر

میں بندھا پڑا ہوں۔“

اذا قمت عنافی الحذیر و اغلقت

مصاربع دونی نصنع المنادیا

”جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس

طرح سامنے بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا

ہے۔“

ان اشعار سے سلمیٰؓ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور ان لوگوں کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا، حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو جحشؓ نے خود آ کر بیڑیاں پہن لیں، حضرت سلمیٰؓ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کئے تو انہوں نے کہا ”خدا کی قسم! میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا۔“ اور اسی وقت رہا کر دیا ابو جحشؓ پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب پینے سے توبہ کر لی۔

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور و شور میں کچھ فرق نہ آیا، زیادہ دقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے، صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، حضرت سعدؓ نے قلعاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے، انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود بھاگ کھڑے ہوئے ہاتھیوں سے میدان صاف ہوتا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب میں

تیسرا نعرہ بلند کروں تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ تعقاع نے جوش سے بے تاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا اللھم اغفر لہ وانصرہ یعنی اے خدا! تعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، تعقاع کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے، حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ اے خدا! اس کو معاف کرنا اور اس کا معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانوں کے ثبات و استقلال نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین (زخمیوں) کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ میں شریک نہ تھے اس لئے بعض سپاہیوں کو ان کی طرف سے ہدگمانی تھی، چنانچہ ایک شاعر نے اعلانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا۔

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ

وسعد بباب القادسیہ معظم

میں نے جنگ کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، حالانکہ سعد قادسیہ کے

دروازے سے چھپے رہے۔

فابنا وقد اذملت نساء کثیرۃ

ونسوة سعد لیس فیہن ایم

ہم لوٹے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں، حالانکہ سعد کی بیویوں میں سے

کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی۔

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی۔

عراق عرب پر عام لشکر کشی حضرت سعدؓ نے معرکہ قادسیہ کے بعد ۵۱ھ میں تمام عراق عرب کو زیرِ چنگین کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی باہل میں پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انہوں نے خود عجمیوں پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ میں بڑے بڑے سرداروں نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور باہل تک موقع بموقع ہل تیار کرادیئے، کہ اسلامی فوجیں آسانی کے ساتھ گزر جائیں، باہل پہنچ کر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ میں اس کو فتح کر لیا اور خود یہاں قیام کر کے حضرت زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں، انہوں نے کوئی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہر یا کوئل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

کوئی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا، چنانچہ قید

خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ نہ تھی، حضرت سعدؓ باہل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ نلک الايام نداولها بين الناس ط

کوئی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہاں خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیروں پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے، اس صفائی سے تلواری ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انہوں نے ان کے قدم کو بوسہ دیا۔

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثنا میں متعدد ہولناک جنگیں ہوئیں، لیکن کچھ نہ ہوسکا، ایک روز خود ایرانی فوجیں تنگ آ کر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہیں۔ اسی حالت میں ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ کئی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف وجہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعززی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انہوں نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا ”برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے“ یہ کہہ کر گھوڑ اور یا میں ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیئے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ ایرانی اس عجیب و غریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر ”دیوان آمدند“ کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار حرز اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ ہمارا دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا، لیکن مسلمانوں نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا، جو کچھ تدمر روانہ کیا گیا۔

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتیں نکلیں۔

کم تر کو امن جنت و عیون، و زروع و مقام کریم، و نعمة کانوا

فیہا فکھین، کذا لک و اورثہا قوما اخرین۔ (دخان ع ۲۵: ۲۸)

(اگلی قومیں) کس قدر باغ، چشمے، کھیتیاں اور طرح طرح کی نعمتیں، عمدہ

عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسیں جس میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھیں اور ہم نے

ان چیزوں کا مالک دوسری قوموں کو بنادیا۔

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤساء اور جاگیرداروں نے سپردال کر صلح کر لی، اور تمام ملک میں امن و امان کی منادی ہو گئی، جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آ گئے اور حاکم و محکوم میں اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم از دو اوج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

عراق عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور نکر یب پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروز مندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربار خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ ”دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سد سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سر دست اسی پر اکتفا کر کے ممالک مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو۔“

امارت اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ روانی ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آئے، انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدہ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، دربار خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، اسی طرح ولیم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

تعمیر کعبہ حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوائ نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سر زمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو مرکز حکومت قرار دیں، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلوں کو جدا جدا محلوں میں آباد کیا، وسط شہر میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر

کرایا جو قصر سعد کے نام سے مشہور تھا۔

کچھ دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپورٹ دار الخلافت میں بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیوں کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انہوں نے روز بہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کارگیری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اس کو دار الخلافت بھیج دیا، جہاں ہمیشہ کے لئے اس کا روزیہ مقرر ہو گیا۔

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار میں تھا، اس لئے شور و شغب کے ساتھ باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انہوں نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس میں پھانک لگوا دیا، بارگاہ خلافت میں اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لئے یہ سدا رہ نہ ہو جائے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کئے۔

متفرق انتظامات کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہاں تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے، جو امراء الاعشا کہلاتے تھے، تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امراء اعشا نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمان خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزیے مقرر کئے اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر متعین کیا۔

شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گراں بھیج کر ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔

۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراق عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمرؓ نے ان تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھیج کر آراستہ کرنے کے احکام صادر کئے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہاں نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں اور دربار خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی میں افرمال تھے، اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصد جنگ سے جی چراتی تھی، اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعدؓ وقاص نے بارگاہ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت لکھی تو ان میں سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیوں کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انہوں نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی، کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے کوفہ کی ہر ایک مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریق کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا ”سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں آخری میں صرف فاتحہ پراکتفا کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے۔ یہ معزولی گواہی اہم بنیاد ثابت ہو، تاہم حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے، حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی۔

حضرت سعدؓ وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بے ہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے، لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھتا۔

فاروق اعظمؓ کی سفارش ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالت نزاع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اس منصب کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے، ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکیں تو جو منتخب ہوا سے چاہئے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے

کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔
دوبارہ تقرری..... حضرت فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستار خلافت باندھی اور انہوں نے حسب وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث پھر معزول ہو گئے۔

دورِ فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی..... حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ میں عزالت نشینی اختیار کر لی، یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہد حکومت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں نکل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا ”مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے۔“

حضرت ابی وقاصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آ کر کہا ”کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائیں؟“ حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا ”خاموش! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔“

جناب مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب وینچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعدؓ وقاصؓ بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خوریزیوں کا خاتمہ ہو جائے گا، فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزالت کدہ میں واپس آ گئے، اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔

وفات..... حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، چنانچہ عزالت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قوی مضحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لئے اس نفس غصری کو خیر باد کہا۔ حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ

۱۔ استیعاب جلد ۲ تذکرہ سعدؓ ۲۔ ابن سعد جز ۲ قسم اول ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ سعدؓ میں اجمالاً اس کا ذکر ہے

۴۔ طبقات ابن سعد جز ۲ سادس

بدر میں جو ادنیٰ کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ اور لاش مدینہ طیبہ لائی گئی، بعض امہات المؤمنین اس وقت زندہ تھیں انہوں نے حکم دیا کہ اس جاں نثار رسول اللہ ﷺ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے، چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المؤمنین بھی نماز میں شریک تھیں کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن امیہؓ پر پیر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی۔“

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے خلاف قیامت تک فخر و مباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

علم و فضل حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ ﷺ سے تحصیل علم میں کبھی پس و پیش یا شرم و حجاب دامن گیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے، لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ!، میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے؟ ارشاد ہوا ”مومن یا مسلم“، لیکن حضرت سعدؓ کو تشفی نہ ہوئی، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ نے مکرر یہ سوال کو جاری رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ۳۔

اخلاق و عادات حضرت سعدؓ کے مصحف اخلاق میں خشیت الہی، حب رسول، تقویٰ، زہد، بے نیازی اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہیں، خوف خدا اور عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے میں مسجد نبویؐ میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ طبعیت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی، لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا

۱۔ اسد الغلبہ تذکرہ سعد

۲۔ ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ

۳۔ بخاری کتاب الايمان باب اذالم یکن الاسلام علی الحقیقہ

۴۔ مسند ابن خلیل جلد ۱ ص ۱۷۰

کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ ﷺ نے رہبانیت اور تہل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت و جان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات میں ہر کام رہے، غزوہ احد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہؓ پریشانی اور گھبراہٹ میں منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انہوں نے اور حضرت طلحہؓ نے خیر الانام (نبی کریم ﷺ) کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے گرد رات رات بھر پہرا دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت ﷺ دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاصؓ! ارشاد ہوا ”تم کیسے آئے؟“ عرض کی ”خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا چاہئے۔“ اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں، آنحضرت ﷺ اس جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔

عتبہ بن ابی وقاصؓ حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے حالت کفر میں غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے ”واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیا سا نہیں ہوا۔“

اتباع سنت اور رسول اللہ ﷺ کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، اہل کوفہ نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا، تشریف لے جا رہے تھے، راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لئے انہوں نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے، معاذ اللہ! میں رسول اللہ ﷺ کی بخشش کو واپس کر دوں گا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ سے سنا ہے کہ ”میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا۔“

ذریعہ معاش و جاگیر..... ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جان بازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدا یوں کی عمرت و جنگ حالی کو دولت و ثروت سے تبدیل کر دیا، خیر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت میں حصہ ملا، اسی طرح دور فتنہ و فساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے، کوفہ اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالی شان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فرہ، ناک چبٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط

ازواج..... حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں۔

بنت الشہاب، بنت قیس بن معدی کرب، ام عامر بنت عمرو، زہد، ام بلال بنت ربیع، ام حکیم بنت قارظ، سلمیٰ بنت حفص، ظبیہ بنت عامر، ام حجر۔

اولاد..... حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادیں تھیں ان میں سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

لڑکے..... اسحاق اکبر، عمر، محمد، عامر، اسحاق اصغر، اسماعیل، ابراہیم، موسیٰ، عبداللہ، عبداللہ اصغر، عبدالرحمن، عمیر اکبر، عمیر الاصغر، عمرو، عمران، صالح، عثمان۔

لڑکیاں..... ام الحکیم کبریٰ، حفصہ، ام القاسم، کلثوم، ام عمران، ام الحکیم صغریٰ، ام عمرو، ہند، ام الزبیر، ام موسیٰ، حمہ، ام عمر، ام ایوب، ام اسحاق، ملہ، عمرہ، عائشہ۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

نام، نسب، خاندان..... عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گو والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن الجراح ابن ہلال بن اہیب بن ضہ بن الحارث بن النمر القرشی القہری، حضرت ابو عبیدہؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔
ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں۔

اسلام..... حضرت ابو عبیدہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔
ہجرت..... اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم و ستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے، یہاں رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرادیا۔
غزوات..... مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چھین سے بیٹھنے نہ دیا، اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی، چنانچہ غزوہ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے، ان کے والد عبد اللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انھوں نے تاک تاک کر خود اپنے لخت جگر کو نشانہ بنانا چاہا، حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش تو حیدر بنسی تعلق پر غالب آ گیا، اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارگی کی نہایت ہی مثال تھی جس میں ماں، باپ، بھائی، بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ

کُتِبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ وَأُيِدْتُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ . مَا

(سورہ مجادلہ ۵۸: ۲۲)

”تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گے گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضانِ نبوی سے ان کی مدد کی ہے۔“

غزوہٴ احد میں آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چھ گئیں تھیں جس سے سخت تکلیف ہوئی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا، اگرچہ ان کڑیوں نے نکلنے نکلنے ان کے دودانت شہید کر دیئے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری میں دودانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی۔

غزوہٴ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے، پھر ۶ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطرافِ مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے، چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔

اسی سال بیعت رضوان میں شریک ہوئے، بلکہ مقام حدیبیہ میں قریش مکہ نے جو عہد نامہ طے پایا، اس پر ان کی شہادت بھی تھی۔ پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوئے، اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہو کر سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے دربار رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی زیر امارت دوسو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے مل گئی، تو قدرۃ امانت و سپہ سالاری عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی جلالت شان و علو مرتبت کے مقابلہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس شرف گرامی کا استحقاق نہ تھا، تاہم ان کی ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہؓ نے اطاعت کا طوق خود

اپنے گلے میں ڈال لیا، اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیم کو زیر کر دیا۔
 رجب ۸ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابو عبیدہؓ کی زیر قیادت ساحلی علاقہ کی طرف
 روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، اور سامانِ رسد میں صرف کھجوریں
 ساتھ کر دی گئیں، یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں تک صرف ایک ایک کھجور
 پر قناعت کرتا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی اور سمندر کے کنارے
 ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے
 ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابو عبیدہؓ ان تمام
 معرکوں میں جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

متفرق خدمات جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابو عبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمتیں
 بھی سپرد ہوئیں۔ مثلاً: ۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی
 درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑوں کو بھی فیصلہ کرے، آنحضرت ﷺ نے
 فرمایا ”ابو عبیدہؓ اٹھ“ جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا ”یہ امت کا امین
 ہے“ اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔“

آنحضرت ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی، اور حضرت علاء بن الحضرمی کو
 بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابو عبیدہؓ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے،
 جب لے کر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا آنحضرت ﷺ نے متہمس
 ہو کر فرمایا شاید تم لوگوں کو ابو عبیدہؓ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی ”ہاں یا رسول
 اللہ!“ سرور عالم ﷺ نے فرمایا ”بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کر دوں گا، لیکن خدا کی قسم! میں
 تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا
 کشادہ ہو جائے گی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع سے ہلاک کر دیا ہے، تمہیں
 بھی ہلاک کرے گی۔“

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہؓ ہر کام
 تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں
 خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتشِ خرمین
 سوز کے بجھانے میں امین امت کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں، چنانچہ انہوں نے انصار کو

مخاطب کر کے فرمایا۔

بِأَمْرِ الْأَنْصَارِ أَنْكُمْ كُنْتُمْ أَوَّلَ مَنْ نَصَرَ فَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ مَنْ

غیر۔

”اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس

لئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی نہ ہو جاؤ۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہیں، جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ ان کی ذات سے۔ خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو ابو عبیدہ بن الجراحؓ موجود ہیں، جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی۔ اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور فتنہ کا ابر تار یک افق اسلام سے چھٹ گیا۔ شام کی سپہ سالاری..... حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد ۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو حمص پر یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شرجیل کو اردن پر عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں، تو ابو عبیدہؓ سپہ سالار عام ہوں گے۔

حضرت ابو عبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کر لیا، اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شامی فوج سے آکر مل گئے، اور متحدہ فوج نے بصری، نخل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

فتح دمشق..... دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت میں خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسن تدبیر کے ساتھ تفصیل پھاند گئے، اور شہر میں داخل ہو کر دروازے کھول دیئے، حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظمؓ سے مصالحت کر لی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ میں سرگرم پیکار تھے، عیسائی آکر ملتی ہوئے کہ ہم کو خالدؓ سے بجائے، وسط بازار میں دونوں آدمیوں کا سامنا ہوا، حضرت ابو عبیدہؓ نے صلح کر لی اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح میں رکھا اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے۔

معرکہ فحل..... دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں، اور مقام فحل میں خیمہ افکن ہوئیں، رومیوں کا پڑاؤ فحل کے سامنے مقام ہسیان میں تھا، انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت و شنید کے لئے ایک سفیر بلا دیا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور رومیوں نے براہ راست حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا، کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر نہیں آتی، آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اس نے متعجب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا ہاں، قاصد نے کہا ”تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ، حضرت ابو عبیدہؓ نے انکار فرمایا، اور قاصد کے تئیں دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایک صف میں جا کر کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرين

خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ خود قلب فوج میں تھے، اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد نے رومیوں کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دے دی، اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزند ان توحید کے زیرِ ملکین ہو گئے۔

فتح حمص..... یہاں سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے، اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہل حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے، لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے خود بخود شہر حوالہ کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہاں عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رخ کیا اور راہ میں شیرز، حما، معرة النعمان اور دوسرے مقامات میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا۔

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے، اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے، اس کو تائید یحییٰ خیال کیا، اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہو گئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر غاروں میں چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکل کر دفعۃً شہر میں گھس گئے، اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا۔

یرموک کی فیصلہ کن جنگ..... رومیوں کی متواتر ہزیمتوں نے ان کے آتش غیظ و غضب کو بھڑکا دیا اور ہر قل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطراف ملک سے ہندی دل فوج مجتمع ہو گئی، حضرت ابو عبیدہؓ کو خود شامی امراء اور رؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے، تمام واقعات کی اطلاع دی انہوں نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریوں کی تحقیقات کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا، اور ایک پر جوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیانؓ نے کہا ”میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لئے نکلیں، اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔“ حضرت شریحیل بن حسنہ نے کہا ”یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے، لیکن ہم کو اپنا تنگ دناموس شہر کے عیسائی باشندوں کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہئے۔“ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، تو پھر سردست اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر بدر کر دیں، حضرت شریحیل نے اٹھ کر کہا، اے امیر! یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تجھ کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے۔“ حضرت ابو عبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام نو جیس دمشق میں جمع ہوں، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا، لیکن جب ہم سردست، اس سے عاجز ہیں تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی گئی، عیسائیوں پر اس حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے، اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ ”خدا تم کو پھر واپس لائے۔“

دمشق میں جب اسلامی فوجیں مجتمع ہو گئیں تو حضرت ابو عبیدہؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان میں (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ بنایا، اسی اثناء میں اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معادوت نے اس حذاقہ پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ ہم کو مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑا تا کہ تمام منتشر قوت مجتمع ہو جائے، بہر حال تم اپنی جگہ جمے رہو، میں عنقریب آ کر تم سے ملتا ہوں۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوئے تاہم جو عریلی کوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی

ایک رومی قاصد اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانوں کے موثر طریقہ عبادت خشوع و خضوع اور محویت اور استغراق نے اس پر عجیب و غریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کے ساتھ دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابوعبیدہؓ نے چند سوالات کئے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابوعبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

بَاہِلِ الْکُتُبِ لَا تَعْلَمُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسٰی بِنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ کَلِمَتُهُ الْقَهَّالِیْ مَرْیَمَ
(نساء ع ۱۷۱:۴)

اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادہ نہ دلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط باتیں نہ منسوب کرو حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے ان کی طرف ڈال دیا تھا۔

لَنْ یَسْتَکْفِ الْمَسِیْحُ اِنْ یَّکُوْنَ عَبْدُ اللّٰهِ وَلَا الْمَلٰئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ
(نساء ع ۱۷۲:۴)

مسیح بن مریم اور ملائکہ مقررین کو خدا کی بندگی میں غار نہیں ہے۔

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا، بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہہ کر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا، وہ اپنی قوم میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا، لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا ٹھکانہ نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔ غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گئے، کیونکہ مسلمانوں کی صرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور اس میں تغیر و تبدل قطعاً ممکن تھا، یعنی ”اسلام“ یا ”جزیہ“ دوسری طرف رومی جو اپنی شہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، بہر حال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس تیس ہزار تھے تاہم انفران فوج کی دانش مندی، فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اس ہنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم و بیش تین ہزار شہید ہوئے، جن

میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاص، ابان، سعید وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص پہنچ کر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو فخرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے، چند دنوں کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپردِ آل دی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

بیت المقدس..... ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آئے، عیسائیوں نے ایک عرصہ ایک قلعہ بندی سے تنگ آ کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھیں، حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمائندے بھی یہیں پہنچے اور معاہدہ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہو گیا۔

رومیوں کی آخری کوشش..... شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیوں کے لئے سخت سوہان روح تھا، انہوں نے جزیرہ اور آرمینیا والوں کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کیں اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابو عبیدہؓ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رودی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش و موثر تقریر کے بعد فرمایا ”مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا اور اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا، اس زمانہ میں اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا، اس تقریر نے اور بھی گرمادیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مرج الدیاج تک بھاگتے چلے گئے، اس طرح رومیوں کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انہیں کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت..... حضرت خالدؓ سیف اللہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن اس میں حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالدؓ دمشق

سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا ”تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ امین امت تمہارا والی ہے“ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے جواب میں کہا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے“ غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحیں جاری کیں، ان میں سے اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں ۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے۔ اشاعت اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلہ ثوخ، بنو سلج اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے اور عیسائی مذہب کے پیرو تھے، صرف ابو عبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔ طاعون عمواس..... ۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود تیر دان نظام کے لئے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموما قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا، سب ساتھ چلیں، چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لئے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کے ساتھ کہا ”افراد امن قدر اللہ“ یعنی تقدیر الہی سے بھاگتے ہو، حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابو عبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے، اس لئے انہوں نے کہا ”کاش! تمہارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہاں تقدیر الہی سے بھاگتے ہوں لیکن تقدیر الہی کی طرف۔“

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنوں کے لئے یہاں چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر تاکید لکھا کہ فوج کو لے کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہاں پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ

ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے۔ جابیہ پہنچ کر حضرت ابو عبیدہؓ طاعون میں مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا ”صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کریمؐ کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس میں جاں بحق ہو گئے ہیں، اور اب عبیدہؓ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متنبی ہے۔“ ۲

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الہی یعنی ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا، حضرت معاذؓ ابن جبلؓ نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر پروردگار کے بعد کہا ”صاحبو! آج تم سے ایک شخص ایسا اٹھ گیا کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہ خلق کبھی نہیں دیکھا، پس خدا سے اس کے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرو۔“ ۳

حضرت ابو عبیدہؓ نے اٹھاون (۵۸) برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ وَاِلٰہِ رَاجِعُوْنَ۔

اخلاق و عادات..... حضرت ابو عبیدہؓ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ، زہد تواضع مساوات اور رحم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

خوف خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایہ عبرت بن جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے چشم پر غم ہو جاتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہیں، اس نے متعجب ہو کر پوچھا ”ابو عبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟ کہنے لگے ”ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا! ابو عبیدہ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمہاری ذات کے لئے، ایک تمہارے اہل و عیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں، ایک تمہارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب و سامان کے لئے، لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطلبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال

میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔

ہادی دین کی اطاعت محبت اور خدمت گذاری میں امین امت سے زیادہ کون پیش رہتا؟ واقعہ بدر میں باپ کو قتل کیا، رسول برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کئے، غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے طوق اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمان رسول ﷺ پر گردن جھکاتا ہوں۔

امین امت کا آخری لمحہ حیات بھی اطاعت رسول میں گزرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈنگا گئے، لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ زہد بے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں، شام کی آب و ہوائ نے بڑے بڑے صحابہ کے طرز معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفر شام کے موقع پر انسروں کو پر تکلف قبائیں، اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر بڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادات اختیار کر لیں، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی ٹیل بھی معمولی رسی کی تھی، حضرت عمرؓ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی، یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامان راحت نہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ابو عبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے، اس بے نیاز عالم نے جواب دیا ”امیر المؤمنین! ہمارے لئے بس یہی ہے۔“

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک جہ بھی نہ رکھا، حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا ”الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔“

امین امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انہیں ہمیشہ سردار فوج کی شناخت میں دقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا تھا کہ سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب قریش ناک میں بیٹھا ہے۔

مساوات اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہؓ نے الجراح نے فرمایا ”ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔“

حضرت ابو عبیدہؓ کا خلق و ترجم تمام خلق اللہ کے لئے عام تھا، شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا، وہاں عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گزرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن انہوں نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال میں ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا۔
حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمت رسولؐ میں قربان ہو گئے تھے، ڈاڑھی کھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد و ازواج..... حضرت ابو عبیدہؓ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور درجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لالہ و لد فوت ہوئے۔

حضرت سعید بن زیدؓ

نام، نسب، خاندان..... سعید نام، ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بھجہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن ریح بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح ابن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی۔

حضرت سعید بن زید کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت ﷺ سے اور نفیل پر حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے، حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کے مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محتر ز رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت ﷺ سے قبل بعثت وادی بلح میں ملاقات ہوئی، آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپؐ نے انکار فرمایا پھر انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا ”میں تمہارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا“۔^۱

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوئے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچ کر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا ”میں اسی سے بھاگتا ہوں، پھر اس میں گرفتار نہیں ہو سکتا البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ“؟ اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انہوں نے پوچھا ”دین حنیف کیا ہے“ بولا دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خدا کے واحد کی پرستش کرتے تھے، یہاں سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا ”اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے“ زید نے کہا ”خدا را کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو، نہ لعنت، میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں، بولا میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے، غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونوں باتھ اٹھا کر کہا ”خدا یا! تجھے گواہ بناتا ہوں کہ..... اب میں، دین حنیف کا پیرو ہوں۔“۔^۲

۱۔ تلمیذ کی روایتیں ایک متن کا: مستفتح ابی ہریرہ جلد ۱ ص ۱۶۰

۲۔ بخاری باب حدیث زیدؓ ص ۱۸۱

۳۔ بخاری باب حدیث زیدؓ متن متصل قلم مذکور ہے

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کبہ رہے تھے، اے گروہ قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔^۱

ایام جاہلیت میں اہل عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بیٹی کے طلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے، "جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت میں رہے دو"۔^۲

اسلام..... جب رسول ﷺ نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت توحید شروع کی، تو گو اس وقت اس کے سچے شیعہ زید صفحہ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم ان کے فرزند حضرت سعیدؓ کے لئے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انہوں نے جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ گروش اسلام ہوئے۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں، لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے نا آشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سن کر نہایت برا فروختہ ہوئے، اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ وہ لبو لبہاں ہو گئے، لیکن یہاں کچھ ایسی ورافلی تھی کہ اس تمام زد و کوب کا صرف یہی ایک جواب تھا۔

من ز جاناں تر چہ صد اندو جان خواہم کشید

تانا پنداری کہ خود را بر کراں خواہم کشید

یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت و استقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا، اور بالآخر عمر بن الخطابؓ سے فاروق اعظمؓ بنا دیا۔

ہجرت اور غزوات..... حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبد المنذر انصاری کے مہمان ہوئے کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری میں بھائی چارہ کرادیا۔^۳

۲؎ میں قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگ بدر پیش آئی ملک شام سے آرہا تھا، رسول ﷺ نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس بحس پر مامور فرمایا، یہ دونوں حدود شام میں تجہار پہنچ

کر کشید جہنمی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظر بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب ﷺ کو پوری کیفیت سے مطلع کریں، لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پا کر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفار قریش کی ایک بڑی جمعیت کے جو اس کی مدد کے لئے آئی تھی، اور پرستار ان حق کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لئے سر بلند کر دیا۔

غرض جس وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے اس وقت غازیان دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آ رہے تھے، چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لئے رسول ﷺ نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔

حضرت سعیدؓ جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی و شجاعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمرکاب رہے، لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔ عہد فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانا بازی کے ساتھ شریک کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا، لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کر دیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لئے خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں حضرت ابو عبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدان رزم میں پہنچ گئے۔

وفات..... فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی، یہاں تک کہ ۵۵ھ یا ۵۶ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، چونکہ نواح مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا، اس لئے وہیں وفات پائی جمعہ کا دن تھا عبداللہ بن عمرؓ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی، اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ لا کر سپرد خاک کیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون ۲

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات..... حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ و حشرت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں بھی

۱ طبقات ابن سعد ج ۲ بدر ثانی تذکرہ سعید بن زید

۲ طبقات ابن سعد ج ۲ بدر ثانی تذکرہ سعید بن زید

ایک جاگیر دی تھی۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں اروی نامی ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی، مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین دہالی ہے، مروان نے تحقیقات کے لئے دو آدمی متعین کیے، حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے“، پھر مروان سے کہا ”کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی ایک باشت زمین بھی ظلم و زبردستی سے لے گا تو ویسی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی“ مروان نے قسم کھانے کو کہا یہ اپنی زمین سے باز آ گئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا ”اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کنواں خود اس کے لئے قبر بنے، خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہو گئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لئے ضرب المثل ہو گیا اور وہ عموماً یہ بددعا دیتے لگے، اعمامک اللہ کما اعمی اردی

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسوں خانہ جنگیاں پیش آئیں اور گودہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے میں شامل نہیں کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد میں فرمایا کرتے تھے، ”تم لوگوں نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہیں۔“

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر، ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعیدؓ بن زیدؓ داخل ہوئے تو انہوں نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا، اسی اثنا میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان میں ناملائم کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے ”مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول ﷺ کے جانثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے، اس کے بعد اصحاب عشرہؓ سے آنحضرتؐ آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ رسول ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو میں ان کو آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا ان میں ہوں۔“

حضرت سعیدؓ کے حالات کتب میں بہت کم ہیں تاہم وہ بالاتفاق ان صحابہ کرامؓ میں تھے جو

آسمان اسلام کے مہر و ماہ ہیں، وہ لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے آگے رہتے تھے اور نماز میں پیچھے۔

حلیہ یہ تھا : قد لبھا، بال بڑے بڑے اور گھنے۔

اہل و عیال..... حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، فاطمہ، ام الجحیل، جلیبہ بنت سوید، امامہ بنت الدجج، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، بنت الاصفیٰ بنت قریبہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود انصاری۔

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان میں سے اکثر اولاد ہوئی، جن لڑکیوں اور لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے، وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں۔
لڑکے..... عبدالرحمن اکبر، عبدالرحمن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمراکبر، عمراصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابرہیم اکبر، ابرہیم اصغر۔

لڑکیاں..... عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمیٰ، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صفری، ام زید کبریٰ، ام زید صفری، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبدالحولہ، ام صالح۔

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ

نام و نسب حمزہ نام، ابوعلیٰ اور ابوعمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، پورا سلسلہ نسب یہ ہے حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

اس نسب تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابوہلب کی لونڈی حضرت ثویبہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، عمر میں حضور ﷺ سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

اسلام دعوت تو حید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھائیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرانوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و تو حید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آ رہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا ”ابوعمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگ حمیت میں جوش آ گیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوش انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر نبی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لئے دوڑے اور بولے ”حمزہ! شاید تم بھی بد دین ہو گئے، فرمایا ”جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہوگی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟“ اہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو“ ابو جہل نے کہا ابوعمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور مؤمنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سد باب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا ماننا تھا۔

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانہ نبویؐ پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابہ کرام کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا ”کچھ مضائقہ نہیں آنے دو، اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا“، غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوش مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

مواخات..... مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہؓ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے۔

ہجرت..... بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، جہاں ان کو زور بازو اور خدا واد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، اور تین آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدراہ ہوں، غرض وہاں پہنچ کر ابو جہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے ٹکرائی اور طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت و خون واپس آئے۔

غزوات..... اسی سال ماہ صفر میں خود سرور کائنات ﷺ نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل و حرکت میں سدراہ ہونے کے لئے ابو ارفجہؓ کی فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا، اس لئے جنگ و جدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیر اثر یہ تھا کہ بنو خمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا۔

اسی طرح ۲ھ میں غزوہ عثیرہ پیش آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرہ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستار فضل و کمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف

بنو مدیج سے امداد باہمی کا ایک عہد نامہ طے پایا۔۔۔۔۔ اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیان دین میں سے چند انصار نو جوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا ”محمد! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو“ ارشاد ہوا ”حزہ بن علی عبیدہ! اٹھو اور آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصل جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اور ولیدؓ میں دیر تک کشمکش جاری رہی، وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا، یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوش انتقام میں آگے بڑھے لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام بلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاوروں کو زرعہ میں دیکھ کر نوٹ پڑے، نہایت گھمسان کارن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شیر مرغ کی کلفتی بھی اس لئے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھ میں تلوار تھی اور مردانہ وارد و دسی حملوں سے پرے کا پر ا صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں سے پوچھا، ”یہ کلفتی لگائے کون ہے؟“ لوگوں نے کہا ”حمزہ!“ بولا ”آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا“، ۳

غزوہ بنی قینقاع..... بنو قینقاع نام کی اطراف مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے، اس لئے رسول ﷺ سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوہ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکا دی اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور بڑو اطراف مدینہ سے جلا وطن کر دیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے۔ ۴

غزوہ احد..... بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے تو سن غیرت کے لئے نازیاندہ کام کیا اور جوش انتقام سے براہیختہ ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خارا شگاف تو لیتے ہوئے میدان میں آئے اور لاکر کہا ”اے سباع!

اے ام انمار مضغہ تجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟ یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا، اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پستے لگا دیئے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں غرض اس جوش سے لڑے کے تنہا مین کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔

شہادت حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو یہ تیغ کیا تھا اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جیسر بن مظعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا، اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں آزادی کا لالچ دلا یا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گزرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے، اس شیر خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے سنا تو پوچھا ”کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے“ لوگوں نے عرض کی نہیں ”فرمایا اے خدا! حمزہؓ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینا“

تجہیز و تکفین..... اختتام جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات ﷺ اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک کان کاٹ کر... نہات دردناک صورت بنا دی تھی، اس لئے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا اور مخاطب ہو کر فرمایا: تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صغیرہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درندہ اور پرندہ اچھا جانیں، اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاتے، خدا کی قسم! مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لئے کفارہ یمین ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی، ۵

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے دیکھنے نہ دی اور تسلی و تسخنی دے کر واپس فرمایا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا

کام لیا جائے، لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی، اس لئے انہوں نے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپا دو اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرور کائنات ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز جنازہ پڑھائی، اسی طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بھدا ندوہ والہ اس شیر خدا کو اسی میدان میں سپرد خاک کیا۔

آنحضرت ﷺ کا حزن و ملال..... سرور کائنات ﷺ کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبدالاشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ و اقارب پر روتے سنا تو فرمایا ”افسوس! حمزہؓ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں“ انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا، جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء پر گریہ و زاری شروع کی، اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا ”یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انہیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں“ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

قاتل سے بیزارى..... حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ اسلام قبول کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر پوچھا ”کیا تم ہی وحشی ہو؟“ عرض کی ”ہاں“ فرمایا ”تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟“ بولے ”حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے“ ارشاد ہوا ”کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟ غرض اسی وقت باہر آنا پڑا، اور پھر تمام عمر سامنے نہ جاسکے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب مسلمان کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کر کے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کر سکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے، اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا۔

اخلاق..... حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں، شجاعت و جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃ تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں محبت احباب گرم تھی، اور دو برساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محل کا رنگ جما ہوا تھا، اسی حالت میں

اس نے دواؤں کی طرف اشارہ کر کے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا

الا يا حمزة للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کودے اور دونوں کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انہوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو کر دربار نبوت میں شکایت کی، آنحضرت ﷺ ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لئے ہوئے اسی وقت اس محفل طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہاں ہوش و حواس کا قبضہ ہو چکا تھا، انہوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت ﷺ کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے بولے ”تم سب میرے باپ کے غلام ہو، آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو اگلے پاؤں لوٹ آئے جا۔“

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی۔

رحمة الله عليك فانك كنت ما علمت وصولا للرحم فعولا

للخيرات ۲

”تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داری کا

سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے“

ازواج و اولاد..... حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت المملہ، خولہ بنت قیس، سلمیٰ بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں، ابو یعلیٰ، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لا ولد فوت ہوئے، ابو یعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا، یہ سلمیٰ بنت عمیس کے بطن سے امامہ نامی ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہہ کر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، اور حضرت زید بن حارثہؓ نے ان کو اپنی اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ پیش کیا، لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس امامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا۔

۱ بخاری کتاب فرض الخمس ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث ص ۷

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث ص ۷

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث ص ۷

حضرت عباس بن عبد المطلبؓ

نام و نسب عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبد المطلب اور والدہ کا نام نعلیمہ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔

عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف الهاشمی القرشی۔

آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی حالات حضرت عباسؓ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے حج و سلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھی، جنہوں نے ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کو دیبا و حریر سے مزین کیا۔

زمانہ جاہلیت وہ قریش کے ایک سربراہ اور ردہ رئیس تھے، خانہ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبد المطلب سے وراثت میں ملا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوت توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے کو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانہ حج میں بہتر انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھائی میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس ازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ”گروہ خرزج! تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر و زندہ بھی سے صاف جواب دے دو۔“ انصار نے اس کو جواب میں جانثاری و وفا شعار کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

۱۔ استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ

۲۔ ایضاً

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۹

۴۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۳۲

جنگ بدر..... مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ ﷺ حقیقت حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اٹھائے جنگ میں ابوالہتر ی عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابوحنیفہؓ بول اٹھے کہ ”ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے، تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟“ واللہ! اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلواریں لگا دوں گا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”ابو حفص! دیکھتے ہو، عم رسول کا چہرہ تلواریں کے قابل ہے؟“ حضرت عمرؓ نے کہا ”اجازت دیجئے کہ اس کا سراڑ اڑوں“، لیکن حضرت ابوحنیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کرا رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ انکی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا، ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہ بن ابی نے جو کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتا منگوا کر دیا، آنحضرت ﷺ نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتا پہنانے کے لئے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج سے تھیں) اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بنا پر گوارہ نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی، حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا ”میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بکیر اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے

۱۱ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۵

۱۲ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۷

۱۳ طبقات ابن سعد قسم اول دور درج ص ۷

۱۴ بخاری جلد ۲ ص ۵۷۲

اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بے شک آپ رسول خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلص حاصل کی۔

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت..... حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے سر بستہ سے رسول ﷺ کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لئے تنہا امن و بھلا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے باز رکھا اور فرمایا کہ ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا“۔

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر ہنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے ”خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی، محمد ﷺ گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے ہیں، اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مال غنیمت خرید لو۔

اس خبر سے یکا یک تمام مکہ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، وادی بطحا کا ہر بچہ بادہ انبساط سے محو ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور منموم صورت حجاج بن علاطؓ سے تھکے میں ملے اور پوچھا ”حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے!“ بولے ”نہیں!، خدا کی قسم آپ کے لئے نہایت خوش آئند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر روسائے خیبر قتل کیے گئے ان کا تمام مال و اسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول ﷺ کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہوں، اور یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول ﷺ سے جا ملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیوں کہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔“

حضرت عباسؓ کی مسرت و انبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہادھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے

خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا، ”خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے“ بولے ”قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے“، لوگوں نے تعجب سے پوچھا ”یہ خبر کہاں سے آئی؟“ فرمایا حجاج بن علاط نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں شخص اپنا مال لینے آئے تھے، اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے۔

اسلام و ہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

غزوات مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے، حنین کی جنگ میں حضرت خیر الانام (نبی ﷺ) کے ہمراہ تھے، اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا ”عباس! نیزہ برداروں کو آواز دو“ فطرۃ میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے ”ایں اصحاب السمرہ؟“ کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا، محاصرہ طا کف، غزوہ تبوک اور حجتہ الوداع میں بھی شریک تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات حجۃ الوداع سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا کہ ”خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں“۔ لیکن حضرت عباسؓ خاندان کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم! تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ میں خاندان عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر سکتا ہوں“ چلو رسول ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لئے وصیت فرما جائیں، حضرت علیؓ نے کہا ”خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جاؤں گا“ مع حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی۔

غرض آنحضرت ﷺ نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لئے تعزیت و ماتم پر ہی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔

بارگاہ نبوت میں اعزاز..... آنحضرت ﷺ اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی افیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برسی ہے، لیکن جب ہم نے ملتے ہیں تو بشارت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص خدا اور رسول کے لئے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا، چچا باپ کا قانم مقام ہے۔“

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا، اور آنحضرت ﷺ سے جا کر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا کہ تم عباسؓ سے کیا چاہتے ہو؟ بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباسؓ رسول خدا کا چچا ہے اور چچا باپ ہی کا قانم مقام ہے۔ ۱۔
خلفائے راشدین..... آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گزرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ ”یہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم ہیں۔“
حضرت عمرؓ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا ”خدا یا! پہلے ہم رسول ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت ﷺ کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر،“ ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یکایک صاف و شفاف آسمان پر لکھ ہائے ابر نمودار ہوئے اور گھوڑی ہی دیر میں باران رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

۱۔ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب

۲۔ جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ مسند جلد ۱ ص ۲۰۷

۳۔ جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ

۵۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶

۴۔ استیعاب تذکرہ عباسؓ

سال الامام و قد تنابع جد بنا
فسقى الغمام بعزة العباس
امام کے دعائے مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس کی شرافت کے طفیل
میں ابر نے سیراب کر دیا

عم النبي و صنو والده الذي
ورث النبي بذاك دون الناس
”وہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے
تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول ﷺ کی وراثت پائی۔“

احیی الا له به البلا دفا صبحت
محضرة الا جناب بعد الباس
”ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور ناامیدی کے بعد پھر تمام
میدان سرسبز ہو گئے۔“

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی، اس لئے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم
چوم کر کہتے تھے ”ساقی حرمین! مبارک ہو، ساقی حرمین! مبارک ہو!“
وفات..... حضرت عباسؓ اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں بمابہ رجب یارمضان
جمعہ کے روز رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، خلیفہ ثالثؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ
بن عباسؓ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔
اخلاق..... حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحم دل تھے، حضرت سعد بن ابی
وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کو آتے دیکھ کر
فرمایا ”عباسؓ عم رسول ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ
داروں کا خیال رکھتے ہیں۔“ ۳

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا، یہی
وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔
تمول و ذریعہ معاش..... حضرت عباسؓ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے، چنانچہ
جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے

۱۱ احتیاج تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ

۱۲ احتیاج تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ

۱۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۱

مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔ تجارت ذریعہ معاش تھی، ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا ”آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کئے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرنا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔“ آنحضرت ﷺ مال غنیمت کے فحش اور فحک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفہ سے فحک اور آنحضرت ﷺ کی دوسری متروکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن ”لانو رث ما نرکنا صدقۃ“ کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فحک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظار قائم نہ رکھ سکے، اور بارگاہ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لئے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہات نازک۔ ازواج و اولاد حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

فضل، عبد اللہ، عبید اللہ، عبد الرحمن، قشعم، معبد ام حبیبہ

ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں،

کثیر، تمام صفیہ، امیمہ

قیمری بیوی حلیلہ تھیں، ان بطن سے حارث تھے،

حضرت بلال بن رباحؓ

نام و نسب..... بلال نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی حنیفہ ان کے آقا تھے۔ اسلام..... حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسایہ قام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادی بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن..... محدود دے چند یزیدوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا، یہ سچ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت..... کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوئے، گونا گوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازو بچہ اطفال بنایا، لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا جل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابو جہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا، بلال! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی وہ بن مبارک سے یہی ”احد احد“ نکلتا تھا۔ ۱

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقہ ایجاد کیے تھے، وہ اس کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا ”تمہارا خدا لات اور عزئی ہے“، لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے ”احد احد“ کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔ ۲

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، کتابت ص ۱۶۶

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، کتابت ص ۱۶۵

۴۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶

آزادی..... حضرت بلالؓ ایک روز حسب معمول وادی بٹحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گزرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھرا آیا اور ایک گراں قدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا ”ابوبکر! تم مجھے اس میں شریک کر لو“، عرض کی ”یا رسول اللہ! میں آزاد کرا چکا ہوں“۔

ہجرت..... وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابورویحہؓ عبد اللہ ابن عبد الرحمنؓ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلالؓ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا ”بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟“ عرض کی ”ابورویحہؓ کیونکہ رسول ﷺ نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔“

موذن..... مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز منجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و بالا دلکش تھی، ان کی ایک صدا تو حید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شہستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارنگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حسی علی الصلوٰۃ حسی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ! یعنی یا رسول اللہ! نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگانِ تو حید کو بارگاہ ذوالجلال والا کرام میں سر بسجود ہونے کے لئے صف بصف کھڑا کر دیتی۔

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کی وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتومؓ دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا، جب لوگ ان سے کہتے کہ ”صبح ہو گئی“ تو اٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اس بنا پر رمضان میں حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا، کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الہی میں مصروف رہے ہیں، وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں

حیات بنالوں“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، بلال! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو، اس موثر فرمان نے حضرت بلالؓ کو عہد صدیقی کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی خلیفہ نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے، یہ حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہر کام رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے اسے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے ”گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الامامؓ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہنسی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوی کا نقشہ کھینچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔

شام میں توطن حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب سرزمین پسند آگئی تھی، انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہؓ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آکر آباد ہو گیا تھا، رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنماتی فرماتے ہوئے کہا ”ہم دونوں کا فریقہ، خدائے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے، اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہاری خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے، ورنہ کوئی شکایت نہیں“ اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی، انصارؓ نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں ”بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لئے وہ

۱۔ بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۱۶۹۔

۲۔ بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۱۶۹۔

۳۔ تاریخ طبری و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸۔

۴۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸۔

وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پر لطف افسانے یاد دلائے، عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے گوارا دہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنادیا، لیکن جب اشہد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا بڑا اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

وفات..... ۲۰ھ میں اس مخلص با وفائے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیر باد کہا، کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔ اخلاق..... محاسن اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایہ فضل و کمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ابو بکرؓ سیدنا و اعتق سیدنا یعنی، ابو بکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انہوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔

حبیبِ خدا ﷺ کی خدمت گزاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادمِ جانِ نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین و استقواء کے مواقع پر ہلم لے کر آگے آگے چلتے، ہم وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آ جاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برقی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا ”بلال! یہ کہاں سے؟“ عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں، وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا ”اف! اف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا (سود) ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔“

حضرت بلالؓ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے، اس سے

ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تو واضح و خاکساری ان کی فطرت میں داخل ہو، لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا، بے صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت محترم علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزمِ عم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلالؓ ہمارے پاس آ کر تصدیق کریں گے تو ہمیں خوشی منظور ہے، حضرت بلالؓ نے کہا ”صاحبو! میں بلالؓ بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو“ انہوں نے کہا ”بلالؓ! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں“۔ ۱۲

مذہبی زندگی حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خدا نہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملات دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے؟ عرض کی ”میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے“ نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ ۱۳

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے ”خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور“۔ ۱۴

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔ ۱۵

ازواج حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہات شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۱۶

۱۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

۱۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳

۱۴ اصابت تذکرہ بلالؓ بحوالہ بخاری

۱۵ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰

۱۶ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

۱۷ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۳

۱۸ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۳

حضرت جعفر طیارؓ

نام و نسب جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد المناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا شجرہ نسب یہ ہے، جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی البہاشی۔

آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔

اسلام آنحضرت ﷺ ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ صمدیت میں سر بسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا ”جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ“ حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت ﷺ کے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لئے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے اس وقت تک انہیں بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ہجرت حبش مشرکین مکہ کی تم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ”ہماری قوم کے چندنا سمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروے حکومت میں چلے آئے ہیں، انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں“ درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ ”وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لئے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟“۔

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش میں اسلام پر تقریر مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر کی ”بادشاہ سلامت!

ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، برشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھانا، غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانتداری اور پاکبازی سے اچھی طرح سے آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایوں اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داع نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑ دیا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرست اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی خدمت میں چلے آئے۔

نجاشی نے کہا ”تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اسکو کہیں سے پڑھ کر سناؤ“ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، اس نے کہا ”خدا کی قسم! یہ اور تو رات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا ”واللہ! میں انکو کبھی واپس جانے نہ دوں گا۔“

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کی ”حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے“ نجاشی نے جواب دینے کے لئے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا ”حضرت عیسیٰ کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟“ حضرت جعفرؓ نے کہا ”ہم ان کو خدا کا بندہ، پیغمبر اور اس کی روح مانتے ہیں“ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا ”واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے نہایت براہم ہوئے، ہتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں، آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی۔

حبش سے مدینہ..... حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منارہے تھے، کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی

حاصل ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا ”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوگی یا خیر کی فتح سے۔“

حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گزر نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آگیا۔ غزوہ موتہ..... جمادی الاول ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کر کے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے۔ چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع شرف امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ! میرا بھی یہ خیال نہ تھا کہ آپؐ زید کو مجھ پر امیر بنائیں گے“ ارشاد ہوا ”اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے“۔ ۳ آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے، اس لئے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ عم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ ان کی جگہ لیں۔ ۴

شہادت..... موتہ پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیان دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ نڈی دل لشکر تھا، امیر فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور عم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے زرعہ تھا، تیغ و تبر، تیرو سنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگو نہ ہونے نہ دیا، یہ بالآخر شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچالائے۔ ۵

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔ ۶

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال..... میدان جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپؐ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرمادیا، اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ ۷

- ۱ طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اول ص ۱۲۰ مختصر ابنی ریحی ذکر غزوہ خیبر میں ہے
۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ موتہ،
۳ طبقات ابن سعد حصہ ۴ مغازی غزوہ موتہ،
۴ طبقات ابن سعد حصہ ۴ مغازی، ۲۱ ص،
۵ بخاری باب غزوہ موتہ،
۶ طبقات ابن سعد قسم اول ص ۳۳،
۷ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸،
۸ بخاری باب غزوہ موتہ،
۹ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ بچوں کو لاؤ، میں نے ان کو حاضر خدمت کیا تو آپؐ نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟ فرمایا ہاں! وہ شہید ہو گئے، یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی، محلہ کی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لے گئے، اور ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ آل جعفرؓ کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سن کر دیدہ تر و اعماء! و اعماء! کہتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بے شک! جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے، آپؐ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ ”خدا نے جعفرؓ کو دو کئے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کیے ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں، چنانچہ ذوالجناحین اور طیاران کا لقب ہو گیا۔

فضائل و محاسن..... حضرت جعفرؓ کشادہ دست و فیاض تھے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لا کر رکھ دیتے تھے، یہاں تک بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے تھے اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔ ۳

حضرت جعفرؓ کے فضائل و مناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے، کہ ”جعفرؓ! تم میری صورت و سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو“، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، ”مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں ان کو سات رفیق دیئے گئے تھے، لیکن میرے رفقاء خاص کی تعداد چودہ ہے۔ ان میں سے ایک جعفرؓ بھی ہیں“۔ حضرت ابو ہریرہؓ

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

۲۔ صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

۴۔ صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ

۵۔ جامع ترمذی مناقب اہل بیت

فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفرؓ سب سے افضل ہیں“۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے ”السلام علیک یا ابن ذی الجناحین“۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیے نہ رہتے۔

ازواج و اولاد..... بیویوں کی صحیح تعداد نہیں معلوم، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے، عبداللہ، محمد اور عوف، ان میں صرف عبداللہ سے نسل چلی۔

حضرت زید بن حارثہؓ

نام و نسب زید نام، ابو اسامہ کنیت، حب رسول اللہ ﷺ لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شریحیل بن کعب ابن عبد العزی بن امراء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید الملائک بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

ابتدائی حالات گزشتہ بالانسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے، جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی، وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں، اسی اثناء میں بنو قین کے سوار جو غار نگری سے واپس آرہے تھے اس نو نہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور دو عالم ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا، جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شاہنشاہیاں قربان ہیں۔

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شریحیل کو قدرۃً اپنے لخت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیل اشک بہائے، دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج و الم کا نقشہ کھینچا۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل

احی فیہر جی ام اتی دونہ الا جل

میں نے زید پر گریہ و زاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا، آیا زندہ

ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی۔

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا

اغالک سہل الارض ام غالک لہجیل

خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ ”کیا تجھے نرم زمین نکل گئی
یا پہاڑ کھائیا؟“

فَالَيْتَ شَعْرِي هَلْ لَكَ الدَّهْرُ رَجْعَةً
فَحَسْبِي مِنَ الدُّنْيَا رَجُوعٌ لِي بِحُلِّ
كَاشِ اَمِنْ جَانَتَاكَ اَيَا تِيرَا اَنَا كَبْهِي مَكْنُ بِي؟ پَسْ تِيرَا اَدَا لِي اَنَا مِي رِي
لِي دُنْيَا مِي كَافِي بِي۔

تَذَكِّرُنِي الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوعِهَا
وَتُعْرِضُ ذِكْرَاهُ اِذَا قَارَبَ الطُّفْلُ
اَقْرَبَ اَيْ طُلُوعِ بُونِي كِي دَقَّتْ اَسْ كُو يَدُو اَنَا بِي، اَوْرِ بِي غُرُوبِ كَا
دَقَّتْ قَرِيبَ اَجَاتَا بِي اَسْ كِي يَادُو بِي تَارُو كَرُو يَتَا بِي۔

وَ اِنْ هَبَّتِ الْاَرْوَاحُ هِجْرَهُ
فِيَا طَوَّلْ مَا حَزَنِي عَلَيْهِ وَيَا وَجِلْ
بَادِ بَهَارِي كِي لِي اَسْ كِي يَادُو كُو بَرَا بِي خُتْ كَرُو يَتِي بِي، اَوْدَا مَجْهِي اَسْ پَرِ كَسْ قَدَرِ
شَدِيدِ رُخْ وَالْمِ بِي۔

سَاعِلْ نَصَ الْعِيشِ فِي الْاَرْضِ جَاهِدَا
وَالَا اَسَامَ التَّطَوُّافِ اَوْ نَسَامَ الْاَبَلِ
مَنْقَرِبِ مِي اَوْنَتِ كِي طَرَحِ چَلِ كَرِ تَمَامِ دُنْيَا چِھَانِ مَارُوں گَا، مِي اَسْ اَوَارِہ
نَرُوں تے اِنِی زَنْدُگِی بَھَرِ نِہیں تَھَنُوں گَا یہاں تَکْ کَ اَوْنَتِ تَھَکْ جَاے گَا۔

حَيَاتِي اَوْ تَاتِي عَلَيَّ مَنِيَّتِي
وَكُلْ اَمْرُ فَنَانِ وَ اِنْ غَرَدَ الْاَمَلِ
يَا مَجْهِي پَرِ مَوْتِ آجَاے..... مَرِ آدُکِی قَانِ بِي، اَلْبَرِ چِھَرَا بَا اَمِيْدَا تے دُھوکَا دِے۔
رَا وَصِي بِي قِيْبَا رَا عَمْرَا کَلِيْھَمَا
اَوْصِي يَزِيدُ السَّمِ مِنْ بَعْدِهِمْ جَلِ
مِي قِيْسِ رُو عَمْرُو دُونُوں کُو اَسْ كِي جِستُو کی وصیت کرتا ہوں، اَوْرِ يَزِيدُ کُو پَھَرَا اِنِ کَ
بَعْدِ جَلِ کُو وصیت کرتا ہوں۔

جبل سے مراد جبلہ بن حارث ہیں، جو حضرت زیدؑ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے
اخیاں بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مدینہ آئے تو انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرا نے غم کہہ سنایا، بولے یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنادینا

احسن الی قوم سی وان کنت فانیا

بانی قطن البیت عند المشاعر

”میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں مگر ان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام

کے قریب رہتا ہوں۔“

فکفوا من الوجد الذی قد شما کم

ولا تعملوا فی الارض نص الا ساعر

”اس لئے اس غم سے باز آ جاؤ، جس نے تم کو ہمدرد بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی

طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔“

فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ

کدام معد کا بر بعد کا بر

”الحمد للہ کہ میں نبی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشہنا

پشت سے معزز ہے۔“

بنی کلب کے زائرین نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفور یاس نے پک پک یقین نہ ہونے دیا، ”بولے رب کعبہ کی قسم! کیا میرا ہی نور نظر تھا؟ ان لوگوں نے جب تفصیل کی ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کیے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شریل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی ”اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا دیتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بنا دو، زرفدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں“ ارشاد ہوا ”وہ کون ہے“ بولے ”زید بن حارثہ“ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا ”کیا اس کے سوا تمہاری کوئی اور حاجت نہیں؟“ عرض کی ”نہیں“ فرمایا ”بہتر زید کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے، اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں“ حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضا مندی ظاہر کی ”حضرت زید بلائے گئے،

آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا ”تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟“ عرض کی ”ہاں! یہ میرے والد اور چچا ہیں“ آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا ”میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو“ حضرت زیدؓ کو شہنشاہ کونین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدا ہا آزادیاں نثار تھیں بولے ”میں ایسا نہیں ہوں جو حضورؐ پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ہی میرے ماں باپ ہیں“ حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا، تعجب سے بولے ”زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو، فرمایا ”ہاں! مجھے اس ذات پاک میں ایسے محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا۔“

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دہلی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ ”زید آج سے میرا فرزند ہے میں اس کا وارث ہوں گا، وہ میرا وارث ہوگا“ اس اعلان سے ان کے چچا اور باپ کے افسردہ دل گل شکفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارہ نہ تھی تاہم اپنے لخت جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوش عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور اتمان و مسرت کے ساتھ واپس گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ ”آنحضرت ﷺ ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبان زد عام و خاص ہوئے، یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔“

اسلام آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتداء ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، متحققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے بھائی چارہ کر دیا، ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔
شادی حضرت ام ایمنؓ آنحضرت ﷺ کی آیا اور کنیز تھیں، آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ان سے نکاح کر لیا،

چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔

ہجرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی طرح یہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن خضیر انصاری جو قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر آپ نے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرمادیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرہ افتخار تھا جو حضرت زیدؓ کے دستار فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ بیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زیدؓ نے دربار نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا ”جب تک خدا کی طرف سے کچھ نہ آئے کچھ نہیں کر سکتی“، چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المؤمنین میں داخل کر دیا۔

فلما قضی زید منها وطرا رزونا کھا،

”جب زیدؓ نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا۔“

حضرت زیدؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کے متغنی اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے اس لئے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے ”محمد ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زیدؓ کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا۔

ما کان محمد اباء احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین

”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور

انبیاء کی مہر ہیں۔“

اور مسلمانوں کو حکم ہوا۔

ادعوہم لا بانہم ہو افسط عند اللہ .

”لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین

انصاف ہے۔“

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارث کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔^۱
غزوات..... حضرت زیدؓ تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر
صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، معرکہ بدر سے غزوہ موتہ تک جس قدر اہم و
خونریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک کارزار ہوئے، غزوہ
مرسیع میں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لئے اس مہم میں
حصہ نہ لے سکے۔^۲

متفرق کارنامے..... مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کے سپہ
سالاری میں سر ہوئیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زیدؓ شریک ہوتے تھے،
اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا،^۳ اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے، ان
مہمات میں سے پہلی مہم سریہ قرہ تھی جس میں انہوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست
دی، اور بہت سے اونٹ مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان بجلی کو گرفتار کر کے
لائے۔^۴

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کو سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جوم میں مسکن گزین تھے،
اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی
پکڑ کر لائے۔^۵

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آ رہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ
ایک سو ستر سواروں کو ساتھ لے کر ایک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع
سامان گرفتار کر لائے، مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے
لئے شام سے آ رہا تھا، قیدیوں میں ابوالعباس بن الربیع آنحضرت ﷺ کے داماد بھی تھے، جنہوں
نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے
مخلصی پائی۔^۶

اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ
غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا،^۷ اس کے بعد مقام حمی پر فوج کشی ہوئی، پانچ سو جانباز
مجاہدان کے زیرِ کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے

۱ بخاری کتاب النبیؐ، ۲ طبقات ابن سعد حصہ غزوات

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث ص ۳۱

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث ص ۳۱

۵ طبقات حصہ غزوات باب ۲۱۰ قرہ ص ۲۴

۶ طبقات حصہ غزوات باب ۲۱۰ قرہ ص ۲۴

۷ طبقات حصہ غزوات باب ۲۱۰ قرہ ص ۲۴

تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے، قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکا یک غنیم پر جا پڑے، ہر اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت وحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، نہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیٹر بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کیے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دورانہیشی سے پہلے ہی پہنچ کر اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گئے، اور مال غنیمت واپس کر دیا گیا، پھر اسی سال ماہ ربیع میں وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروان تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامان تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادی قری کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کے ایک رہزن و غارت پیشہ جماعت کے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویان تو حید کو سخت اذیتیں پہنچائیں، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربار نبوت میں اس واقعہ کو اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے، اس لئے حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، انہوں نے آستانہ نبوت پر پہنچ کر دستک دی تو آنحضرت ﷺ جس حالت میں تھے اسی حالت میں باہر تشریف لے آئے، اور جوش مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور دیر تک منغل کیفیت دریافت فرماتے رہے۔

مہم موتہ اور شہادت موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا، حضرت حارث بن عسیر ازدیؓ کو شاہ بصری کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے، اسی مقام پر شرییل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ دربار رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی، آنحضرت ﷺ نے ان کے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو لوئے قیادت (جھنڈا، علم) عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے، حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزاں ہوگا اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ! میرا بھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زیدؓ کو مجھ پر امیر

بنائیں گے، ارشاد ہوا ”اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟“
جمادی الاولیٰ ۸ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، اس لئے ایک لاکھ کانڈی دل لشکر امنڈ آیا تھا، لیکن حضرت زیدؓ نے اس کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پادشمن کی صف میں گھس گئے، ان کے اتباع میں دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلہ کر دیا، ویر تک گھمسان کی جنگ رہی، اس حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الامام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید کو شہید کیا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل حق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالدؓ سیف اللہ نے علم ہاتھ میں لیا اور غازیان دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔

آنحضرت ﷺ نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امرائے فوج کی خبر شہادت سنادی اور فوراً غم سے آبدیدہ ہو گئے، حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے، اور اس قدر روئے کہ گلو گرفت ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! یہ کیا ہے“ فرمایا ”یہ جذبہ محبت ہے“۔
انتقام..... حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے محبوب و وفا شعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، جتہ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لئے بعض نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو، خدا کی قسم! زیدؓ سردار امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہؓ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے،“۔

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہیں ہوئی تھی، کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا، لیکن خلیفہ اول نے ہجوم مصائب و صعوبات گوناگوں کے باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدر شفیق کے قانکوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اخلاق..... حضرت زیدؓ کے صحیفہ اخلاق میں وفا شعار کا باب سب سے نمایاں ہے، گزشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پر لطف مقصد حیات تھا حضرت ام ایمنؓ کو ایک معمر عورت تھیں، تاہم انہوں نے محض اس لئے ان سے نکاح کر لیا، آنحضرت ﷺ ان کو

بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے،

حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحش کے پاس (جن کو انہوں نے ناموافقت کے باعث طلاق دے دی تھی) آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منہ پھیر کر کہا،

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ و محاسن جمیلہ ہی تھے جس نے انکو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہؓ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے ”اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے،“

حلیہ اور عمر..... حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۵۴ یا ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی۔

ازواج..... مختلف اوقات میں متعدد دشایاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں:-
ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ امہات المؤمنین میں شامل کی گئیں،
اولاد..... دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی، لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا موخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغ مفارقت دیا۔

۱۔ مسلم باب زواج زینب بنت جحش

۲۔ بخاری ذرا سامہ بن زید

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ زید بن زید

۱۔ طبقات ابن سعد تذکرہ ام ایمن،

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ۳۱،

۳۔ اصحابہ تذکرہ زید بن زید

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۰

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہؓ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی البہاشمی۔
آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں پیدا ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباسؓ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔

اسلام حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعی تو حید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یوم ولادت ہی سے تو حید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃ ایک پر جوش مسلم ثابت ہوئے امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:

كان ابن عباس مع امه من المستضعفين وكن مع ابيه على دين قومه وقال الاسلام يعلو ولا يعلى

”حضرت ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعیفانے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سر بلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے ”الاستضعفين من الرجال والنساء والولدان“ تو فرماتے تھے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے، ۳

اسد الغلبۃ ذکرہ عبداللہ بن عباسؓ

۳ بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰ ۳ بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰

ہجرت حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انہوں نے واپس آ کر بیان کیا ”میں نے رسول اللہؐ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا تھا، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟“ حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، ”اے خدا! اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلے“ ۱

عہد طفولیت و مصاحبت رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فطرۃ ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہؐ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایادہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہؐ کو پیچھے آتے ہوئے، دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازے میں چھپ گیا، لیکن آپؐ نے آ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ”جامعاویہؓ کو بلا لا“ وہ آنحضرتؐ کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور ”کہا چلیے رسولؐ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے“ ۲

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہؐ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت میمونہؓ) کے پاس سو رہا تھا، آنحضرتؐ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپؐ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا، ۳

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گزاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہؐ نماز کے لئے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھ دیا، آپؐ نے وضو فرما کر پوچھا ”پانی کون لا پاتا تھا؟“ حضرت میمونہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرتؐ نے خوش ہو کر دعا میں دیں اور فرمایا ”اللہم فقہہ فی الدین و علمہ التاویل“ یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا، ۴

۱۲ اصابت تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ

۳ بخاری جلد ۱ ص ۹۷

۱۱ اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ

۲ مسند جلد ۱ ص ۲۹۱

۴ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۲۸، مستدرک جلد ۳ ص ۵۳۳

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ جیس جیس میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا، تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کی ”یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے از و یاد علم و فہم کی دعا فرمائی۔

خلفائے راشدینؓ کا عہد..... حضرت عبداللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرور کائنات ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفہ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سن شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جو ہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا، اور ان کا برصاحبہ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے“۔

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں، ”کان عمر یحب ابن عباس و یقر بہ“ یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے، اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے ”علم عمر کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ“۔ حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے، اور ان کی فطری ذہانت و طبائی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشا اللہ علم و فضل کے بیان میں اسکی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے زیر اہتمام ۳۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع میں جریر شاہ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت و طبائی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا ”میں خیال کرتا ہوں کہ آپ جریر عرب (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں“۔

امارت حج چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا ”خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو، اس لئے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں“

حضرت عبداللہؓ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفہ ثالثؓ شہید ہو چکے تھے، اور حضرت علیؓ کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علیؓ: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: یہ ضروری ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خون ناحق کا اہتمام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض المدینہ کے اتفاق عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی اُلم و نسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے مشورہ دیا کہ مردست موجودہ عمال و حکام برقرار رکھے جائیں، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا ”امیر المؤمنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا۔“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تازمگئے اور بولے، میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

حضرت علیؓ: خیر خواہی کیا تھی؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دیندار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پرداز کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفہ ثالثؓ کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

حضرت علیؓ: اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بد اعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں گا، خدا کی قسم! میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی

جاگیر پر منبع چلے جائے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم! اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علیؓ: اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہؓ کو برقرار رکھ کر اپنا طر فندار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا ”خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا“!

غرض اس تشدد آمیز طرز عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت عائشہؓ نے مطالبہ اصلاح و انتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگِ جمل..... حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوج گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیان اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لئے طاقین نے مدینہ ان فوجی قور میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیان عرش خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

ولایت بصرہ..... بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیادان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

معرکہ صفین..... جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکہ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدان جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا، چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیان خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اس دامِ تزدیر سے

محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوت قرآن کی تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ٹالشی اور اس کا حشر..... غرض جنگ ملتوی ہو گئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے، لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا ”آپ اور عبداللہ بن عباسؓ ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے۔“

دونوں فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لئے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کے جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نکران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طبیعت و سادہ مزاج تھے، وہ جب تخیل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ لیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں،“ ”بولے“ ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں“ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر کھڑے ہو کر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا۔

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا، وہ نہایت صحیح ثابت ہوا عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہو کر کہا! بے شک علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا، میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھ کر مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے، غرض اس ٹالشی نے ہمتی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان و انصار میں تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی اس کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم

اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں،

حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ایک ضلالت دور کر دیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لئے ارشاد ہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

معمر کہ نہروان..... خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علیؑ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشوں کا حال سکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام خیلہ میں افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے،

ایران کی حکومت..... جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان و ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی، اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادہ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور غمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علیؑ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا حضرت عبداللہ نے کہا، ”میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں“، چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لئے حضرت علیؑ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنادیا۔

بغاوت کا استیصال..... حضرت عبداللہ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن و سکون پیدا کر دیا۔

مکہ میں عزلت نشینی..... ایک روایت کے مطابق ۳۷ھ یعنی حضرت علیؑ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوالاسود دؤلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھے، ابوالاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے بیت المال میں تصرف بے جا کیا ہے، حضرت علیؑ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا۔

ان الذی بلغک باطل و انی لما تحت یدی ضابط قائم لہ ولہ

حافظ فلا تصدق الظنون.

”آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا

محافظ و نگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو یاد نہ فرمائیں۔“

حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا،

حضرت عبداللہ عباسؓ کو یہ ناکوار گزارا، انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا

فیمت تعظیمک مر رافہ ما بلغک انی ذواتہ من مال اہل ہذا

البلد فابعث الی عملک من احببت فانی طاعن منہ و السلام۔

”میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں اس شہر والوں کے مال میں

کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو

چاہیے بھیج دیئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔“

ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ

ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے،

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؑ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر

مامور تھے، البتہ جب حضرت امام حسینؑ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کی سلسلہ جنابی شروع ہوئی

تو انہوں نے بطور حفظ و انتظام پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ

جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت امام حسینؑ کو کوفہ جانے سے منع کرنا ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کے بعد جب

یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعان علی مرتضیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس انقلاب

سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے

عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فیوں کے غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لئے

انہوں نے حضرت حسینؑ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا۔

عبداللہ بن عباسؓ: اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا،

اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہیں، تم

ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہیں مقیم رہنا

زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں، تو ان کو لکھو کہ وہ

پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو،

وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی

خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلات و مکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اسی طرح زیادہ آسانی و اطمینان کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا،

حضرت حسینؑ :- اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آ
مہربان ہیں، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور میں نے وہاں جا
حضرت عبداللہ بن عباسؑ :- اگر تم جاتے ہو تو خدا را بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا الی
قسم! مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح (حضرت عثمانؓ) اپنی عورتوں
اور بچوں کے سامنے ذبح کئے گئے۔

لیکن مشیت الہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے ضد و اصرا کے باوجود حضرت امام حسنؑ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کربلا نے وہ خونین منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے، لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ و تار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ شاید اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار..... اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انہوں نے ان سے بیعت کے لئے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلادینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابو طفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار بانٹاروں کی ایک جماعت لے کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے، مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے غلافِ ععبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے ارد گرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا "اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الہی کو نجات دیں" بولے "نہیں یہ حرم ہے! یہاں کشت و خون جائز نہیں، تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ”کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟“ بولے معاذ اللہ! حرم میں

خونریزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیر کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم! بھی ایسی جرات نہ کروں گا، میں نے کہا ”لوگ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟“ فرمایا ”کیوں نہیں! ان کے والد زبیر ثواری رسول تھے، ان کے نانا، ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے رفیق غار تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ، ام المؤمنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم تھیں، اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاک باز مومن اور قاری قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی۔

طائف منتقل ہونا..... لیکن دلی ہمدردی اور جانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہوئی تھی، اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوئی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات..... ۶۸ھ میں یہاں نہ حیات لبریز ہو گیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے ارد گرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا، بولے ”میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑ دوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مشرف و مقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو۔“ غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے نفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا ”خدا کی قسم! آج دنیا سے حیر امت اٹھ گیا۔“ غیب سے ندا آئی

يا ايها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية (فجر)
”یعنی اے نفس مطمئن! اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ“

علم و فضل

فضل و کمال کے اعتبار سے حضرت ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔ تفسیر..... بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تادل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شان نزول اور نسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ ”عبداللہ بن عباسؓ قرآن

کے کیا اچھے ترجمان ہیں، "اشقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک تھے، اور قرآن پاک کی فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہؓ کا مجمع تھا، ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا۔

ایو دا حد کم ان نکون له جنة من نخيل و اعناب تجرى من
نحتها الانهر له فيها من كل الثمرات و اصابه الکبر و له ذرية ضعفاء
فاصابها اعصار فيه نار فاحترقت کذا لک بین اللہ لکم الايت
لعلکم تتقون

"کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا تجور اور انگور کا ایک باغ ہے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا گولہ آیا جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم بچو۔"

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، حضرت ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہاں اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گویا تھا، تاہم نا کافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے سات مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں؟ فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو؟ اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور

لوگوں سے پوچھا کہ

اذا جاء نصر الله والفتح الخ (نصر)

”جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرنا۔“

کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے، اور حقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایقانے عہد پر حمد و ثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت محرم، اسرار نبوت، ثانی اثین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہو گئی، کہ اس کی صبح وصل کا نور چھٹتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی،

بظاہر اس سورہ کا آنحضرت ﷺ کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اسکے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت ﷺ دین الہی کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا جو حق درجہ حق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تمہید و تقدس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں ہمیشہ عام، جامع اور قرین عقل شن کو اختیار کرتے تھے، سورہ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اہل صحابہؓ کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا ”جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟“ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا کہ خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بیشمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے

گئی، مع حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ "خیر کثیر" حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیہ الہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت آ جاتی ہے، اور قرآن پاک کے سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یا ایہا الکافرون) اور فتح و نصر (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے۔

قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربی (شوری ۳)
 "کہہ دو اے محمد (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا،

صرف قرابت داری کی محبت ٹھوکر رکھو"۔

عام مفسرین "قربی" سے مراد خاص آنحضرت ﷺ کے اہل بیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودة فی القربی کی تفسیر پوچھی، سعید بن جیر بولے اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں،
 تفسیر قرآن ورفہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شان نزول اور تاسخ و منسوخ کے بارے میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مالہ و ماعلیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

لا تقولوا لمن اٰلہی الیکم المسلم لست مومننا (نساء ۱۳)

"اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے، اس کو تم خواہ مخواہ

نہ کہو تو مسلمان نہیں ہے"۔

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنون احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مال غنیمت لئے ہوئے تھے، مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا، اور مال غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔
 اسی طریقہ اس آیت،

ولقد علمنا المستقد منکم و لقد علمنا المستاخیرین

"ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر ٹھہرے ہوتے ہیں جان

لیا ہے اور ان کو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں،
 کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی،
 بعض متطہ اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے
 پیچھے رہتے تھے، اور رکوع میں بغل کے راستہ میں نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت
 نازل ہوئی،

قرآن مجید کا یہ حکم:-

لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا و يحبون ان يحمدوا و ايمالم يفعلوا فلا
 تحسبنهم بمفازة من العذاب و لهم عذاب الیم (آل عمران ۱۹)
 ”اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں، اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف
 چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں
 گے، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے
 اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے
 زیادہ وہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس تہدید کی حکم کے استفسار کے لئے مروان نے اپنے
 دربان کو عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ ہم میں سے کون ایسا ہے، جس
 کے دل میں یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے؟ حضرت ابن
 عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے
 بارہ میں نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت

واذ اخذ الله ميثاق الذين اتوا الكتاب لئن كتبتم للانس (آل عمران ۱۹)
 ”جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے وہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں
 کو کھول کھول کے سنائیں گے۔“

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو وہ حکم ملا تھا، مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک
 مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انہوں نے اصل جواب جو ان
 کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشا، دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت ﷺ پر ظاہر
 کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت ﷺ سے خوشنودی کے طالب
 ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں و فرحاں ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے
 کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے

اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست طبائی، دقیقہ منی، اور قوت استنباط کا اندازہ ہوگا ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے؟ عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لئے تم کو بلایا تھا، کہا اپنی ذاتی رائے دوں گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں؟ کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ سات آسمان، سات زمین ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں ۱۔ غلہ، ۲۔ انگور، ۳۔ شاخ، ۴۔ زیتون، ۵۔ جھور کے درخت گنجان باغ اور میوے اگائے، یہ بھی سات باتیں ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گزرے ہوئے، جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے، یہ جواب کیوں نہ دیا، گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی سات کی تعین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں، سمجھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس و فہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی..... لیکن ابن عباسؓ نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہؓ کی اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی مہارت تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت کا کائنات ففققہا کا مطلب پوچھا، انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ، اس نے جا کر پوچھا، انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فقق یہ ہے کہ پانی برسائے زمین کا فقق یہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آ کر یہ جواب حضرت ابن عمرؓ کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے، حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباسؓ کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرؓ بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انہوں نے کہا ابن عباسؓ سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ

باقی رہ گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے تھے۔ یہ علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباسؓ اس بحرِ زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام نسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے، کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گزر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا کہ نسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں؟ فرمایا، تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا؟

گو حضرت ابن عباسؓ قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لئے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے، کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوئی اور ہر کس و نا کس نیم قرآن کا دھمی ہو جائے گا تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا، ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمرؓ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن.... مقرر کر دیئے تھے، وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں، ایک دن ابن عباسؓ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا، حضرت عمرؓ نے یہ معزہ سن کر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباسؓ بولے کہ اب ان میں اختلاف کا ختم پڑ گیا، حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے، لیکن حضرت عمرؓ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیج کر ان کو بلا بھیجا، انہوں نے عذر کر دیا، دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی، انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں بھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کروں گا، حضرت عمرؓ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلو کر رہوں گا، اس اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے، کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا؟ اس پر میں نے کہا کہ ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا؟ انہوں نے سورہ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

و من الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو الد الخصام ، و اذا تولي سعى في الارض ليفسد فيها و يهلك الحرث و النسل و الله لا يحب الفساد و اذا قيل له اتق الله اخذته العزة با لا ثم فحسه جهنم و ليس المهاد ، و من الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله و الله رءوف العباد (بقرہ ۲۵۷)

اے محمد! لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ

دشمنوں میں بڑا جھگڑا ہو رہا ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھر سے تباہی مچے گی اس میں قسار پھیلانے اور کھیتی اور کس کو تباہ کرنے اور اللہ کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزت نفس نہ ہو پر آمادہ کرے، ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔

یہ آیتیں سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم نے سچ کہا۔

حدیث..... حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں، اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے ان میں ۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں، اور ۴۹ میں مسلم۔

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں برکت خود زبان وحی والہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۵، ۱۴ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے، ان کے ذوق علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں، انھوں نے کہا ابن عباسؓ مجھ کو تم پر حیرت ہوئی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارا محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے..... اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکلتا اور کہتا کہ تم نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا..... ابن عمر رسول ﷺ! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، کیسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دن جن جن کر خرمن علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل و کمال کا جرحہ زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ ”ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقل مند تھے۔“

ابوسلمہؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کہتے تھے، کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلا کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا، حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔

حضرت ابورافعؓ آنحضرت ﷺ کے غلام تھے، اس لئے ان کو آنحضرت ﷺ کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا، ابورافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔

اس تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبویؐ کا سب سے بڑا حافظ بنادیا تھا، اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ ان سے کہیں زیادہ تھے، ان کا مقابلہ میں اپنے قصور علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاریؓ کا تب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، زید بن ثابتؓ نے کہا یہ فتویٰ زردیا کرو، انہوں نے کہا میں تو یہی دوں گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاریؓ سے یہ جا کر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں، حضرت زید بن ثابتؓ نے جا کر پوچھا تو ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نکلا، چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسوز بن مخرمہؓ میں محرم کے سر دھونے کے بارے میں اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے، اس پر عبد اللہ بن عباسؓ نے عبد اللہ بن حنینؓ کو حضرت ابویوب انصاریؓ کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے، عبد اللہ نے سلام کیا، انہوں نے پوچھا کون ہو؟ کہا میں ہوں، عبد اللہ بن حنینؓ، ابن عباسؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ احرام کی حالت میں کس طرح سر دھوتے تھے؟ ابویوبؓ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔

جب صحابہ کرامؓ میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ میں کہ آنحضرت ﷺ نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہؓ میں بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ابو العیاسؓ مجھ کو حیرت ہوتی ہے، کہ آنحضرت ﷺ کے اصحابؓ میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، انہوں نے کہا میری معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لیلیک کہنا شروع

کیا، جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب، اور جب بلند مقام پر چڑھے تب، دونوں مرتبہ لبیک کہنا،

روایتوں میں احتیاط عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا الحاظ رکھتے تھے، کہ کوئی غلط روایت آنحضرت ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے تھے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے، کہ ہم اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کی ہیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا، لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ، اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت ﷺ کا نام نہ لیتے تھے، یہ کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس حضرت ابن عباسؓ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلبہ گار روزانہ ان کے خرم کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لئے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالحؓ تابعی بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے ابن عباسؓ کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی ہے اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اثر و دام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں جا کر اس اثر و دام کی اطلاع تو مجھ سے پانی مانگا، میں لایا، انہوں

نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کا جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے، پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اسکے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ دے کر فارغ ہوئے، تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعرو شاعری اور ادب و انشاء کے سائلوں کو بلاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، وہ لوگ آئے ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کیے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی،

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبداللہ بن شفیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور تارے نکل آئے لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لا ام لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبداللہ بن شفیق کے دل میں یہ بات چھلکتی رہی، انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہاں صحیح ہے،

حضرت کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے، اس وقت بھی انکی قیام گاہ طالبان علم کی درس گاہ بن جاتی۔

ترجمان کا تقریر..... اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے انکی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔

تلامذہ..... ان کی اس فیض رسانی و علم و عرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجیوں میں عبد اللہ بن عبید اللہ، اور عبد اللہ بن معبد، اور عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ، ابوالطفیل، ابوامامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبد اللہ بن حارث، عبد اللہ بن عبد اللہ، عبد اللہ بن شداد، یزید بن اسلم، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، ابو جمرہ صبحی، ابو جحزہ لاحق بن حمید، ابو جہاء عطار دی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبید اللہ ابن عبد اللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس کرب، سعید بن جبیر، مجاہد عمرو بن دینار، ابوالجوزاء، اوس بن عبد اللہ ربیع، ابوالشعثا، جابر بن زید، بکر بن عبد اللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابوالجوریہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبد الرحمن بن عوف، رفیع ابوالعالیہ، مقسم، ابوصالح السمان سعد بن ہشام، سعید بن ابوالحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابوالحباب سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابوزمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، عامر الشعمی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن کعب، ابن مالک، عبد اللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبد الرحمن مطعم، عبد الرحمن بن وعل، العززی بن رفیع، عبد الرحمن بن عاصم، عبید اللہ بن ابی ثور، عبید اللہ بن یزید الملکی، علی بن ابی طلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح سلم القریری، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نصر بن انس، یحییٰ بن یحمر، ابوالہتیری الطائی، ابوالحسن الماعرج، یزید بن ہریر، ابو حمزہ قصاب، ابوالخزیر کلّی، ابو عمر البہرانی، ابوالسوق الناجی، ابوالنضر الاحمدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہ۔

فقہ و فرائض حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہیے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فتہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو بکر محمد موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پڑپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے۔

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے خوشہ چیں تھے، ایک فقیہ و مجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فیہما، ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی،

تو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے، مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ ”جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔“ ۱

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلادیا، ابن عباسؓ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ ”جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو“ یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے۔ ۲

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ۳

دیگر علوم..... ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گزرا چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعری و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن و سخن تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں۔

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى

واعمل فسكر الليل و اللیل عاکر

”جب رات کے آنے والے غم کسی جوان مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں

اور شب کے آخر حصہ میں تقرات اپنا عمل کرتے ہیں۔“

و باکرنی فی صاحبة لم یجد بها

سرای ولا من نکتة الدھر ناصر

”اور وہ صبح کو میرے پاس اس حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بد بختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔“

فرجت بمالی همه من مقامه

و زانکہ ہم طسروق مسام

”تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کی آنے والی تفکرات دور ہوتے ہیں۔“

و کسان له فضل علی بطنه

بی الخیرانی للذی ظن شاكر

”اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اس کا میں مشکور ہوتا ہوں۔“

شعر گوئی کے ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے، تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت حسینؓ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہؓ میں جو گفتگو ہوئی، وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے۔

معاویہ : اجرک اللہ ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی

معاویہ : ابوالعباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے۔

فقال ابن عباس : انا لله و انا الیه راجعون و غلبہ الیکاء فردہ ثم

قال لا یسد الله مکانہ حفر نک ولا یزید موتہ فی اجلک و الله

لقد اصبا بمن هو اعظم منه فقد فما صنیعا و الله بعدہ .

ابن عباس : ابن عباس نے انا لله و انا الیه راجعون پڑھا اور آنسو ضبط

کر کے بولے، خدا کی قسم! ان کی موت سے تمہاری قبر پر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی

موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا

صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔

معاویہ : کم کانت سنہ .

معاویہ : ان کی عمر کتنی تھی۔

ابن عباس: مولدہ اشہر من ان تتعرف سنہ
ابن عباس: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی
ضرورت نہیں۔

معاویہ: احسبہ ترک اولاداً صغاراً
معاویہ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے
ابن عباس: کان کانا صغیر افکسد ولن اختار اللہ لابی محمد ما
عندہ و قبضہ الی رحمۃ لقد ابقی اللہ ابا عبد اللہ و فی مثله الخلف
الصالح

ابن عباس: ہم سب چھوٹے تھے، پھر بڑے ہوئے، اگر خدا نے ابو محمد (حسن)
کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا اور ابھی اس نے ابو عبد اللہ (حسن) کو زندہ رکھا ہے اور
ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی، کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرجان نکل جاتا
تھا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے، ”ابن
عباس نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورہ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس
سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں سے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو
پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی،“ ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ
ایک شخص بولا کہ ابن عباس کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر
چوم لوں!“

حضرت ابن عباسؓ کی جامعیت..... اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا
ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہو گا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے
علوم میں کوئی ان کا ہسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی
اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے
زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب، اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے
، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن
فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے تھے، کسی دن مغازی کے واقعات کا
تذکرہ کرتے تھے، کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے تھے، کسی دن شعر و شاعری، کاچہ چاہوتا،
غرض ان کا چشمہ معرفت فیض ہر دن نئے رنگ سے اُبلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو

نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمال علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا تھا۔^۱ معاصرین کا اعتراف حضرت ابن عباسؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے انکے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نو جوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ ”میں نے ابن عباسؓ کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا تھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے ”طاؤس کہتے تھے، کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کے پانچ سو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا تھا“^۲ حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ میں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ یا جو اپنے ملکہ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ”ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنت نبویؐ کے مشابہ نہیں دیکھا۔“^۳

حضرت طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابوسلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیوں چمٹے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے تو آخر میں ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا،^۴ حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا،^۵ مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر (زبردست عالم) ہوگا،^۶ حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباسؓ اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلائے گئے۔^۷

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳، ۱۹۴۔

۲۔ یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہیں جلد ۱ ص ۳۸۴۔

۳۔ اصحابہ جلد ۴ ص ۹۲۔

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴۔

۵۔ مستدرک حاکم فضائل ابن عباسؓ

۶۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۹۸۔

معاصرین کی عزت..... اس ذاتی علم و فضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان سے نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے تو، ابن عباسؓ نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے، فرمایا، ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے، زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے۔

بدعت سے نفرت..... عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیاد وہیں اہل جانی ہے، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنیٰ افراط و تفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نو مسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضاء و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چکی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت اس کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ”میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزر ج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں،“ تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے ہمیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انہوں نے خدا کو شرکی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔

رسول ﷺ کی محبت..... حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شفیقتی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے یہ قرار ہو جاتے تھے، حضرت سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ”پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ“ اتنا کہنے پائے تھے، ابھی متبدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے، اور اس قدر رونے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ پر پڑے ان کی آنسوؤں سے تر ہو گئے، ہم لوگوں نے کہا ابو العباس! پنجشنبہ کے دن کیا خاص بات تھی؟ بولے اسی دن آنحضرت ﷺ کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپ نے فرمایا ”لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ، اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہڈیاں ہو گیا ہے، اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ کو اس کی حالت میں دے رہے ہیں، یا ہڈیاں ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس سے ہٹ

جاؤ میں جس حالت میں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے لے جانا چاہتے ہو؟^۱ رسول اللہ ﷺ کی خدمت..... ام المؤمنین حضرت میمونہؓ انکی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رو جاتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کا بھی انہیں موقع ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت ﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپ نے دعادی، ”خدا یا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا عمل عطا فرما“۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جائے ضرورت سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو ایک طشت میں پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے؟ ابن عباسؓ نے عرض کی میں نے فرمایا ”خدا یا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما“۔ کبھی کبھی آپ خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت ﷺ نے پشت سے آکر پکڑ لیا اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ حضرت معاویہؓ اس وقت آپ کا تب و جی تھے، ابن عباسؓ نے جا کر کہا کہ نبی ﷺ کو تمہاری ضرورت ہے، فوراً چلو،۔

رسول اللہ ﷺ کا احترام..... آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز پڑھنا شروع کی، ابن عباسؓ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ ”میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے؟“ عرض کی ”کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ..... رسول اللہ ﷺ کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، آنحضرت ﷺ اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم و فراست کی دعا فرمائی۔

امہات المؤمنینؓ کا احترام..... آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ وہ امہات المؤمنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب

حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام شرف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ”لوگو! یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نقش آہستہ اٹھاؤ ہٹنے نہ پائے“۔ یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المؤمنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بد مزگی ہو گئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی۔

حضرت ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت میں ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی میں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبد اللہ بن عبد الرحمن ان کے سر ہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں، عبد اللہ بن عبد الرحمن نے کہا، اماں! ابن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اجازت دیجئے فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلاؤ، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتی ہیں) حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا ”تم کو بھی بشارت ہو“ اس خوش آئند سلسلہ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ و احباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کے ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو عبد الرحمن کنیت، والد کا نام مسعود اور والد کا نام ام عبد تھا شجرہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن سحیح بن فار بن مخزوم بن صلبہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبداللہ بن حارث کے حلیف تھے ابتدائی حالات ایام جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا یہاں تک کہ شرفاء امراء کے بچے اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی و فاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔

مکہ میں جب دعوت توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درس گاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔

اسلام ایک روز آنحضرتؐ اپنے مولس و ہمدم حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان سے فرمایا ”صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ“ بولے ”میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے“ آنحضرتؐ نے فرمایا ”کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں“ عرض کی ہاں اور ایک بکری پیش کی، آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے تھن سے فرمایا ”خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی ”مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجئے“، آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا ”تم تعلیم یافتہ بچے ہو“ غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی اور ان کا شریک و ہمیم نہ تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہؐ

قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

غزوات حضرت عبداللہ بن مسعود تمام مشہور و اہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابو جہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ابو جہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعود گئے ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابو جہل تو ہی ہے۔

غزوہ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ میں بھی رسول ﷺ کے ہر کام میں تھے مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ میں غزوہ حنین پیش آیا، اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اسی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے ارد گرد پروانہ دار اپنی قدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ان ہی جانثاروں میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں ایک دفعہ زین سے جھکے، میں نے پکار کر کہا ”آپ سر بلند رہیں، خدا نے آپ کی رفعت عطا فرمائی ہے“ فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو میں نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں، پھر ارشاد ہوا مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟ میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں آواز دے کر بلاؤ میں نے چیخ کر پکارا تو یکا یک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلواریں نور ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دکھتا ہے، غرض گڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

جنگ یرموک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزت نشین رہے، لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں بھی ایجان پیدا کیا، ۱۵ھ میں گوشہ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدان یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرم پیکار ہو کر خوب داد شجاعت دی۔

عہدہ قضاء ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہدہ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور مالی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمان تقرر کی کے الفاظ یہ ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعود

۲۔ حد جلد اس ۲۵۳

۳۔ بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۷

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا و ابن مسعود معلما و زبرا
و قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انهما لمن النجباء من
اصحاب محمد من اهل بدر فاسمعوا لهما و اطيعوا و اقتدوا بهما و
قد اثر نکم یا بن ام عبد علی نفسی۔

”میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے،
ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ان ذی
عزت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکہ بدر میں شریک تھے اس لئے ان کو سمعاً
و طاعاً کہو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے ابن ام عبد اللہ بن
مسعود کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ
اپنے فرائض انجام دیے ہیں، اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گونا گوں انقلاب ہوئے
خلیفہ دوم نے وفات پائی، خلیفہ ثالثؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت
اہل کوفہ کی شکایت و احتجاج پر یکے بعد دیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی لیکن وہ جس
احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے
شکایت پیدا نہ ہوئی۔

فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو و درگزر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا،
لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم
ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگزر سے پیش آنا، درحقیقت نظام حکومت ارکان و
اساطین کو متزلزل کر دینا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود
قانون معدلت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو
شراب خوری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبد اللہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم
دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے
ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے اس کو حد شرعی کا
مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جواب ممکن نہیں اسلام میں سب سے پہلے
ایک عورت پر حد جاری ہو گئی تھی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا
حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض و چشم پوشی سے کام لینا چاہیے کیا تم اسے پسند نہیں
کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے۔“

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا

مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسلمان کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں، حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کر دیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا لیکن ان کے سرگردہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسلمان کذاب کی طرف سے رسول اللہؐ کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ تم مسلمان کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا ”ہاں“ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا“ اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے تو رسول اللہؐ کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا

حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت میں جب کوفہ سازش فتنہ پردازی اور بد امنی کا مرکز ہو گیا تو عہدہ قضا کے لحاظ سے قدرۃ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھا رہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا، چونکہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی، اس لئے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دوبارہ خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ و تعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے حضرت عبداللہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا ”صاحبو! صرف ٹمک و شبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لو مجرموں اور خطا کاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے“

اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب، خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخیل میں شراب پیتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ داری کے درپے نہیں ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ ”کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کون سا کام کرتا ہوں، یہ تو اس شخص سے کہا جاسکتا ہے جو مشکوک ہو“ غرض اسی سوال و جواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے۔

خزانہ کی افسری حضرت عبداللہ منصب قضا کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ عظمت، وسعت و کثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی

تنخواہیں مقرر تھیں، اور خراساں، ترکستان اور آرمینیا پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبیب بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت پیدا مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹکرا دیتے تھے، لیکن قوی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ احباب، افسر اور ولی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا ”اے آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے والے“

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لئے حضرت عبداللہ نے خوف زدہ ہو کر کہا ”دیکھو میرے لئے بددعا نہ کرنا“ بولے ”خدا کی قسم! اگر خوف خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے سخت بددعا کرتا“ حضرت عبداللہ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کا شانہ امارت سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ کی رپورٹ دربار خلافت میں پہنچی تو امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضگی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہؓ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہؓ بھی گو اس ناراضگی سے مستثنیٰ نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ معزولی..... حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازوں کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکا یک معزول کر دیئے گئے، ”معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین طلغہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل پر سخت ناراضگی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مصر ہوئے کہ ”آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولے ”امیر المؤمنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ و فساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔“

حضرت ابو ذرؓ کی تجہیز و تکفین..... جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجئے پوچھا کون؟ کہا ابو ذرؓ صحابی رسول ﷺ آپ فدیتہ بابی و امی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابو ذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و متقشف صحابی تھے، وہ دار الخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لئے اپنا آغوش شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابو ذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپس تھا، اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابو ذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کہ سپرد خاک کیا۔

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچ کر امیر المؤمنین کو حضرت ابو ذرؓ کی وفات کی اطلاع دی، اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزت نشینی و عبادت الہی میں بسر ہوں۔

علالت..... ۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے تجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گزشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا ﷺ ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں، اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے ”ابن مسعود! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ“ فرمایا کہ خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ”ہاں“ فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے“

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا، چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہو گئی، امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا، اس لئے وہ اس آخری لمحہ حیات میں غف خواہی و عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہؓ: اپنے گناہوں کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت عبداللہؓ: خدا کی رحمت۔

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب بلاؤں؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا۔

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کر دوں؟

اسناد احمد بن حنبل جلد ۱۶۵، اس روایت میں عبداللہؓ کے نام کے تصریح نہیں لیکن مستدرک حاکم میں صریحت

کے ساتھ نام موجود ہے

حضرت عبداللہؓ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمانؓ: آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔

حضرت عبداللہؓ: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟
میں نے انہیں حکم دیا کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا“۔

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو و خواہی کے صیقل نے دونوں کے آئینہ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔

وفات حضرت عبداللہؓ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد و نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر یا کم ۲۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ ۳ انا للہ وانا الیہ راجعون

علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابہ کرام میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام باہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درس گاہ سے نکال کر اپنے حلقہ تلمذ میں داخل کر لیا اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا۔
علم کا شوق حضرت عبداللہؓ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے“ بشارت ملی

انک غلام معلم

تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو

۱۔ یہ تمام تفصیل اسد الغابہ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۱۱۳

۴۔ مسند ابوداؤد و طیالسی و مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ و ابن سعد و لائل ابی نعیم و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر، حضر، غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبد کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں۔

رسالت مآب ﷺ کی خدمت و صحبت کا اثر..... حضرت عبد اللہ بن مسعود حضور پر نور ﷺ کے خادم خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گزاری کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہم دم و ہماراز بھی تھے مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے تھے بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے ان کو حضور کی بستر مسواک اور وضو کے پانے والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا۔ ۳

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے ہم نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے غرض اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ وہ خرم کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

قرآن..... قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ ”ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی اور الہام کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں، ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب اور کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ ”تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں“ شقیق اس جلسہ میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبد اللہ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

حضرت ابوانا حوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے، حضرت عبد اللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعود نے انکی طرف اشارہ کیا اور کہا ”میں نہیں جانتا کہ رسول ﷺ کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے“ ابو موسیٰ نے کہا ”کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر

رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں بار پاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو“ اور سب سے پہلے ابن ام عبدکامؓ لیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اور حضرت ابو مسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا ”کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔“

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی نا تجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابتؓ اس وقت لڑکے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور ﷺ نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھنا، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ۔ تفسیر..... قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث بھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا۔ حضرت عبداللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ان الذین یشترون بعہد اللہ و ایمانہم لئلا اولئک لا ۛخلاق

لہم فی الاخرۃ

بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل

کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ شرک پھر قتل اولاد پھر آپ نے

۱۔ اسم باب فضائل عبداللہ بن مسعودؓ

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۹۹، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶، ۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا“ اس حدیث کو بیان کر کے انھوں نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا
جو لوگ خدا کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہے، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

تفسیر بالرائے سے احتراز..... شخص اپنی رائے و قیاس سے آیت قرآنی کی تشریح و تفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالافتقار ناجائز ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم ناسی السماء بد خان مبین کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ ”قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے“، بولے ”دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوتی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے“۔

قرأت..... قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرأت میں ابن ام عبد اللہ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی پیروی کی جائے۔ ایک مرتبہ وہ نماز میں سورہ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ خیر الامم (نبی کریم) حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا۔

اسئل تعطہ اسئل تعطہ

(جو بچھ) سوال کر دو پورا کیا جائے گا (جو چھ) سوال کر دو پورا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ ”جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ

نازل ہوا ہے تو اس کو قرآن ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہیے۔

دوسرے روز حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ ”رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟“ بولے ”میں نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور غلہ بریں میں (حضرت محمد ﷺ) کی دائمی رفاقت نصیب ہو۔“

وہ تلاوت قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے تھے، بسا اوقات خود آنحضرت ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محفوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا ”کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں“ غرض میں نے عمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا ”فکیف اذا جننا من کل امة بشہید و جنابک علی ہذا لا شہید“ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

روایت میں خوف اور احتیاط حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بارگاہ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی صحبت میں کمال ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آگیا، اور کہنے لگے، آپ نے اسی طرح فرمایا: اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ۔

حضرت عمرو بن میمونؓ فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ کے امتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف و ہراس سے عرق عرق (پسینہ پسینہ) ہو گئے۔

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول ﷺ سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔

کثرت روایات کی وجہ لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانامؐ کی

تعلیمات و ارشادات کا پھیلاتا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔

مذاکرہ حدیث کا شوق..... بسا اوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور رہتا، واپسہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا، تو عبد اللہ بن مسعودؓ تھے، میں نے کہا ابو عبد الرحمن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے ”آج بعض مشاغل ایسے پیش آ گئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کر لوں“ غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی۔

آداب روایت..... حضرت عبد اللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب متین اور سنجیدہ بن جاتے ہیں اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض تر جمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مؤمنین و سبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے تبسم ہوئے اور فرمایا ”تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لئے کہ اس موقع پر رسول ﷺ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔

فقہ..... حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان فاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے مؤسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور انہیں اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطہ عراق فقہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہو گیا، اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو

فقہ العراق کا لقب ملا۔

حضرت ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے نقل ہو کر وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ آپ اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔

اصول فقہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں اور یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں، ان میں سے دونوں مؤخر الذکر کی ضرورت رسول ﷺ کے بعد پیش آئی کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی میں اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اجماع اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طفرائے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا۔

سارای المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و مار او اسینا فهو

عند الله سی!

”جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو

برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے۔“

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

قیاس اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی موقع ہے، جہاں اس کی قوت اجتہاد و تفریع مسائل و استنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہیں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن سے ان کی قوت استنباط کا اندازہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدراہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر حرام کھول دے، اور آئندہ

جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن عبداللہ بن مسعود مجبوری کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ”میں عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی“ ”بولے ”تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو“

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراک علت اشتراک حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعلیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اس کو وراثت میں ترجیح دے جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیانی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے برخلاف اس کے دونوں موخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچا زاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیانی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اس صورت میں زیادہ قرابت کی علت مرتجہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ۲۔

اجتہاد مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ مگتھیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباط احکام و تقریر مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ میں ناسخ و منسوخ، موقت و مؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباط حکم راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مر گیا ہو، عدت کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں، سورہ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ

أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

”تم میں سے جو لوگ مر جائیں، اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے

آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رہیں۔“

اور سورہ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے۔

وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

”اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں۔“

اس بنا پر حضرت علی کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس زمانہ عدت قرار دیا دے تاکہ دونوں آیتوں کا توافقی پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق میں سورہ بقرہ کی آیت کو سورہ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ میں اس کے لئے مبالغہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقرہ سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ کہ جبری نمازوں میں مقتدی کو سرفاقتہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرق اسلامیہ کے درمیان ایک معرکہ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبداللہؓ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے جواب دیا۔

انصت فان فی الصلوۃ شغلا سبکفیک ذاک الامامؓ

”خاموش ہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی، امام کا پڑھنا تمہارے لئے کافی ہے۔“

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے، جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے۔

(۱) اذ اقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو“

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

(۳) آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من کان له امام فقرأ الامام قراءۃ له، یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی، انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں اور پوتی محروم الارث ہے ابو موسیٰؓ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آیا انھوں نے فرمایا ”اگر میں رسول ﷺ کے فرمان پر ابو موسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دو ٹکٹ پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے“ یہ جواب حضرت ابو موسیٰ کو معلوم ہوا تو فرمایا ”جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں“ چنانچہ آج بھی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول ہے۔

معاصرین فضل و کمال کے معترف تھے..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکہ اجتہاد کے تمام صحابہ کرام معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے۔

کیف ملی علما (مستدرک حاکم، مناقب)۔ ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ حسن خلق اور تبحر علمی کی بجد تعریف کی، انہوں نے پوچھا ”کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟“ بولے ہاں ”فرمایا تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں“۔^۱

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے پیوی کا دودھ فرد ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی، حضرت عبداللہؓ موجود تھے، انہوں نے (روک کر کہا) آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے خوش ہو کر اعتراف فضل کے لہجہ میں لوگوں سے کہا ”جب تک یہ حرم (یعنی عالم تبحر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو“۔^۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہ بند کھنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، کہا ”تہ بند ذرا اوپر کر کے باندھو“ اس نے کہا ابن مسعودؓ تم بھی تہ بند اوپر کرو، ”لے“ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں“ حضرت عمرؓ نے اس رد و قدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوزے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منہ زوری کی۔^۳

نا معلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز..... ایک طرف تو کی قوت اجتہاد و جلالت شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ تا م مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔^۴

حضرت مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اکثر مسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے۔^۵

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰

۲ طبقات ابن سعد قسم جزء ۳ ص ۱۱۰

۳ موطا امام مالک ص ۲۲۳

۴ ص ۱۳۰

۵ اعلام الموقعین ص ۶۴

۶ اعلام الموقعین ص ۶۴

تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اس کے لئے کیا حکم ہے وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے ”میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہیے“ پھر فرمایا ”اگر یہ صحیح ہے، تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے“ اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراح اور حضرت ابوسنان موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا تھا“۔ اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔

فتویٰ سے رجوع کرنا..... اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ”اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اسکی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟“ حضرت عبداللہؓ نے جواز فتویٰ دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ رپہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے، چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آ کر براہ راست مسقی سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے نسخ نکاح کا حکم دیا۔

معاصرین سے استفادہ..... نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل میں شک تھا، اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے ”صحابہ کرام میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے ہیں، اور وہ باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ“ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، زید اور عبداللہ بن مسعود باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے تھے۔

ارباب علم کی قدر شناسی..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارباب علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ ”اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے

اور عمرؓ کا علم دوسرے پہلے میں تو عمر کا پہلہ بھاری رہے گا“ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے، ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں، اگر وہ (عہد رسالت میں) ہم لوگوں کا سن (عمر زمانہ) پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا۔^{۱۱} حضرت علقمہ ان کے شاگرد تھے، انہوں نے شخص اپنی ذہانت و کثرت معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ”علقمہ کی معلومات سے میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔“^{۱۲}

احترام خلافت منصب خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحومہ میں تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے انا للہ وانا الیہ راجعون میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟“^{۱۳} اس لئے عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کے خلافت کا احترام ضروری ہے۔^{۱۴}

درس و تدریس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گوذہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ حارث، قاضی شریح اور ابو وائل نہایت نام آور ہوئے، خاص کر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا۔

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں۔^{۱۵}

ایک مرتبہ حضرت جنابؓ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا ”ابو عبدالرحمن کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟“ بولے ”اگر آپ کی خواہش

۱۱۔ استیعاب تذکرہ عمر فاروق

۱۲۔ تہذیب الاحدیب جلد ۳۰۸

۱۳۔ مسند اعظمہ ص ۸۶

۱۴۔ تذکرۃ الصحابہ جلد ۳۵

۱۵۔ بخاری جلد ۱ ص ۱۳۷

۱۶۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۶۱

ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں“ حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورہ پڑھ کر سنائی حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر کہا ”کیا رائے ہے؟“ انہوں نے نہایت تعریف کی۔
 معتقد بن کا جھوم..... تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا حضرت شقیق کا بیان ہے کہ ”ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے“۔

حضرت طارق بن شہابؓ کہتے ہیں ”ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے ایک شخص معمول بیٹھتے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبد الرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرنا انہوں نے جواب دیا ”صدق اللہ ورسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے“ یہ کہہ کر داخل حرم ہوئے ”ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا، غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا بولے ”رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قرب قیامت کی نشانی ہے“۔
 قوتِ تقریر اور وعظ وپند..... تقریر وخطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیران کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول ﷺ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونوں نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا

ایہا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان ہذا نبینا (و اوما
 یمہ الی النبی ﷺ) رضینا ما رضی اللہ لنا ورسولہ السلام علیکم
 ”صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ
 سے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے نبی ہیں، خدا اور اس کے رسول
 نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا، السلام علیکم“

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا ”ابن ام عبد نے سچ کہا“۔
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظِ حسنہ میں عموماً توحید، نماز، باجماعت اور خوفِ خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ میں انہوں نے فرمایا کہ

”ایک شخص نے جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دین، لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا ”تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟“ بولا ”خدا یا تیرے خوف اور ڈر سے“ اس گزارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا“ اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیت باری تمام اعمال حسنہ کی روح ہے۔

کثرت وعظ سے احتراز وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگوں کی ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرانہ انھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ خفی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا ”صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرت بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے“۔

یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبان علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوع آفتاب کے بعد کے وقت مسئلہ مسائل کے لئے مخصوص تھا، ابو دائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے، طلوع آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں، عبد اللہؓ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآن یاد ہیں جن کو آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سو تیس آل عم کی پڑھتے تھے۔

اخلاق سنت نبویؐ کی پیروی کے شوق نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اخلاق و طرز معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام ﷺ کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی، عبد الرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حدیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت میں آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہو تا کہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں“ بولے ”عبد اللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت حسن خلق اور طور طریقہ کے پابند تھے اور محمد ﷺ کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں

۱۔ مسند احمد ص ۳۹۸

۲۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۷۷

۳۔ مسلم جلد اول ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر اس حدیث میں اور انعامات میں بھی ہیں، مگر ان کی تعلیم نہیں ہے اس لئے ہم نے حذف کر دیے

تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے۔^۱

حضرت علیؓ جب کوثر تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے سب نے با اتفاق تعریف کی اور کہا امیر المؤمنین ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی پر ہیزگار، خلیق نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا، حضرت علیؓ نے فرمایا ”بے شک میرا بھی یہی خیال ہے بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے۔“^۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لوٹدی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لینے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، اور ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت دست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے اور دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے ”خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔“^۳

ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لوٹدی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الٹھر ہو گیا، حضرت عبداللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آجائے تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا۔^۴

حضرت حمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول ﷺ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا۔^۵ حضرت عثمانؓ نے دو برس تک کا وظیفہ بند کر دیا تھا وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لئے جاری کر دیا چاہا لیکن حضرت عبداللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا بولے ”کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔“^۶

۱۔ جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اجلد ص ۱۱۰ ۳۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۸

۴۔ بخاری جلد ۲ ص ۷۹ ۵۔ اصابت مذکر عبداللہ بن مسعودؓ ۶۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۵۹

حضرت عبداللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انہوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لئے خالی کر دیا تھا۔

مذہبی زندگی..... حضرت عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا بخورِ راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ ۱۲ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھی، حضرت ابو عقیل کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں ”خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا“ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔“

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت ابو دائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے دروازہ پر نہڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت منے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے۔ بعض اہل بیت سورہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا ”والدین کے ساتھ نیکو کاری“ میں نے کہا ”پھر؟“ حکم ہوا ”راہ خدا میں جہاد کرنا“ اس کے

بعد خاموش ہو گیا، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے، غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو پہنچے میں دیر ہو گئی، حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف و انتظار نماز پڑھائی، ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا ”آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المؤمنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المؤمنین کا حکم ہے، اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔“

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دو شنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لئے مخصوص تھے عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے ”میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں، اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی۔“ ۳۔

خشیت الہی اور خوف قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے ”کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا“ ۴۔

خانگی زندگی بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہؓ ”کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ذر سے اس کو پٹنگ کے نیچے چھپا دیا عبداللہؓ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا ”یہ دھا کہ کیا ہے؟“ میں نے کہا ”تعویذ ہے“ انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا ”عبداللہؓ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گندے شرک میں داخل ہیں“ میں نے کہا ”آپ یہ کیا فرماتے ہیں میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے تمہارے لئے صرف رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کافی ہے۔“ ۵۔

اذھب الباس رب الناس اشف و انت الشافی لا شفاء الا شفاءک

شفاء لا یغادر سقما

”خوف دور کر! اے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی

شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔“

۱۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۹۰، ۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۵۰

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۹۰۱، ۴۔ ایضاً ص ۱۱۰

۵۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸، ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۶

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی، جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال کرتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا ”خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتداء اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا“۔^۲

وظیفہ..... حضرت عبد اللہ کے لئے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لئے واگذار کر دیا، اس طرح ان کے پسماندوں کو ایک مشیت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے۔^۳

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم خوبصورت زلف، حضرت عبد اللہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔ پاکستان

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، حضرت عبد اللہ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے لئے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آگئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی“۔^۴

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نام، نسب و خاندان عبداللہ نام، ابو موسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عزیٰ بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجہا ہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن شجب۔

حضرت ابو موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کے والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔ اسلام ساقی تو حید کے صدائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لئے تھے، لیکن تشنہ کا مان حق دور دراز ممالک سے دشواری گزار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابو موسیٰ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادہ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، وہ مکہ میں قبیلہ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ طرہ جان فرمائیں۔

ہجرت حضرت ابو موسیٰ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کی بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگان اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ بھی اس قافلہ میں شریک ہوئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کر کے واپس آ رہے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا۔

غزوات حضرت ابو موسیٰ فتح مکہ اور غزوہ خیبر میں شریک تھے، بنو ہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادی اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عامر کو ایک

جمعیت کے ساتھ ان کے استیصال کامل پر مامور فرمایا، انہوں نے اوطاس پہنچ کر بنو ہوازن کے سردار ورید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً جسکی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ اس مہم میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر ان سے پوچھا ”یا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟“ انہوں نے اشارہ سے بتایا تو میں اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟“ غرض وہ (ان غیرت انگیز جملوں سے جوش میں آ کر) پلٹ پڑا اور تنوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کیا، اور ابو عامر کو آ کر بشارت دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔

حضرت ابو عامرؓ کا زخم نہایت مہلک تھا، انہوں نے حالت نزع میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا ”جان برادر! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں، اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح نقس عنصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپرد خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر میدان جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی، سرور کائنات ﷺ نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے خدا! ابو عامرؓ کو بخش دے، اے خدا! تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما“ حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی ”یا رسول! میرے لئے بھی، فرمایا خدا یا عبد اللہ! ابن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما“۔

۹ھ میں غزوہ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیوں نے بھیجا کہ دربار نبوت سے ان کے لئے سوار یوں کا انتظام کریں، اتفاق سے آنحضرت ﷺ اس وقت حالت غیظ میں تھے، لیکن ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی ”یا رسول! میرے ساتھیوں نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں“ حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہیں، نہایت غمزہ واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی، لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے ”عبد اللہ بن قیس کہاں ہیں؟“ چلو رسول اللہ ﷺ یاد فرماتے ہیں، وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ ان کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے یہ دو اونٹ تمہاری سواری کے لئے مرحمت فرمائے ہیں، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے

رسول ﷺ کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ خیال نہ کرو کہ میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گھڑ کر کہا تھا ”لوگوں نے کہا ”خدا کی قسم! ہم آپ کو سچے سمجھتے ہیں، آئندہ جو آپ کی خوشی ہو“ غرض انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرا دی۔

ولایت یمن..... تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے ساتھ لے کر دربار نبوتؐ میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرما رہے تھے، اس سوال پر دفعۃً مسواک رک گئی، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا ”ابو موسیٰ! ابو موسیٰ! انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کے خواہش کریں گے“ ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابو موسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔

یمن دو حصوں پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے، اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیرین یمن، اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابو موسیٰؓ مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی۔

یسر اول تعسرا و بشرا و لاتنفروا تطاوعا

”یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا،

متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کو ”مزز“ کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو ”تج“ کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ”ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا، اس لئے قدرۃ انہوں نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آ کر فردکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلہ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذؓ ابن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں، انہوں نے تعجب سے پوچھا

کہ ”عبداللہ بن قیس! کون ہے؟“ بولے ”یہ مرتد ہو گیا ہے انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ”یہ اسی لئے گرفتار ہو کر آیا ہے“ آپ گھوڑے سے اتر آئے بولے ”جب تک وہ قتل نہ ہوگا، میں نہ اتروں گا“ حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ ”آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں؟“ بولے کہ ”رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں“ پھر پوچھا کہ ”آپ کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟“ بولے کہ میں رات کو ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہوں اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں“۔

حجۃ الوداع میں شرکت..... یہاں میں آنحضرت ﷺ نے آخری حج فرمایا، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے شرکت کے لئے آئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا ”عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟“ عرض کی ”ہاں یا رسول اللہ!“ فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے میں نے کہا تھا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے“ ارشاد ہوا کہ ”قربانی اپنے ساتھ لائے؟“ عرض کی ”نہیں“ حکم ہوا کہ ”تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو“ یہ اس وجہ سے کہ حج قرآن کی صورت میں قربانی لانا ضروری تھا۔

یمن میں فتنہ و فساد..... حضرت ابو موسیٰؓ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہاں اسود غنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک میں شورش و بغاوت پھیلادی، یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے مرکز حکومت ”مارب“ چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونوں کو حضرت موت میں پناہ یعنی پڑی۔

گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود غنسی کا قصہ تمام کر دیا، تاہم آنحضرت ﷺ کی وفات سے دفعہ پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے ایک زبردست مہم بھیج کر از سر نو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے، حضرت ابو موسیٰؓ بھی حضرت موت سے اپنے دار الحکومت ”مارب“ واپس آئے اور خلیفہ دوم کی ابتدائے خلافت تک نہایت تدبیر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

فتح نصیبین..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰؓ اشعری بھی شوق جہاد میں عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر اس

فوج کشی میں شریک ہوئے۔

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مکہ میں دریائے
وحدہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ
کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سرانجام دی۔
ولایت بصرہ اسی سال دربار خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے
حضرت موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا، اس
کے الفاظ یہ تھے۔

اما بعد فانی قد بعثت ابا موسیٰ امیرا علیکم لیاخذ لضعیفکم
من قویکم و لیقاتل بکم عدوکم و لیدفع عن ذمتکم و لیحصی لکم
فینکم ثم لیقسمہ بینکم و لینقی لکم طرقکم۔

”میں نے ابو موسیٰؓ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں،
تمہارے دشمنوں سے لڑیں، ذمیوں کی حفاظت کریں، تمہاری آمدنی کا تم کو حساب دیں،
پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو تمہارے لئے صاف رکھیں۔“

فتح خوزستان بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملتی ہوئی تھی، اور وہ اب تک ایرانیوں کے
قبضہ میں تھا، ۱۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے ابواز پر فوج کشی
کی تو یہاں کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی، اور حضرت مغیرہؓ وہیں رک گئے،
۱۷ھ میں ان کی جگہ پر حضرت ابو موسیٰؓ آئے، اس انقلاب میں ابواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند
کردی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انہوں نے لشکر کشی کی، اور ابواز کو فتح کر کے منازر
کارخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیدؓ جو ایک معزز افسر تھے، یہاں ایک
معرکہ میں شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

حضرت ابو موسیٰؓ حضرت مہاجرؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف
بڑھے، ربیع نے منازر کو سر کر لیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد
بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی
درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سوا آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور
کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سوا آدمیوں کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بد قسمتی
سے اس نے شمار میں خود اپنا نام نہیں لیا، چنانچہ سوا آدمیوں کی تعداد پوری ہو گئی، تو انہوں نے رئیس
کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرادیا۔

سوس کے بعد راہرمز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی، یزید گردنو جوان

شہنشاہ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابو موسیٰ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لئے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچ کر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابو موسیٰ نے ان حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن نعیم کی کثرت اور سرد سامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لے کر آئے اور دوسری طرف جریجلی ایک جرار لشکر لے کر جلوہ، پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابو موسیٰ نے اس سرد سامان سے شوستر کا رخ کیا، اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا۔

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کر دوں، حضرت ابو موسیٰ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہرو جیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ لی خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور یہ کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر، حضرت ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دوسو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا، دوسو بہادروں نے بڑھ کر کہا: خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ سے شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے ادھر حضرت ابو موسیٰ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں پلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب تک سوتیر ہیں، اور جب تک اتنی ہی لائیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انسؓ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں

مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رانی حجت نہیں ہو سکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابو موسیٰؓ امارت پر سرفراز ہوئے تھے، دشمنوں سے بالکل محفوظ ہو گیا)

معمر کہ نہاوند..... خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے۔

تبادلہ..... بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی وساطت سے دربار خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ سے رامہرمز، ابذح اور ماہ یا ما پسندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں، لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے، انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے درخواست کی، کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی، اور فرمایا کہ ”مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے“۔

غرض حضرت ابو موسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہل کوفہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو معزول کر دیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی، اس لحاظ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے۔ لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ میں پھر بصرہ منتقل کئے گئے۔ ۳

الزام..... اسی سال منہ نامی ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربار خلافت میں

حسب ذیل شکایتیں پیش کیں۔

۱۔ ابو موسیٰ نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے تھے۔

۲۔ انہوں نے عدنان حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کردی ہے، اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔

۳۔ انہوں نے حلیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے۔

۴۔ عقیلہ نامی ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذائیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔

حضرت عمرؓ نے ان شکایتوں کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دار الخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب تدبیر و سیاست ہے، اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا، اس لئے انہوں نے خود حکام بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں، تیسرے الزام کے جواب میں حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حلیہ کو میں نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ جھوٹے کہے، لیکن چھوٹے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا۔

فتح اصفہان حضرت ابو موسیٰؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں داخل کر دیا۔

اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے۔

تعمیر نہر ابی موسیٰ بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا دریاے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابو موسیٰؓ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جواب ”نہر ابی موسیٰ“ کے نام سے مشہور ہے۔

اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب میں عہد فاروقیؓ کے اکثر عمال و حکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہد امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔

معزولی ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کر دی، حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلافت جہاد کا وعظ کیا، اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے، وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ ”ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں، ہمارا والی کس شان سے چلا ہے“، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور اس پر اعتراض کیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں، لیکن درحقیقت خلیفہ سومؓ کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دارالخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے ایک کمن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا۔

امارت کوفہ ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری پھر سعید بن العاصؓ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابو موسیٰؓ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لئے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دور فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آ گیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے خلیفہ ثالثؓ کے قصاص اور مطالبہ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے چل کر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت برآمدہ کریں، حضرت امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابو موسیٰؓ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے، سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے اس لئے اسلحہ بیکار کر دو اور عزت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اسی اثناء میں حضرت امام حسنؓ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابو موسیٰؓ سے مخاطب ہو کر کہا ”آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اہل کوفہ کو بار بار جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگ جمل میں عرب کے ہزاروں گھربے چراغ ہو گئے، اور میدان صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیشار مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔

حکم مقرر ہونا..... معرکہ صفین میں جب امیر معاویہؓ گوحامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب و غریب طریقہ مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیرؓ اس پر راضی نہ تھے، تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دور ثالث پر محول ہوا امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰؓ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقرر تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال غیر جانبداری دے لوٹی ہے تو وہ دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری،

غرض دونوں حکم باہم مشورہ کے لئے گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عثمانؓ کسی غیر جانبداری کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا، چنانچہ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو موسیٰؓ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ: عبد اللہ بن عمرؓ کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے خانہ جنگیوں میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔

عمرو بن العاصؓ: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے، معاویہؓ ان کے قصاص کے دعویدار ہیں، ام المؤمنین ام حبیبہؓ ان کی بہن ہیں، اور خود ان کو رسول اللہؐ کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔

ابو موسیٰؓ: معاویہؓ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا، وہ استحقاق خلافت کے لئے کافی نہیں، اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علیؓ سے بڑھ کر کون ہے؟ رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لئے

معاویہؓ کو خلافت کے معاملہ میں مہاجرین اولین پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور فاضل و عالم عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمر و بن العاصؓ: میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیؓ: بیشک وہ صاحب فضل و منقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبد اللہ کا لباس تقویٰ تمام دھبوں سے محفوظ ہے،

عمر و بن العاصؓ: ابوموسیؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے، جس کے دوداڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیؓ: عمر و! تمہارا براہو، شدید کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، ہم ان کو پھر فتنہ میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمر و بن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیؓ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں برطرف کیے جائیں، اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمر و بن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

اس قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیؓ کے پاس آکر کہا، ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرؓ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں، حضرت ابوموسیؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انہیں دنیا کی فریب کاریوں کا کیا خبر تھی، بولے ”ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں“، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیؓ اشعرؓ نے عمر و بن العاصؓ سے فرمایا کہ ”منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو“ بولے میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں“ حضرت ابوموسیؓ پر ان کا یہ افسوس چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس

شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

ابوموسیؓ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمر و بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

”صاحبو! علیؑ کو ابو موسیٰ کی طرح میں معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے، اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لا دو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے، (انسما مشکک کمثل الکلب، ان تحمل علیہ یلھث او نثر کہ یلھث، الایۃ) عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، اور آپؐ پر ”چار پائے برد کتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے (مشکک کمثل الحمار یحمل اسفارا)

وفات حضرت ابو موسیٰؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں اور بعض کوفہ، لیکن مرنج مکہ کی روایت ہے، بہر حال باختلاف روایت ۳۲ھ، ۳۳ھ، ۳۴ھ میں بیمار پڑے اور بروایت صحیح ذی الحجہ ۳۲ھ میں وفات پائی۔ آخر وقت تک احکام نبویؐ کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور عشی طاری ہو گئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے گریہ و زاری شروع کر دی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول ﷺ نے برأت کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپؐ نے برأت ظاہر کی ہے۔ ۲

اس کے بعد کفن و دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگلیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ و مین کرنے والی، جیب و گریبان چاک کرنے والی اور سر نوحنے والی عورتوں سے بری ہوں۔ ۳ وصیت سے فراغت ہوئی تو طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔

حلیہ پستہ قد اور لاغرا اندام تھے

اولاد وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں، ابراہیم، ابو بکر، ابو بردہ، موسیٰؓ۔

ذریعہ معاش..... ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے

فضل و کمال

حضرت ابو موسیٰؓ ان مخصوص صحابہ میں تھے، جن کو بارگاہ رسالت میں خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا، اس لئے وہ نبوت کے چشمہ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کو خود عہد رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔

حضرت اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہیں دیکھا، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ

”ابو موسیٰؓ سرتاپا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔“

اہل علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں جس نے ان کے علم کو اور چمکادیا تھا، یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث و مناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی۔

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابو موسیٰؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا نہیں! خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا تو پھر سورہ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

فلم تجدوا اماء فتیمموا صعبدا طیباً

”پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر دو۔“

حضرت عبداللہؓ نے کہا ”اگر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفاء کرنے لگیں گے“ اس پر شقیق (راوی) بولے ”کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہاں! حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا ”تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا، نہیں سنا کہ ان

کو آنحضرت ﷺ نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ میں غسل کی ضرورت پیش آئی، اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا، اس پر عبد اللہ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا۔ ۱۔

ایک مرتبہ دونوں میں حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا ”امام حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوگی۔“ ۲۔

اشاعت علم علم کی اشاعت اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے ایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہیے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے۔“ ۳۔

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقہ، درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

”لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے۔“ ۴۔

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے، ان کو راہ میں ایک حدیث سنا دی۔ ۵۔

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں، جو ہم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، ضرور سنائیے، بولے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

قیامت کے قریب میں ”ہرج“ زیادہ ہوگا لوگوں نے پوچھا ”ہرج“ کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا یا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے حتیٰ کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا بھتیجا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو اس زمانہ

۱۔ بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربہ،

۲۔ ابن سعد ج ۲، قسم اول ص ۱۸

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۲

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۳

میں باقی نہ رہے گا، حتیٰ کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا۔“

یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں سے تم میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی سے نکل نہ سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کیے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے۔
حضرت ابو موسیٰ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبد اللہ الرقاشی روایت کرتے ہیں کہ

”میں ایک مرتبہ ابو موسیٰ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں سے نہ تھا، ابو موسیٰ نماز ختم کر چکے، تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا؟ لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی؟ لوگ پھر چپ رہے، تو بولے طعان شاید تم نے کہا ہوگا، انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا، مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بد نیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا۔“

قرآن پاک..... قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبل اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا، آپ قرآن پاک کی کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں۔
قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ:

”ان کو لحن و آوادی سے حصہ ملا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ابو موسیٰ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، وہیں کھڑے ہو گئے اور منکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابو موسیٰ حاضر

ہوئے، تو فرمایا کہ ابو موسیٰؓ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمہاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے خدا کے رسول! مجھ کو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سن کر ازواج مطہراتؓ اپنے اپنے حجروں میں پردوں کے پاس آکر کھڑے ہو کر سننے لگیں، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھ کو اس وقت معلوم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا۔

حضرت ابو عثمانؓ نہدی بیان کرتے تھے کہ حضرت ابو موسیٰؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔ کبھی کبھی حضرت عمرؓ فرمائش کرتے کہ ابو موسیٰؓ خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھ کر سناتے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰؓ نے انس بن مالکؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، انہوں نے پوچھا، ابو موسیٰؓ کا کیا حال ہے، کہا لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، فرمایا کہ بلند مرتبہ آدمی ہیں، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا۔

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلموں کی تعلیم قرآن کے لئے یمن بھیجا تھا۔ حدیث..... قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی دافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصروں میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آئندہ آئیں گے، ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۲۰ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں۔ ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیث کی زبان مبارک سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذ بن جبلؓ سے روایتیں کی ہیں، علامہ کی تعداد بھی کافی ہے، مختصر فہرست یہ ہے۔

ابو بکر، ابو بکر، ابو بردہ، موسیٰ، انس بن مالک، ابو سعید خدریؓ، طارق بن شہاب، ابو عبد الرحمن سلمیٰ، زبیر بن جیش، زید بن حبیب، عبید بن عمیر، ابو الاحوص، عوف بن مالک، ابوانا سوئل، سعید بن مسیب، ابو عثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابو رافع صائق، ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود، مسروق بن اوس خثلی، بزیل بن شرییل، مرہ بن شرییل، اسود بن یزید، عبد الرحمن بن یزید، عطاء بن عبد اللہ رقاشی،

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۸۰

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۹۷

۴۔ ایضاً

۵۔ تہذیب الکمال

۶۔ ایضاً

ربیع بن حراش، زہد بن مضرب، ابوہائل شقیق، ابن سلمہ صفوان بن محرز وغیرہم۔
 اس فضل و کمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال کے اعتراف میں بخل نہ تھا
 ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا لڑکی
 اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جا کر یہ جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان
 سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انہوں نے کہا، اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں، میں اس مسئلہ
 میں وہی فیصلہ کروں گا، جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے، لڑکی کو آدھا ملے گا پوتی کو دو تہائی پورا کرنے
 کے لئے چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جا کر حضرت ابو موسیٰؓ
 کو سنایا انہوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے، اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی
 ضرورت نہیں ہے۔

اخلاق و عادات

خشیت الہی اور رقت قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابو موسیٰؓ میں یہ دونوں وصف
 موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ خطبہ
 دیا کہ:

”لوگو! خوب روؤ اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونے کی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی
 (جنہوں نے دنیا پس کر گزاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے
 پھر خون کے آنسو روئیں گے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس میں
 کشتیاں چلائی جائیں تو بہہ نکلیں“

اتباع سنت حضرت ابو موسیٰؓ کی پوری زندگی حیات نبویؐ کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے
 تھے کہ ان کی نقل و حرکت، قول فعل بلکہ ہر ہر اذات نبویؐ کا نمونہ بن جائے، ایک موقع پر انہوں
 نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

”ابو بکرؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰؓ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے، راستہ میں
 عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر سورہ نساء کی ۱۰۰
 آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انہوں نے کہا میری
 ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے، کہ جہاں آنحضرت ﷺ نے قدم مبارک دکھا ہے وہیں

میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے، وہی میں بھی کروں! رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لئے رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت ﷺ برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگوں کو ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو۔

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل و عیال سے پابندی کراتے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابو موسیٰؓ کیوں تک کو حکم دیتے تھے، کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں،

احکام نبویؐ کا لحاظ پر آن و ہر لمحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فرد گزاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت ﷺ کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہوا اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے، حضرت ابو موسیٰؓ اس فرمان نبویؐ پر سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام میں مشغول تھے، اس لئے کوئی توجہ نہ کی، انہوں نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیوں واپس ہو گئے تھے؟ کہا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”شاہد لاؤ تمہارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے“ یہ گھبرائے ہوئے انصاری صحابہ کی مجلس میں آئے، حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا، انہوں نے جا کر شہادت دی۔

یہی پاس و لحاظ زندگی کے آخر لمحہ تک رہا۔

مرض الموت میں اپنے گھر کی کسی عورت کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی، عورت نے گریہ و زاری شروع کر دی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے برأت ظاہر کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ دہکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برأت کی ہے۔

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے جیب اور گریبان چاک نہ کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے میں

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۹

۲۔ بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحہ

۳۔ بخاری کتاب الاستئذان باب التسلیم والا ستئذان ثلثا

۴۔ مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود و شق الجيوب

برکی ہوں۔

تقویٰ..... حضرت ابو موسیٰ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتوں کی لپٹ سے مجھ کو سترے ہوئے مردار کی غنونت زیادہ خوش آئند ہے۔

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حضرت حذیفہؓ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمہارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے۔
توکل..... خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضاء قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وہ بانی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی ابو بردہؓ نے کہا یہاں سے ہٹ کر واپس چلے چلے کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا، واپس نہ جاؤں گا۔

خدمت رسول..... خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت ﷺ کی خدمت اور آپ کی حفاظت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہر کاب تھے راستہ میں رات گزارنے کے لئے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک میں رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے راستہ میں ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونوں آگے بڑھے، اتنے میں آنحضرت ﷺ آتے ہوئے دکھائی دیئے ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لئے جب آپ کو ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دے دیا سمجھے، وہ ساتھ ہو جایا کرے۔

شرم و حیاہ..... الحياء شعبۃ من الایمان حضرت ابو موسیٰؓ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھ کو بار بار مر کر زندہ ہونا بہتر ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے۔

سادگی..... حضرت ابو موسیٰؓ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷

۲۔ ابن سعد جز ۲، قسم اول ص ۸۳

۳۔ مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین

۴۔ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۸۲ ۵۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵

۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۸۲

ہوئیں، برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا نہ مال و دولت جمع کیا، نہ وفات و رعوت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملاقات ہوئی، ابوذرؓ فقیر منش آدمی تھے دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابو موسیٰؓ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوز کرپٹ گئے لیکن ابوذرؓ بار بار یہ کہہ کر ہٹاتے تھے، اب تم بھائی نہیں ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لکے، انہوں نے کہا بھی بٹے رہو پہلے میرے سوالات کے جوابات دے دو، پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابو موسیٰؓ نے کہا ہاں! کہا عمارتیں تو نہیں بنوائیں؟ زراعت تو نہیں کی، جانور تو نہیں پالے؟ انہوں نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے۔

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، حضرت ابو بردہؓ روایت کرتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہمارے پاس میں صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤں پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گئے، تو ہم لوگوں نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع ”چیتھڑے والا“ کہتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ ابو موسیٰؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد میں اسنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا۔
امت مسلمہ کی خیر خواہی..... امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاصؓ نے میری بیعت کر لی ہے، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کروں گا، اور تمہاری ضروریات کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، میں اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دو گے، اس خط کو پڑھ کر انہوں نے یہ جواب لکھا:

”تم نے امت محمدیؐ کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم

نے میرے سامنے پیش کی ہے، اس کی مجھ کو حاجت نہیں ہے“

جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں میں غیر جانبدار ہیں، اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں، تو ابو موسیٰؓ اور ابو مسعودؓ نے ان سے جا کر کہا کہ:

”جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت

سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا۔“

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابو موسیٰ فتنہ و فساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت علیؑ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشہ عزلت سے نکلنا پڑا، اور نہایت نیک نیتی سے مصالحت امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوادیا تھا، آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابو موسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں اتنی غلط نہ کیجئے، امیر المؤمنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے، اگرچہ ابو موسیٰؓ اس فتویٰ میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا، لوگوں جس جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہیے، امیر المؤمنین آتے ہیں ان کی انتہا کرنا چاہیے۔

مخصوص فضائل..... ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لئے طغرائے امتیاز ہیں، ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ محمد ﷺ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا بیشر یعنی بشارت ہو، اس نے کہا بشارت ہو چکی کچھ دلاؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرہ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے پھر حضرت بلالؓ اور ابو موسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا، تم دونوں قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انہوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، آواز دی، تھوڑا میرے لئے بھی چٹانچہ اس

شراب طہور کے چند جرے ان کو بھی ملے، اظہار یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیے۔

غزوہ خنین کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا؟ حضرت ابو موسیٰؓ کو بھی ان کی مشالیت کا حکم ملا، اوطاس میں مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابو عامر سخت زخمی ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابو عامر کے گھٹنے سے تیر نکالا، زخم سے خون جاری ہو گیا، زخم کاری تھا، بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انورؐ کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا یہ کہہ کر ابو عامر واصلِ جنت ہو گئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، حضورؐ میرے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ نے دعا فرمائی، خدایا عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰؓ) کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما۔^۱

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان..... عمار نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسرؓ اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عمار بن یاسر عمار بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن غس بن مالک العنسی القحطانیؓ۔

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود اخیمر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ سے شادی کر لی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔

اسلام..... ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا ”تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“ بولے ”پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو“ میں نے کہا ”محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں“ بولے میرا بھی مقصد یہی ہے، غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن یاسرؓ جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیکھا، یہ وہ حضرات تھے، جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تمیز اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان

الاسد الغابہ تذکرہ عمار بن یاسرؓ

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷

۳۔ بخاری باب فضائل الصدیق

نہیں کیا تھا۔

حضرت عمارؓ کو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی و جاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوش ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشق تم بنا لیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دھکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے، لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اس گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا ”اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا“ اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گزرتے خاندان یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے، ”اے آل عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے“۔

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت ﷺ سے گردش زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، ”صبر کرو! صبر کرو!“ پھر دعا فرمائی ”اے خدا! آل یاسرؓ کو بخش دے۔“

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفاکاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کر لیا، اس کے بعد اس مصیبت سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق (پسینہ پسینہ) کر دیا، دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، ”عمارؓ کیا خبر ہے؟“ عرض کی ”یا رسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے“ آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کیے“ ارشاد ہوا ”تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟“ عرض کی ”میرا دل ایمان سے مطمئن ہے سرور کائنات ﷺ نے نہایت

۱۔ فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

۲۔ ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۱۷۷

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۱۷۸

۵۔ اصحابہ تذکرہ سمیہؓ عمارؓ

شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا ”کچھ مضاقتہ نہیں اگرچہ پھر ایسا ہی کرو“ اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره و قبله مطمئن بالايمن

(نحل: ۱۰۶)

جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل

ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ ”کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے ”خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے، بغرض حضرت عمارؓ بھی انہیں گرفتار ان مصائب میں تھے، جنہوں نے راہ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ ناگوں مصائب اور مظالم اور برداشت کیے، لیکن آئینہ دل سے تو حید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ٹنگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دھکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔“

ہجرت..... ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری، ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمندرجہؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ انصاری سے بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔“

تعمیر مسجد..... مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی گئی، سرور کائناتؐ نے صحابہ کرامؓ کے جوش دلانے کے لئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لالا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا۔

نحن المسلمون نبتني المساجد

”ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں“

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمارؓ دو دو

ایٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت سے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، تم اسے خدا کی طرف سے دعوت دو اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔ ۱

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لا دیا کہ لوگ چلا اٹھے "آج عمارؓ مرجائیں گے، آج عمارؓ مرجائیں گے" وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت ﷺ نے سنا تو کچھ ایٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا "افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا"۔ ۲

غزوہ بدر سے غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ امام خیر الامام ﷺ کے ہمراہ رہے، عہد صدیق کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی داد شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے، اور جس طرف رخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے بلند چنان پر کھڑے ہو کر لکارا "اے گروہ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمارؓ بن یاسرؓ ہوں، آؤ میرے پاس آؤ"۔ ۳ اس صدا نے سحر کا کام کیا، اور جنت کے شہدائی کا ایک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت..... خلیفہ دومؓ نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا۔

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسرؓ امیرا و ابن مسعود معلما
و وزیرا، قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انہم النجباء من
اصحاب محمد من اہل بدر فاسمعوا لہما و اطیعوا و اوقندوا ابہما و
قد اشرتکم با بن ام عبد علی نفسی و بعثت عثمان بن حنیف علی
السواد و رزقتہم کل یوم شاة فاجعل شطرها و بطنہا العمار و الشطر
البامی بین ہولاء الثلاثة

اما بعد : میں عمار بن یاسرؓ کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعودؓ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں

حضرت محمدؐ کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرد، میں نے ام عہد کے بیٹے (عبداللہ بن سعود) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیکش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لئے روزانہ ایک ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لئے مخصوص رہے گا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا باسند ان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمارؓ بن یاسروالی کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہر مز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا ”مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے“ اس پر ایک کوئی رئیس عطار د نے غضبناک ہو کر کہا ”اے کن کئے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟“ حضرت عمارؓ صرف یہ کہہ کر خاموش رہے ”افسوس تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی ہے۔“

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہر مز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضگی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا، اور امیر المؤمنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دار الخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ ”تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟“ بولے ”جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔“

تحقیقات پر مامور ہونا..... خلیفہ ثالثؓ کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہوگا، ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمارؓ بن یاسر بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالثؓ سے اختلاف..... تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آ کر قابل اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، اور دار الخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے، یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط کے فقرے یہ ہیں

ان عمار اقد استماله قوم بمصر و قد انقطعوا الیہ منهم عبداللہ

بن السوداء و خالد بن بلجم و سودان بن حمران و کنانہ بن بشر

”عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن

السوداء اور خالد بن بلجم سولہ گن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف جا ملے ہیں“۔

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا، اعام جمعوں میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت اور عمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرفداران خلافت سے جھڑپ بھی ہو گئی ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم میں خراش آ گئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف و موالات کا تعلق تھا یہ سن کر شانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسرؓ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی میں شریک تھے۔

سفارت کوفہ..... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار گراں حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس و خلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہمات امور میں وہ ان کے دست و بازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب

شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارم کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمارؓ کو فہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرما رہے تھے، حضرت امام حسنؑ نے ان سے فرمایا ”تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ“ اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی، حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات ﷺ کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو، حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمارؓ کے ساتھ ہو گئی۔ ۳

جنگ جمل..... ماہ جمادی الاخریٰ ۳۵ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ حق عمارؓ کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اس وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی، حضرت عمارؓ میرہ پر متعین تھے، چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۴

جنگ صفین..... جنگ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایت حق کے جوش نے اکانوے (۹۱) برس کے بوڑھے کو شجاعت و جانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے، صفین کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہؓ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر پڑی تو بولے ”میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوٹی مرتبہ ہے، خدا کی قسم! اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم حق پر ہیں، اور

وہ غلطی پڑا

شہادت ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے ”رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے“، اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ ”آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد ﷺ اور ان کے گروہ سے ملوں گا“ کچھ ایسے عزم و استقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پر صاف ہو گیا، اور جس پروار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، اور لیکن اس حالت میں ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرادیا، اور دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا، یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں پہنچے، کیونکہ ان میں ہر ایک اس کا رنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا ”تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو“ بولے خدا کی قسم! ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی“

حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے، جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرارؓ کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شاید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی، اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے۔

تجہیز و تکفین حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا ”خدا نے عمارؓ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثلث ص ۱۸۵

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۶ اور مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷

خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمارؓ اور حق و لازم و ملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا۔ اس کے بعد جہینر و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامی حق کو یرز میں نہا کر دیا: انا لله و اما لیه راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابی رسولؐ کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ۲

اخلاق..... حضرت عمارؓ معدن اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا، جفا کشی، ہمتقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گزر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و سکھنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔ ۳

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرش خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا غزوہ ذات العشرہ کے موقع پر بنی مدجن کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا ”ابو الیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں“ غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔ ۴

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لا کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے، حضرت مطرفؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا، اپنے چرمی پیراہن میں پوند ٹانگ رہا تھا، برہم ہو کر کہا ”اے فاسق کیا! تو امیر المؤمنین کی خدمت کر رہا ہے؟“ میرے دوست نے غصہ خواہی کر کے کہا ”ابو الیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں“ اس وقت میں نے پہنچانا کہ عمارؓ بن یاسرؓ یہی ہیں، ۵

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدا پاک کی خوشنودی و رضا مندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوہ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علیؓ کے زیر علم لا کر کھڑا کیا،

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷

۲ مستدرک جلد ۳ ص ۲۸۲

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳

۴ مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۳

۵ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۴

صفین کی فوج کشی میں ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے، ”اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا“ آپ کی اخلاقی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ”عمارؓ کے رگ و پے میں ایمان سراست کیے ہوئے ہے“ اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے،

مذہبی زندگی..... حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت

اَمْسُ هُوَ قَابِئُ النَّاءِ الْيَلِّ سَاجِدًا وَقَابِئُ الْاُخْرَةِ وَبُرْجُؤَا
رُخْمَةُ زَيْنَہ (زمر: ۱)

”کیا وہ شخص جو رات و بندگی کرتا ہے سجدہ کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)۔“

حضرت عمارؓ کی نسبت نازل ہوئی ہے، مع خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دو گناہ ادا کر کے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی، مع معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش کے پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک میں مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ”ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے“

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یسین تلاوت فرماتے تھے خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ ”رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔“

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۲

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۴۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۵۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۶۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۷۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۸۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۲

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، زر کسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گوان کی عمر نوے، اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

نام و نسب عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابو محمد اور ابو عبد الرحمان کنیت، والد کا نام، عمرو بن العاصؓ اور والدہ کا نام ریطہ بنت مذہب تھا، شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بن وائل بن ہاشم بن معبد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی

اسلام حضرت عبداللہؓ اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

مصاحبت رسول وہ دربار نبوتؐ میں اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے تھے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ حالت غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے“۔

رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یا حق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربار نبوتؐ میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپؐ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا ”عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کریگا وہ میری امت سے نہیں ہے“۔

غزوات عہد نبوتؐ کے بعض غزوات میں شریک تھے، جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا ”ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟“ فرمایا

تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے ہو، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی "یا رسول! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں، لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی" ارشاد ہوا کہ "ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو" چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لئے۔

جنگ یرموک..... یرموک کی عظیم الشان جنگ میں ایک نہایت چابازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ واقعہ صفین..... حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کی طرفدار تھے، اس لئے جب واقعہ صفین پیش آیا، تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو امیر معاویہؓ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا لیکن، درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متفرق تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں عمل کوئی حصہ نہیں لیا اور بارہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔

حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت علیؓ کی طرف سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا "کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گردہ باغی قتل کرے گا؟" حضرت عمر بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کو طرف دیکھ کر کہا "آپ نہیں جانتے عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے ہوئے کہا "یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں کیا عمارؓ کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا۔"

حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کا رنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا "تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہیے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ ﷺ سے سنا ہے کہ عمارؓ کو گردہ باغی قتل کرے گا" امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا! عمرؓ! تم اپنے اس مجنون کو مجھ سے الگ نہیں کرو گے؟ اور خود ان سے کہا "اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا "میں صرف اس لئے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع فرمان بردار رہنا۔"

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں ہوا تھا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان ہوتے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ”میں اور صفین میں اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا۔“

اعتذار..... حضرت رجاء فرماتے ہیں کہ مسجد نبویؐ میں ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن عمروؓ اور ابوسعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبداللہ بن عمروؓ نے (حضرت امام حسین بن علیؑ) کو آتے ہوئے دیکھا کر کہا ”کیا تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟“ لوگوں نے کہا ”کیوں نہیں؟ فرمایا ”وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعہ صفین کے بعد سے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے محبوب ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا ”کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کریں گے؟“ بولے کیوں نہیں؟ دوسرے روز ابوسعید خدریؓ کو ساتھ لے کر عذر خواہی کے لئے تشریف لے گئے، حضرت امام حسینؑ کو ان ملنے میں پس و پیش تھا، لیکن عبداللہ بن عمروؓ نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کر لی اور واقعہ صفین میں اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا ”رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا۔“

وفات..... ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھری میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا، حلیہ..... یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

علم و فضل..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہؓ میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور تورات و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبویؐ کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ تک کو اعتراف تھا کہ ”عبداللہ بن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا۔“

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون..... انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا جس کا نام صادقہ رکھا تھا چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے، ابو قبیل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ ”قسطظنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟“ ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے، کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ ہر قل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا۔“ ۱۔

حضرت عبداللہ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انہوں نے منع کیا، میں نے کہا ”آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟“ فرمایا ”یہ وہ صحیفہ حق ہے جس کو میں نے تمہارے رسول ﷺ سے من کر جمع کیا تھا“ پھر فرمایا اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وعظ کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پروا نہ ہو۔“ ۲۔

مرویات کی تعداد..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس میں ۷۱ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں۔ ۳۔

حلقہ درس..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیل حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور جہاں پہنچ جاتے تھے، شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش ہو جاتا تھا، ایک شخص شیخ کا بیان ہے کہ ”ایک مرتبہ ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمت آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یہی ہیں۔“ ۴۔

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا ”اس کو آنے دو“ غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔“ ۵۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل ۲ ص ۱۷۶ ج ۱۷۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۸

۳۔ تہذیب ص ۲۰۸

۴۔ ایضاً ص ۱۹۲

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوش چینی کی تھی کیونکہ ان کے حلقہٴ درس میں نسبتاً بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔

ارباب علم کی قدر شناسی..... وہ اپنے علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے ”تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔“

اخلاق..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے، طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گزر جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا ”عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت میں صرف کرو گے“ بولے ”ہاں! یا رسول اللہ! (بسی است و امی)“ فرمایا کہ ”تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، روزہ رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے سے برابر ہے“ عرض کی ”یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں“ ارشاد ہوا کہ ”ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو“ بولے ”میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں“ حکم ہوا کہ ”ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے“ عرض کی ”میں اس سے بہتر روزے رکھ سکتا ہوں“ ارشاد ہوا کہ ”اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں“۔

اسلام کا صحیح نظر رہبانیت نہیں، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوق عبادت میں حقوق عباد کو بھول نہ جائیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر پر تشریف لا کر فرمایا کہ ”روزے رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمہاری آنکھوں کا تمہارے اہل و عیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے“ میں نے عرض کی ”حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟“ ارشاد ہوا کہ ”نصف عمر“۔

غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن

اخیر عمر میں جب کہ قوی مضمحل ہو گئے تو اس قدر سخت ریاضت و شوار گزرنے لگی، فرمایا کرتے تھے، کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیتا!۔

ذریعہ معاش..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت خدم و حشم ملے تھے، طائف میں وہنظ کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی، جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی ۳۱ ایک مرتبہ عنبہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت و خون کی تیاریاں ہو گئی تھیں، خالد بن العاصؓ حضرت عبداللہؓ کو سمجھانے کے لئے آئے تھے تو انہوں نے جواب دیا، ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے گا وہ شہید ہے“ ۳۲

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام و نسب..... صہیب نام، ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صہیب بن سنان بن مالک بن عمرو بن عقیل بن عامر جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن ابی اسلم بن اوس مناة بن النمری بن قاسط، نب بن افسی بن دغی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری۔

ابتدائی حالات..... حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا، جو باختلاف روایت موصل کے قریب، لب دجلہ یا البزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسری کی طرف سے ابلہ کے عامل تھے، انہوں نے ابھی دنیا کی صرف چند بہاریں دیکھی تھیں، کہ رومی فوجوں نے ابلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نو نہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گل سرسید کے فقدان سے خزاں آگئی، ان کی بہن امیہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش و جستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام، مجامع، میلوں اور موسیقی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ لگا۔

وہ رومیوں ہی میں پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور اس عبد اللہ بن الجعد عان نے لے کر آزاد کر دیا۔ لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبد اللہ سے صرف حلیفانہ تھا، غرض وہ مکہ میں اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔

اسلام..... مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انہوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا ”تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“ بولے ”پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو، انہوں نے کہا ”میں تم سے مل کر ان کی گفتگو سنانا چاہتا ہوں“ بولے میرا بھی یہی مقصد ہے۔ غرض دونوں ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے، حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا،

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰، ۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۳۷ تذکرہ صہیب بن سنان،

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲، ۵۔ لٹ ص ۱۶۱

۶۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷ تذکرہ عمار بن یاسر

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

ابتلا و استقامت حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سر زمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتداء ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا جال ظاہر کر دیا اور راہ خدا میں گونا گوں مصائب و مظالم برداشت کئے لیکن استقامت صبر اور قتل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

ہجرت حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے، انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سد راہ ہوئے اور بولے، ”تم ہمارے یہاں مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو، خدا کی قسم! ایسا نہ ہوگا۔“ حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا ”اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ بیخ نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے مال و منال کے عوض متاع ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔

حضرت خیر الانامؓ اقواء میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ بھی حاضر خدمت تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا، کہ حضرت صہیبؓ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب گرائی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا ”یا رسول اللہ! آپ صہیبؓ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوب چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں۔“

آپ نے فرمایا ”صہیبؓ! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟“ مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے ”میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں“ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ ﷺ بے اختیار ہنس پڑے۔

جب بھوک کی شدت کسی قدر دفع ہوئی تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابو بکرؓ سے کہنے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۴ متدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۹

لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریک سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تہادیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت و ثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا، ارشاد ہوا "ابو تکھی! تمہاری تجارت پر منفعت رہی، اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی ہے۔

و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ (بقرہ)

"لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جانیں

بیچ دیتے ہیں۔"

حضرت صہیبؓ مدینہ میں حضرت سعد بن خثمہؓ کے مہمان ہوئے حضرت حارثؓ بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔

غزوات تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، غزوہ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے، عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔

سہ روزہ خلافت حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں، وہ امامت کا فرض انجام دیں، چنانچہ انہوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔

وفات ۳۸ھ میں پیکانہ حیات لبریز ہو گیا، ۷۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے گور غریباں میں مدفون ہوئے۔

اخلاق حضرت صہیبؓ سرچشمہ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا، اس بنا پر ان میں تمام اوصافِ حسنہ مجتمع ہو گئے تھے، حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سخی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پر لطف بنا دیا تھا۔

مہمان نوازی، سخاوت، و غرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا "صہیبؓ تمہاری باتیں مجھے

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۶۳

۲۔ ایضاً، مشترک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، جزء ثالث ص ۱۶۲

۴۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۳

۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

۶۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲

۷۔ استیعاب تذکرہ صہیب

نا پسند ہیں، اول یہ کہ تم نے ابو یحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو عرب کہتے ہو، بولے ”یہ کنیت میری نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس میں میرا اساس عمل رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے۔

خياركم من اطعم الطعام و رد السلام

”یعنی تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا

جواب دے۔“

امروم کا جواب یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہوں چونکہ رومیوں نے یحییٰ بن علی میں مجھے غلام بنا کر اہل و عیال سے جدا کر دیا اس لئے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا۔
حلیہ..... حضرت صہیبؓ کا حلیہ یہ تھا۔

قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے، زمانہ پیری میں مہندی کا خضاب کرتے تھے، از زبان میں لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں تحسن غلام کو نیاس، نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی ”وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ غلام تحسن کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔“

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام، نسب مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام حنا بنت مالک تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشیؓ۔

ابتدائی حالات حضرت مصعب مکہ کے ایک نہایت حسین نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت کرتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ حنا بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعمت سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آ سکتی ہے استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے“۔

اسلام خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی، توحید کے در باخط و خال نے شرک سے متفرک کر دیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدا یوں میں داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہؓ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا۔

ہجرت حبشہ حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترک وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیان امن و سکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر تھی، صرف جلوہ توحید کے ایک نظارہ نے

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ص ۸۲

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ

تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے رنگ و روپ باقی نہ رہا تھا تو خود ان کی ماں کو اپنے نور نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی۔

تعلیم دین و اشاعت اسلام..... اس اثناء میں خورشید اسلام کی غیا پاش شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گزر کر وادی یثرب تک پہنچ چکی تھی، اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے دربار نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات ﷺ کی نگاہ جو ہر شے نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن و اشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوت کے لئے بھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے، کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار (حضرت) اسعد بن معاویہؓ اپنے رفیق (حضرت) اسید بن خضیرؓ سے کہا ”اس داعی اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو، جو یہاں آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد و میزبان حضرت مصعبؓ سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔“ یہ سن کر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ کے پاس آکر خشم آلود لہجہ میں کہا ”تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ،“ حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا ”بیٹھ کر ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئے، قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائیں گے“ حضرت اسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسن اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی دیر میں حضرت اسیدؓ کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہو کر بولے ”کیسا اچھا مذہب ہے! کسی بہتر ہدایت ہے! اس مذہب میں داخلہ ہونے کا کیا طریقہ ہے؟“ حضرت مصعبؓ نے فرمایا پہلے تہادھو کر پاک کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کرو، انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا ”میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرنے لگے گا، میں ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔“

حضرت اسیدؓ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو

حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا ”خدا کی قسم! اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب ہو گیا ہے اور سب قریب آئے تو پوچھا کہ کیا کر آئے بولے خدا کی قسم وہ دونوں خدا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن رازہؓ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو چونکہ بنی حارثہ اور عبد الاشہلؓ میں دیرینہ عداوت تھی اس لئے حضرت اسیدؓ کا افسوس کا رگر ہو گیا، حضرت سعد بن معاذؓ جوش غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مخالف مذہبی کے باوجود اسعدؓ کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن جب یہاں پہنچ کر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسیدؓ نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی رحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور ختم گین لہجہ میں بولے ”ابو امامہ، خدا کی قسم! اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلہ میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور کر لیا، تو انہوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ نور ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں کے پاس آئے اور بجا تک بلند سوال کیا ”اے بنی اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟“ انہوں نے کہا ”تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو“ بولے خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ۔“

اس طرح عبد الاشہلؓ کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے۔

مدینہ میں جمعہ قائم..... مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی، تو حضرت مصعبؓ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خثمہؓ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنیاد ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا،

پھر خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنادیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر اکابر و اعیان کی پر عظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلم دین حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی ساتھ تھے، انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، آنحضرت ﷺ نے نہایت دلچسپی کے ساتھ واقعات سنے اور ان کی محنت و جانفشانی سے بے حد محفوظ ہوئے۔

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟" انہوں نے جواب دیا "میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا" حضرت مصعبؓ جب رسول خدا ﷺ سے ملاقات حاصل کر چکے تو ماں کے پاس آئے، اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے" بولے "میں رسول اللہ ﷺ کے دین برحق اور اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے میں رسول کے لئے پسند کیا ہے" ماں نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ ہرزین حبش میں برداشت کرنا پڑی، اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟" افسوس دونوں دفعہ تم نے عم خواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا، حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے "کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا" ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہہ کر رونے لگی، حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے، اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول برحق ہیں" اس نے کہا "چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھولی ہوں، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی"۔

تجہیز و تکفین لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ (الایۃ)

”مؤمنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا

اس کو سچا کر دکھایا۔“

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا ”میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے، پھر ارشاد ہوا ”بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گے،“ اس کے بعد غازیان دین کو حکم ہوا کہ کشتگان راہ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے“۔

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدان ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر آخر کی گھاس ڈالی گئی، اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سہیل بن سعدؓ کی ہجرت مدینہ حضرت مصعبؓ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سر کیے، اور پہلی ریح الاول کو سرور کائنات ﷺ سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔

غزوات ۲ھ سے حق و باطل میں خوریزی معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ میدان فصاحت کی طرح عرصہ و غام میں بھی نمایاں رہے، غزوہ بدر میں جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوہ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا۔ شہادت اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی علمبردار اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کے پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمرہ نے بڑھ کر تلوار کا دار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ

آیات جاری تھیں۔

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل (آل عمران ع ۱۵)

”اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔“

ابن قتیہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کوسینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور زور سے نیزہ تاک کر مارا، اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدد سے پرد خاک کیا، انا لله وانا اليه

راجعونہ!

فضل و کمال..... حضرت مصعبؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا، اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نماز جمعہ کی ابتداء ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔۲

اخلاق..... اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرانوردیوں نے جفاکشی، استقلال و استقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے، اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نو مسلموں کی تعلیم و تربیت اور اشاعت اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا۔

مزاج قدرۃ نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال کرتے تھے، حضری جو تا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام میں آتا تھا، ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب تو حید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز زور بار نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب سے عبرت سے گردنیں جھکا لیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”الحمد لله! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیے، یہ وہ نو جوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی

تازہ پروردہ نہ تھا، لیکن نیکو کاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔

حلیہ حلیہ یہ تھا، قدمیانہ، چہرہ حسین نرم و نازک اور زلفیں نہایت خوبصورت تھیں۔
اہل و عیال حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام آمنہ بنت جحش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ

نام و نسب عثمان نام، ابوالسائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام خلیلہ بنت العنس تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوی بن غالب القرشی النخعی۔

قبل اسلام حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاک باز تھے، ایام جاہلیت عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل و فتور آجائے ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔

اسلام اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہ کرام ایمان لائے تھے، ۳۱ ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت ابوسلمہؓ بن عبد الاسد اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہوئے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے۔

ہجرت حبشہ و معاودت ۵ھ نبوی میں بلا کشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ اس سب خانماں گروہ کے امیر تھے۔ ۵ھ ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر واپس تشریف لائے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامن گیر ہوتا تھا۔ غرض اسی حیس میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں

۱) اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۵

۲) طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۳۸۶

۳) اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۵

۴) طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۳۸۶

۵) تاریخ ابن ہشام جلد ۱ باب ہجرت ابی حبیب

رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ و احباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی: "افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے" اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: "اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے، اس وقت تک میں تمہاری..... پناہ میں تھا، لیکن اب خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں" میرے لئے رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے" ولید نے کہا: "شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی؟" بولے: "نہیں اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو" غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، اور فرمایا: "صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی با وفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے، اس لئے میں خود یہ اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لئے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا

الاکل شی ما خلی اللہ باطل

یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔

تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ "تم نے سچ کہا، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ

پڑھا،

کل نعیم الا محالہ زائل

"یعنی تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی"

تو بول اٹھے کہ "جھوٹ کہتے ہو" اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب

آلود ذال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق کی اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا ”تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی“ لبید نے خفیف ہو کر کہا ”گروہ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا حال یہ نہ تھا، اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی، اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگوں نے کہا ”عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، بولے ”خدا کی حمایت سب سے زیادہ با امن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے، وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے“ ولید نے کہا کیا اب بھی میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟ فرمایا ”میرے لئے صرف خدا کی پناہ بس ہے!“

ہجرت مدینہ حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے عموماً تمام صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دلوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ ابن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمین امن میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسلمہؓ بخلافی کے مکان پر فروکش ہوئے حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے۔

مواخات آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لئے وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالثیم بن العتیبان سے بھائی چارہ کرا دیا۔

غزوہ بدر اور وفات حق و باطل کی اول کشمکش یعنی معرکہ بدر میں شریک تھے، میدان جنگ سے واپس آ کر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دسویں کے ساتھ تیمارداری کی، لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ کے اخیر میں وفات پائی۔

حضرت ام العلاء انصاریہؓ (جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب جھبیر و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت ﷺ شریف لائے میں نے کہا ”ابوالسائب تم پر خدا

کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا ارشاد ہوا ”تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا؟ میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ! پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟“ فرمایا ”عثمانؓ کو درجہ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لئے بہتری کی امید رکھتا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں رسول خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا۔“

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال..... آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ بھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پر غم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسارے تر ہو گئے۔ پھر سر مبارک اٹھا کر بھرا لگی ہوئی آواز میں فرمایا ”ابو سائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا۔“

قبر..... اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے مقام بقیع کو اس کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گور غریباں میں مدفون ہوئے۔ آپؐ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کر کے فرمایا ”اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا۔“

اخلاق..... حضرت عثمانؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متنفر تھے، صبر و تحمل اور اسلامی حیثیت کے لئے پہلے گزر چکے تھے، مزاج میں شرم و حیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہ نبوت میں عرض کی ”یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہیں کرتا، ارشاد ہوا ”کیوں؟“ عرض کی حیا دامن گیر ہوئی ہے، فرمایا ”خدا نے اس کو تمہارے لئے اور تم کو اس کے لئے بے پردہ بنایا ہے“ دو جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپؐ نے فرمایا ”عثمان بن مظعونؓ تمہاری ہی باحیا، و پردہ پوش تھے۔“

رہبانیت کی طرف میلان طبع..... تجمل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انہوں نے چاباک قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صحرانوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت ﷺ نے باز رکھا اور فرمایا

”کیا میری ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی زیویوں سے ملتا

۱۔ بحوالہ ابی نعیم مجاہد ص ۱۲۹

۲۔ حقیقات ابن عبد البر ج ۱، ص ۲۸۸

۳۔ البدایہ ص ۸۷

۴۔ حقیقات ابن عبد البر ج ۱، ص ۲۸۸

۵۔ حقیقات ابن عبد البر ج ۱، ص ۲۹۱

۶۔ حقیقات ابن عبد البر ج ۱، ص ۲۹۱

ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، بے شک میری امت کا نفس بونا صاف روزے رکھتا ہے، اس لئے جو شخص نفسی کرے گا یا نفسی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔“

عبادت..... عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پر لطف مشغلہ تھا، رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انہوں نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا، جس میں رات دن معتکف رہتے تھے، ایک روز آنحضرت ﷺ اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا۔

”عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے، بہل اور آسان

دین جتنی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے۔“

شوق عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجہ محترمہ حرم نبویؐ میں آئیں، امہات المؤمنینؓ نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا، ”تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں“ مجھے ان سے کیا سروکار؟“ وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں“ امہات المؤمنینؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن معظونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ”عثمان بن معظون“ کیا میری ذات تمہارے لئے نمونہ نہیں“ بولے ”میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟“

ارشاد ہوا ”تم رات بھر عبادت کرتے ہو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو“ عرض کی ”ہاں ایسا کرتا ہوں“ حکم ہوا ”ایسا نہ کرو، تمہاری آنکھ کا، تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں۔“

۳۔ اہل و عیال..... حضرت عثمانؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم سے دوڑ کے عبدالرحمن اور سائب یادگار چھوڑے۔“

۱۔ ایضاً صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۲۸۷

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۷

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول ص ۲۸۶

حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ

نام و نسب ارقم نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف ابو الارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے:

ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم

حضرت ارقم کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبد اللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربراہ اور رہبر تھے۔

اسلام حضرت ارقم گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت ﷺ اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے، کہ اس تحریک کو با اثر ہونے سے پہلے معدوم کر دیں، لیکن اسلام فٹا ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، حضرت ارقم نے مہبط وحی و الہام اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروقؓ اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم و بیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گئی، اس وقت اس خطیرہ قدس کو چھوڑا۔

ہجرت بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقم بھی دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت ابو طلحہؓ زید بن سہل سے مواخات ہوئی، اور آنحضرت ﷺ نے مستقل سکونت کے لئے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

غزوات حق و باطل کی اول کشمکش یعنی غزوہ بدر میں شریک کارزار تھے، اس جنگ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک تلواریں مرحمت فرمائی تھیں، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔

عہدہ زمانہ رسالت میں تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔

وفات ۸۳ برس کی عمر پر ۸۳ھ رحلت گزین عالم جاوواں ہوئے، انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی جنازہ کی نماز پڑھائیں، لیکن وہ مدینہ سے کچھ

فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے، ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود آگے بڑھ کر امانت کرے، لیکن عبید اللہ بن ارقم نے اجازت نہ دی، اور قبیلہ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہو گئے، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاص شریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

اخلاق..... تقویٰ، تدین، زہد و راستبازی حضرت ارقم کی نمایاں اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بے حد شوق تھا، ایک دفعہ انہوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخت سفر درست کر کے رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جاتے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے ”میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! کوئی ضرورت نہیں ہے صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں“ ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، حضرت ارقم یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فرما دیا ہو گیا۔

ذریعہ معاش..... ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہو گیا تھا، اس لئے انہوں نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا، وقف الاولاد کر دیا، تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑوں سے محفوظ رہے۔

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مردہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہو کر گذرتے تھے، ۱۴ھ میں خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بحفہ اپنی حالت پر موجود تھا، لیکن اسی سال محمد بن عبد اللہ بن حسن نے مدینہ میں خروج کیا، چونکہ حضرت ارقم کے پوتے عبد اللہ بن عثمان ان کے معاونین میں تھے، اس سے منصور نے والی مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کر لیا اور اپنے ایک خاص معتمد شہاب بن عبد رب کو بھیج کر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبد اللہ بن عثمان نے پہلے انکار کر دیا، لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گراں قدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کر دیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا رفتہ رفتہ، دوسرے شرکاء بھی راضی ہو گئے، لیکن ان کا زر معاوضہ اس کے علاوہ ہے۔

ابو جعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیران کو دے دیا جس نے منہدم کر کے

نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردش ایام نے اس میں گونا گوں تغیرات پیدا کیے، اور اس طرح آغاز اسلام کی وہ پر عظمت یادگار جو عرصہ تک مطلع انور الہی و مہبط ملائکہ آسمانی رہی تھی، صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی۔

اولاد..... حضرت ارقمؓ نے دو لڑکے عبید اللہ، عثمان اور تین لڑکیاں، امیہ، مریم، اور صفیہ یادگار چھوڑیں۔

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام و نسب مقداد نام، ابو الاسود کنیت، عمرو کندی کے تحت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مظروہ النہرانی
حضرت مقدادؓ دراصل بہراء کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے
کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لئے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن
یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے
حلیفانہ تعلق پیدا کر لیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متبھی کر لیا تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی
کے انتساب سے مشہور ہوئے۔

اسلام وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید
کانوں میں آئی اور رسالت کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا، یہ وہ پر آشوب زمانہ تھا
کہ علامہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے
اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف
میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے ابتداء ہی میں اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔
ہجرت اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گونا گوں مظالم کا
نشانہ بنائے گئے، یہاں تک کہ یہاں صبر و تحمل لبریز ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہو رہی
تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں
تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا، تو
یہ اور حضرت عتبہ بن غزوہؓ ایک قریشی متحسین دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے،
عمرہ ابن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے ٹکڑ بھٹھڑ ہوئی،
حضرت عبید بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ

کر حضرت کلثوم بن ہدیم کے مہمان ہوئے۔
 رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی عدیلہ کے محلہ میں مستقل سکونت کے لئے زمین مرحمت فرمائی،
 کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انہوں نے اسی حصہ میں رہنا پسند کیا تھا۔
 غزوات..... ۲۰ھ سے شرک و تو حید میں باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور
 مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدان بدر کی طرف امتد آ یا چونکہ جان نثاران رسولؐ کے
 لئے یہ اولین آزمائش تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے پہلے مشورہ طلب کر کے اس قلیل لیکن اولوالعزم
 جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری کا
 جو ہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر میں اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا،
 لیکن مقدادؓ نے جس جوش و دارگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکا یک
 تمام فدائیوں کے جذبہ سرفروشی میں یحان پیدا کر دیا، انہوں نے عرض کی ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں
 کہیں گے ”تو اور تیرا خدا جا کر لڑے“ بلکہ ہم آپ کے داہنے بائیں، آگے پیچھے اپنی جان بازی
 کے جو ہر دکھائیں گے۔ ۳۱ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا
 ہے، اگر آپ ہم کو برک غمادتک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جا کر لڑیں گے، ۳۲ اس سادہ
 لیکن پر جوش اظہار فدویت سے آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ فرط انبساط سے چہرہ
 مبارک چمک اٹھا۔ ۵

حضرت مقدادؓ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگ بدر میں
 صرف یہی یکہ دہن شہسوار تھے جو اپنے سجدہ مبارک و کمہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحاب سیر کا
 عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوہ بدر کے علاوہ
 احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جان بازی کے ساتھ شریک کارزار تھے۔ ۱
 فتح مصر..... ۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی، اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیر عسکر نے
 دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے
 ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر
 ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچنے ہی جنگ کی
 حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمین فراعنہ فرزند ان تو حید کا ورثہ بن گئی۔ ۲

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱، تاریخ دمشق ج ۱۱

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر

۴۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۵۲

۵۔ مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۳۲۸

۶۔ بخاری باب غزوہ بدر

۷۔ مقرر بنی جلد اس ۶۵

وفات..... حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے، ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جرحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انہوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی جنت کو لبیک کہا، یہ ۳۳ھ میں خلیفہ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لا کر قلعہ کے گورغریباں میں دفن کی گئی، انہوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی۔

اخلاق..... حضرت مقدادؓ کو ناکوں محاسن اخلاق کے مظہر اتم تھے، انہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر جس جوش فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم کے لئے باعث رشک تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ”کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور جیلے میری زبان سے ادا ہوتے“، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر میں مقداد بن اسودؓ کے ساتھ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے بچھ ہے۔

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور طنفساری کے ساتھ زندہ ولی اور حاضر جوانی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و قوش پر طعنہ زن ہو کر کہا ”ابوالاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے پہلے معاف کر دیا ہے“ برجستہ بولے ”نہیں! انفر و اخفا و لقا! کا حکم اس سے منکر ہے“، وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے ”تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو“ حضرت عبدالرحمنؓ اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقدادؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربار نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا، اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنت عم سے بیاہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ ابن عبدالمطلب ان کے عقد نکاح میں آئیں۔

آغاز اسلام کی عسرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا تو، یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدمؓ کے گھر میں جگہ دی، آپ کے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں، جن کے

دودھ پر ہم لوگوں کا گزار تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپؐ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپؐ آسودہ ہو کر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرتؐ کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اسی شش و پنج میں تھا آنحضرتؐ تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپؐ نے کچھ کہنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرتؐ کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی لیکن آپؐ نے فرمایا:

اللہم اطعمہ من اطعمنی و اسق من سقانی

یعنی خدایا جو مجھے کھلانے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر۔ اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دودھ کو خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپؐ نے پوچھا ”کیا تم لوگ پی چکے ہو؟“ عرض کی یا رسول اللہ! آپ پہلے نوش فرمائیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں؟“ آنحضرتؐ نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا تو مجھے اپنی گزشتہ غلطی و ندامت پے بے اختیار ہلکی آگئی، آپؐ نے پوچھا ”ابوالاسود! یہ کیا ہے؟“ میں نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا:

”یہ خدا کی رحمت تھی، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں بیدار نہ کر دیا کہ وہ

بھی اس سے مستفیض ہوتے۔“

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفذ تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دربار میں چند آدمیوں نے ان کے روبرو تعریف و توصیف شروع کی، حضرت مقدادؓ اس مہملق اور چالپوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”مقداد! یہ کیا ہے؟“ بولے ”رسول اللہؐ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیوں کے منہ میں خاک بھر دو۔“

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آ کر کہا ”مبارک ہیں آپ کی آنکھیں، جنہوں نے رسول اللہؐ کی زیارت کی ہے، کاش! میں بھی اس زمانہ میں ہوتا“ حضرت مقدادؓ ان پر سخت برہم ہوئے، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے ”حاضر کو غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگوں نے رسول اللہؐ کا زمانہ پایا ہے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کر دیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ میں ہوتا؟ تم لوگوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ بغیر امتحان و آزمائش رسول اللہؐ کی تعلیم سے مستفیض ہوئے۔“

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے، کہ میں صرف نتائج نظر رکھتا ہوں، خصوصاً جب سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے۔

جاگیر و ذریعہ معاش..... تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیر میں جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔

حلیہ..... حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن و فرہ اندام تھے سر کے بال گھنے، ابرو پوسٹہ اور داڑھی نہایت موزوں و خوبصورت تھی۔

اولاد..... حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ

نام و نسب..... عبدالرحمن، نام، ابو عبداللہ کنیت، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رمان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونوں، حقیقی بھائی بہن تھے۔ ابتدائی حالات..... حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدائی میں حلقہ بگوش اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمن اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر ”ہل من مبارذ“ کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی۔ غزوہ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

اسلام..... حضرت عبدالرحمن صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے رخ کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ حضرت ابو بکرؓ کے یہاں مہمان تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ:

”میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے

پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا“

حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب ہدایات وقت پر مہمان کے سامنے ماہر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، حضرت عبدالرحمنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا ”خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا“ حضرت عبدالرحمنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرات کر کے سامنے آئے اور بولے ”آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا“ انہوں نے تصدیق کی اور کہا ”واللہ! جب تک آپ عبدالرحمنؓ کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اس طرح ان کا غصہ فرو ہوا، اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ اس

روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا۔

غزوات حضرت عبدالرحمنؓ نہایت شجاع و بہادر تھے، خصوصاً تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، واقعہ حدیبیہ کے بعد عہد نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

جنگ یمامہ یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنی قادر اندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا، انہوں نے اس جنگ میں نعیم کے سات بڑے جانباز افسروں کو نشانہ بنا کر واصل جہنم کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہو گئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمنؓ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہیں تڑپ کر ڈھیر ہو گیا اور مسلمان اس کے ساتھیوں کو رپلتے ہوئے اندر گھس گئے۔

یزید کی بیعت سے انکار امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی میں کوشش شروع کر دی ایک دفعہ ان کے ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگوں نے اس کی مخالفت میں صدارت کی ان میں ایک حضرت عبدالرحمنؓ بھی تھے، انہوں نے مروان سے غضب آلود لہجہ میں کہا ”کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے تھے“ مروان نے برہم ہو کر کہا ”صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے ”وَالَّذِي قَالَ لُؤْلُوٰاٰلِدِيْهِ اِفْ لَكُمْ“ (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں یہ گفتگو سن رہی تھیں، وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھیں ”نہیں! واللہ نہیں!! عبدالرحمنؓ کے متعلق نہیں ہے، اگر چاہو تو میں اس کا نام لے سکتی ہوں جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی“۔

حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمنؓ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیج دیئے، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا ”واللہ! میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔“

وفات حضرت عبدالرحمنؓ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً

۱۰ میل کے فاصلہ پر ”جیشی“ نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے، یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشہ عزلت میں واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے پھر نہ اٹھ سکے، حضرت عائشہؓ کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دے کر مار ڈالا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر تو اناوتندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد اس ان کا شک جاتا رہا،

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

و کنا لند مانی جذیمة حنفة

من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کافی و مالکا

لطول اجتماع لم یست لیلة معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں ”بھدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی“ ع

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

نام و نسب..... حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبد اللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلہ نسب میں اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنو نعم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلہ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے۔
قبل از اسلام..... ایام جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے۔

اسلام..... قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہاں حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنالیا، اور حضرت خالد بن زہلہؓ سے مواخات ہوئی۔
غزوات..... غزوہ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہر کام تھے۔

در بار مصر میں تبلیغ اسلام..... غزوہ حدیبیہ سے واپس آ کر ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعہ دعوت کا مضمون یہ تھا،

اما بعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم و اسلم يونك
الله اجرک مرتين فان تو ليت فان عليك اسم اهل القبط يا اهل
الكتاب تو لولى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا
نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله
”میں تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو گے تو تم محفوظ رہو گے اور خدا تم کو دونا اجر دے گا، اور اگر روگردانی کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر عائد ہوگا اے اہل کتاب! تم ایسے نکل کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں باہم مساوی

۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۸۵ حاطب بن ابی بلتعہ

۲۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۱۴

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ ج ۳ ص ۸۰

۴۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ ج ۳ ص ۸۰

۵۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۵۰

ہے، یعنی ہم لوگ صرف ایک خدائی پرستش کریں، کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں،
”مریم میں سے“ میں اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے۔“

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مصر پہنچ کر مقوقس کے دربار میں نامہ مبارک پیش فرمایا اور
حسب ذیل مکالمہ سے اس اسلام کی ترغیب دی
حضرت حاطب: ”تم سے پہلے یہاں ایک ایسا فرماں روا گذرا ہے جو بزرگم خود اپنے آپ
کو خدائے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اسکو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کر کے عبرتناک
انعام لیا، تم کو غیروں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ تم خود مرفع عبرت بن جاؤ۔“
مقوقس: ”ہم ایک مذہب کے پابند ہیں جس کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک کوئی
دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے۔“

حضرت حاطب: ”ہم تم کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو تمام مذاہب میں سب سے
زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس
طرح یہودیوں نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتاً قریب تر تھے، قسم ہے کہ
موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ نے محمد ﷺ کی بشارت دی ہے اور جس
طرح تم یہودیوں کو انجیل کی طرف بلاتے ہو اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔“

انبیاء کے زمانہ بعثت میں جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اس پر ان کی
اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم
تم کو دین مسیح سے پھیرتے نہیں، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔“

مقوقس: کیا درحقیقت محمد نبی ہیں؟

حضرت حاطب: کیوں نہیں!

مقوقس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا تو انہوں نے بددعا کیوں نہ کی؟
حضرت حاطب: ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسول خدا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو
انہوں نے صلیب پر کیوں نہیں دعا فرمائی اس دشمن جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے
تحسین و آفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم کی طرف سے آئے ہو۔“ میں نے جہاں تک غور کیا
ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہیں دیتا، اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، میں نہ تو اس کو گمراہ جادوگر
کہہ سکتا ہوں، اور نہ جھوٹا کاہن، اس نبوت کی بہت سی نشانیاں ہیں، میں عنقریب اس پر غور
کروں گا۔“ اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لے کر بائیں دانت کے ایک ڈبہ

میں بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت میں دیا۔

موقوف نے حضرت حاطبؓ کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت ﷺ کے لئے گراں قدر تحائف ساتھ کر دیئے، جن میں حضرت ماریہ و سیرین دو لونڈیاں دلدل نامی ایک خیر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے۔

غزوہ فتح مکہ.... میں فتح مکہ کی تیاریاں ہوئیں اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدبیریں عمل میں لائی گئیں، حضرت حاطبؓ کو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت میں قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برا بھینچتے کیا، انہوں نے ان پیاریوں کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن کشاف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضہ خانہ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائیں۔

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھایا تو آپ نے تعجب سے فرمایا ”حاطبؓ! یہ کیا ہے؟ عرض کی:

”یا رسول اللہ! میرے معاملہ میں غلت نہ فرمائیے، میں قریشی نہیں ہوں، تاہم ایام جاہلیت میں ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے چونکہ تمام مہاجرین اپنے مکی امزہ و اقارب کی حمایت و مسامحت کرتے رہتے ہیں، اس لئے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبى تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرئی رکھتے ہیں میں نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہیں کیا۔“

رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی اس نے ظاہر کر دی اس لئے اس کو کوئی برائہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں؟“ ارشاد ہوا ”کیا وہ معرکہ بدر میں شریک نہ تھے؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دے دی ہے، کہ تم جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے، رحمۃ للعالمینؐ کی اس شان درگزر پر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔“

اسی واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ
 إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ
 اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ،
 تم ان کی طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (مذہب) حق آیا
 ہے اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔

مصر کی سفارت..... آنحضرت ﷺ کے بعد خلیفہ اول نے انکو دوبارہ مقوقس کے دربار میں
 بھیج کر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے حملہ مصر تک
 طرفین کا معمول بہ تھا۔

وفات..... ۶۵ برس کی عمر پا کر ۳۰ھ میں رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، حضرت عثمانؓ نے
 جنازہ کی نماز پڑھائی اور مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اخلاق..... وفا شعار، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہیں، احباب
 اور رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع میں انہوں نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ
 درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی نیت خیر و صاف گوئی کو ملحوظ
 رکھ کر ان سے درگزر فرمایا۔

مزاج میں ذرا سختی تھی، چنانچہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے
 تھے، آنحضرت ﷺ اور خلفائے وقت ان کی اصلاح کر کے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک
 غلام نے دربار نبوت میں تشدد کی شکایت پیش کر کے کہا ”یا رسول اللہ! حاطبؓ جہنم میں
 جائے گا“ ارشاد ہوا ”تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بد رو حدیبیہ میں شریک ہوا ہے وہ جہنم میں نہیں
 جاسکتا۔“

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی بارہا غلاموں کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتیں سنی
 گئیں، ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انہوں نے اس
 کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی، یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت نے ان کو بلا کر کہا:

”معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلاموں کو جھوٹا کہتے ہو“

ایضاً کتاب التفسیر باب ثیس سورۃ الممتحنہ

۱۳ اعتبار جلد اس ۱۳۵

۱۲ اعتبار جلد اس ۱۳۵

۱۱ اعتبار جلد اس ۱۳۵

اور تہینہ و تادب کے خیال سے ان کے معاوضہ میں دو چند قیمت پیش کی۔^۱
 ذریعہ معاش تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، انہوں نے کھانے کی ایک دکان
 (ریسٹورانٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا، چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت
 سے مکانات چھوڑے۔^۲
 حلیہ یہ تھا، موزوں اندام، چہرہ خوبصورت، انگلیاں موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا۔^۳

۱۔ استیعاب جلد اول ص ۱۳۵
 ۲۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۲ ص ۸۰
 ۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۲ ص ۸۰

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا ہجرت نسب یہ ہے:

عبداللہ بن سہیل بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن ہبل بن عامر بن لوی۔
اسلام مکہ میں ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔
حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریوں سے تنگ آ کر ہمال تو حید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور شرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگان تو حید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے اور غزوہ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے، وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا؟ غرض میدان بدر میں جب حق و باطل کے فدا کی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغاز جنگ سے پہلے لوائے تو حید کے نیچے آکھڑے ہوئے۔

غزوات اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوان ملت کی پشت پناہی اور ہادی دین کے سایہ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۲

غزوہ بدر کے علاوہ تمام مشہور و معروف معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انہوں نے دربار نبوت میں اپنے والد کے لئے امان طلب کی، آپ نے امان دے کر حاضرین سے فرمایا:

”سہیل بن عمرو کو کوئی ٹکاؤ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ نبیت ذی عزت و

دانشمند ہے، ایسا شخص محاسن اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا، اور اب تو ان نے دیکھ

یا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں۔“

حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد کے پاس آ کر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا، بولے ”خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکو کار ہے“۔
 شہادت حضرت عبداللہؓ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پا کر ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔^۱

انا لله وانا اليه راجعون

حضرت ابو بکرؓ حج کیلئے مکہ آئے تو ان کے والد سمیلؓ کے پاس تعزیت کے لئے گئے، صابروشا کر باپ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت کرے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے گا“۔^۲

۱۔ التیغاب جلد ۳ ص ۳۹۵، ۲۔ ایضاً،

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۹۹

حضرت عتبہ بن غزو انؓ

نام و نسب عتبہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، غزو ان جابر کے تحت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عتبہ بن غزو ان بن جابر بن وہب بن نسیب، بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا۔

اسلام حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔ ہجرت کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک مکہ میں موجود تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے ٹکرائے ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ کر حضرت عبد اللہ بن سلمہؓ عجلانی کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت عتبہؓ اور حضرت ابو جاندہ انصاریؓ میں باہم مواخات ہوئی۔

غزوات تیر اندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن میں تھا، بے بدر، احد اور ان تمام معرکوں میں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

۱۔ مستدرک حاتم جلد ۳ ص ۲۶۰

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۳۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۹

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۴۔ مستدرک جلد ۳ ص ۳۶۰

۱۴ھ میں خلیفہ دومؓ نے ان کو بندرگاہ ابلہ حسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھے۔

”خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جہاں تک ممکن ہو تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ، اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین میں جا رہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد فرمائے گا“

میں نے علماء بن الحضر می کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیج کر تمہاری مدد کریں وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہیں تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو جو اس سے انکار کرے وہ مخلو مانہ ماجزی کے ساتھ جزیہ دے، در نہ تلواری سے فیصلہ کرو، راد میں جن عربی قبائل سے گزرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر براہیختہ کرو، اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو“

حضرت عقبہؓ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے و حبلہ تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کا زیر نگین کر دیا۔

تعمیر بصرہ اسی سال ان کا بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عقبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کف دست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا۔ ۳۱ھ اور حضرت نجش بن الادریج کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھاس پھوس سے بنائی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی۔ ۳۲ھ

ولایت حضرت عقبہؓ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، ۳۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود کو جانشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دے دیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو امارت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے، ان کی

خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی۔ ۱

وفات حضرت عبداللہؓ سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفہ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ”خدا یا مجھے بصرہ نہ پہنچا“ دعا مقبول ہوئی اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا ۲ انا لله وانا اليه راجعون

اخلاق ان کا چمن اخلاق گل ہائے رنگارنگ سے آراستہ تھا، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری اس باغ کے سب سے خوش آئند پھول ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیوں کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عزت و ناداری کے باعث درخت کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑتا تھا جس سے آنٹوں میں زخم پڑ جاتے تھے۔ ۳ زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے ”میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظر میں حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں“ ۴ انہوں نے بصرہ کی جامع مسجد میں ایک خطبہ دیا تھا، یہاں اس کے چند فقرے نقل کیے جاتے ہیں، ان سے ان کے خوف قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

”ساہو ہوا دنیا فتنی و کدشتی ہے، اس کا بڑا حصہ نذر چکا ہے اور اب صرف ریاض باقی ہے، جس طرح کسی طرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر میں کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہاں تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہیں تو پھر کیوں نہیں بہتر سے بہتر تھا کف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے ٹکھکایا جائے تو ستر برس میں بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہیں کر سکتا، لیکن خدا کی قسم اتم اس کو بھر دو گے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہونگے کہ چالیس سال میں اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ ان پر سخت اثر و عام ہوگا۔“

”میں جب ایمان لایا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے عزت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتوں پر گزارہ کرتے تھے، جس سے آنٹوں میں زخم پڑ جاتے

تھے، مجھے ایک دفعہ چادر مل گئی جس کو چاکر کے میں نے اور سعد نے تہ بند بنایا
 لیکن ایک دن وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، میں خدا
 سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں
 نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہوگی، اور تم عنقریب ہمارے بعد امیر
 وں کو آزاؤ گے' ایسے

حلیہ..... یہ تھا قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین و خوب رویہ

حضرت عامر بن فہیرہؓ

نام و نسب..... عامر نام، ابو عمر کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے، جو حضرت عائشہؓ کے اخیانی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک ممبر تھے۔
اسلام..... حضرت عامرؓ نے ابتداء ہی میں دعوت تو حید کو آویزہ گوش ہوش بنایا تھا، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃ ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کے دست کرم نے قید غلامی سے نجات دلائی۔

ہجرت..... ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ غار ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن پھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے یہاں ان کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا تھا، صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ جو عموماً شب کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے، واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشان قدم پر لے جاتے کہ مشرکین کو کچھ شبہ نہ ہو، غرض جب یہ قافلہ غار ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا، مدینہ پہنچ کر وہ حضرت سعد بن خثیمہؓ، مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔

ابتداء مدینہ کی آب و ہوا جن لوگوں کو اس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہو گئی، شدت بحر ان کے وقت یہ اشعار ورد زبان ہوتے تھے۔

انسی و جدت الموت قبل ذوقہ

ان الحیان حتفہ من فوقہ

میں نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا، بے شک بزدلی کی موت اوپر ہی سے ہے

۱۔ کتاب المغازی باب غزوۃ الریح الخ ج ۱ ص ۹۱

۲۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الریح

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۴

۴۔ اصابت ذکرہ ابن فہیرہؓ

کل امرہ مجاہد بطوقہ
کالشور یحییٰ انفسہ بروقہ
ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے جس طرح نیل اپنی ناک کو سینک سے محفوظ رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو جب مہاجرین کرامؓ کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی۔
”اے خدا! تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لئے پسندیدہ بنا اور اس کو بیمار یوں سے پاک کر“

دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہیرؓ بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
غزوات..... غزوہ بدر واحد میں شریک تھے، ۴۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرؓ بھی اس میں شامل تھے قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے ”عامر بن فہیرؓ“ اس نے کہا میں نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے، پھر زمین پر رکھ دیئے گئے۔

تعب انگریز شہادت..... حضرت عامر بن فہیرؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمیٰ کا نیزہ پار ہوا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

”خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا“

لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی، ملائکہ نے جہیز و تکفین کی، اور روح اقدس کے لئے اعلیٰ علیین کے دروازے کھول دیئے گئے، جبار بن سلمیٰ کو اس کرشمہ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

اخلاق..... حضرت عامر بن فہیرؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گویاہ قام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۳۴ سالہ زندگی کا بڑا حصہ تم پیشہ آقاؤں کی غلامی میں بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہری فریب آرائشوں کا محتاج نہیں، وہ حلقہ شہی و خرقہ گدائی میں ہمیشہ یکساں اپنی چمک دکھاتا ہے، انہوں نے گونا گوں مصائب و مظالم کے مقابلہ میں جس طرح استقلال استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے۔

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوہ یرمعونہ میں جب برچھی جگر سے پار ہو گئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا

فزت و اللہ

”یعنی خدا کی قسم کامیاب ہو گیا“

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابوسلمہ کنیت، والد کا نام عبدالاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومیؓ اسلام آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابوسلمہؓ حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔^۱

ہجرت حضرت ابوسلمہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شرکت تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آ کر عازم مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے، جو دار دیشرب ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا، ہے علامہ ابن حجرؒ ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”حضرت ابوسلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لئے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔“^۲۔

بہر حال حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کابل دو ماہ یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔^۳

مواخات آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن خثیمہ انصاریؓ سے مواخات کرا دی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔^۴

۱۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱

۲۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱

۳۔ فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۳

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۱

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۱

غزوات غزوہ بدر و احد میں سرگرم پیکار تھے، احد میں ابواسامہؓ جسی کے ایک تیرنے ان کا بازو زخمی کر دیا، جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا، اسی اثناء میں وہ سریہ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے۔

سریہ قطن قید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنواسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ طلحہ اور اسد بن خوید یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہیں، اس بنا پر اوائل محرم ۳ھ میں حضرت ابوسلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے، قبل از وقت اس فتنا انگیز تحریک کو دبائے پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کو علم دے کر فرمایا:

”رزانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنواسد کی سر زمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے

فراہم ہونے سے پہلے انکا شیرازہ منتشر کر دو“

حضرت ابوسلمہؓ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکا یک بنواسد پر جا پڑے، وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں سے پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا، چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھاگ کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ پہنچ کر بطور مال غنیمت دربار نبوت میں پیش کیا۔

وفات حضرت ابوسلمہؓ اس مہم سے واپس آنے تو زخم پھ عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ ہجری الاخر ۳ھ میں واصل حق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت ﷺ عین حالت نزع میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، روح دیدار جمال کی منتظر تھی، ادھر آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا۔

”انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس سے دیکھنے کے لئے کھلی رہ جاتی ہیں“۔

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروف ماتم تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعائے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمان جو میت کے پاس موجود ہوتے ہیں وہ دعائے گویوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے۔

”خدا یا اس کی قبر کو شاہد و روشن کر، اس کو پر نور بنا، اس کے گناہوں کے بخش

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثانی ص ۱۷۱

۲ طبقات ابن سعد قسم اول حصہ فارسی سریہ ابوسلمہ

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثانی ص ۱۷۱

دے اور بدات یا بجماعت میں اس کا درجہ بلند فرما“^۱
 تجہیز و تکفین..... حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ قبار
 سے منتقل ہوئے تو یہیں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئیں یسروہ کے پانی
 سے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپایا۔^۲

انا للہ وانا الیہ راجعون

فضائل و محاسن..... حضرت ابوسلمہؓ کا پایہ فضل و کمال نہایت بلند تھا، وہ بیمار ہوئے تو
 آنحضرت ﷺ اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔^۳

حضرت ام سلمہؓ عمر مانی ہیں کہ ایک روز ابوسلمہؓ دربار نبوت میں خوش خوش گھر واپس آئے،
 اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد نے بے حد محفوظ کیا، آپ نے فرمایا ہے کہ
 جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کے طرف رجوع کر کے کہتا ہے۔ ”اے خدا! اس
 مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما“ تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ ابو
 سلمہؓ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کر کے کہا ”اے خدا!
 میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما“ لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لئے ابوسلمہؓ کا نعم البدل کون ہو
 سکتا ہے؟ عدت گذرنے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہوا کہ
 خدا نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا کر دی ہے۔^۴

اولاد..... حضرت ابوسلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑی ان
 کی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المؤمنین میں
 داخل کی گئیں۔^۵

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۱۷۲

۲ ایام جاہلیت میں یہ کنوئیں یسروہ کے نام سے مشہور تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو بدل کر یسروہ نام رکھا (ایضاً ص ۱۷۲)

۳ ایضاً ص ۱۷۲

۴ اصابتہ تہذیب و ابوسلمہؓ

۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۲۷

۶ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۱۷۰

حضرت عبداللہ بن جحشؓ

نام و نسب :..... عبداللہ نام، ابو محمد کنیت والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن جحش بن رباب بن یحمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی

حضرت عبداللہؓ کی والدہ امیہ عبدالمطلب کی صاحبزوی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلہ بنی عبد شمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا۔

اسلام :..... حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت :..... مشرین قریش کے دستِ ظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دودفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابواحمد، عبید اللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، حنتہ بنت جحش نیز عبداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں۔

عبید اللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کر لی تھی وہیں پیوندِ خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔

مدینہ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی ارح النزاری نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں بھائی چارہ کرا دیا تھا۔

غزوات :..... ماہِ ربیع الثانی ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور

سر بہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں کو اپنا طرز عمل بنائیں، حضرت عبداللہؓ نے حسب ارشاد دو منزلوں کے بعد کھول کر پڑھا، اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے ضروری محالات کا پتہ چلائیں، انہوں نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً و طاعت کہا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولے:

”صاحبو میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پورا کر کے رہوں گا، تم لوگوں

میں سے جو شہادت کا آرزو مند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرنا ہو وہ ولوت جائے

میں کسی کو مجبور نہیں کرتا“

اس تقریر پر سب نے جوش رفاقت و جان نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچ کر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے، اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہ رجب میں مراسم جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانوں نے پھر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کر لی، اور یکا یک ٹوٹ پڑے عمرو بن حضری جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا حضرت عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے، بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس میں سے ایک خمس نکال کر باقی پہ حصہ مساوی تمام شرکائے جنگ میں تقسیم فرما دیا، اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا اور قرآن میں اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہؓ بخش ”مال غنیمت کا خمس لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو ماہ حرام میں خونریزی کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی، اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب نے ماہ محرم کو حلال کر لیا اور قتل و خونریزی کر کے اس کی بے حرمتی کی، لیکن وحی الہی نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان جگر دوز طعنوں سے بری کر دیا۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه كبر و صد

عن سبيل الله و كفر به و المسجد الحرام و اخراج اهله منه اكبر

عند الله و الفتنه اكبر من القتل (بقرہ ۲۷۵)

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے کہ نہ ہو؟ کہ اس

میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا)

اور اس کے اہل کو اسے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد و

خون سے زیادہ برا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوہ بدر و احد میں شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے میں نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی میرے الفاظ یہ تھے۔

”اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابل میں آئے وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہوتا کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں“
عبداللہ نے آمین کہا، پھر دست بدعا ہوئے۔

”خدا یا، مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور مریع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ! یہ تیرے کان، ناک کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لئے اور تیرے رسول کے لئے ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کر کہتے تھے ”خدا یا! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے لڑوں گا، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مثلہ کر لے گا“

شہادت..... غرض ۷ شوال ۳۱ھ سنچر کے روز معرکہ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں ابوالحکم ابن اخص ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کر دی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعدؓ نے دیکھا تو بولے :

”خدا کی قسم عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی“

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے ماموں سید الشہداء، حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے، ۳۱ھ انا للہ وانا الیہ راجعون
اخلاق..... گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و درافنگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی ان کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کیے گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا۔

”گو عبداللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس

کی نختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے“۔^۱ حج
 خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، انہیں اگر کوئی تمنا
 تھی تو صرف یہ کہ جان عزیز کسی طرح راہ خدا میں شمار ہو جائے، چنانچہ آرزو پوری ہوئی اور
 ”المجدع فی اللہ“ یعنی گوش بریدہ راہ خدا۔ ان کے نام کا فضل امتیازی ہو گیا۔^۲
 حلیہ..... حلیہ یہ تھا قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے۔^۳
 اولاد..... حضرت عبد اللہؑ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا،
 آنحضرت ﷺ اس کے ولی تھے اور آپ نے اس کے لئے خیر میں جائیداد بھی خرید فرمائی تھی۔^۴

حضرت عکاشہ بن محسنؓ

نام و نسب عکاشہ نام، ابو محسن کنیت، محسن بن حریثان کے نور نظر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ تھا، عکاشہ بن محسن بن حریثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ اسلام و ہجرت مکہ میں قبل ہجرت بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے ساقی اسلام نے جب یثرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خوران توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ غزوات غزوہ بدر میں غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ دو دم ریزے ریزے ہو کر از گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جس نے کھجور خارا شکاف بن کر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش و پامردی کے ساتھ نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول ۶ھ میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں پشیم غمر پر خیمہ افکن تھے، حضرت عکاشہ ثہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دو سوانٹ اور بھینز بکریاں گرفتار کر کے لے آئے۔

شہادت ۱۲ھ میں خلیفہ اول نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلحہ کی تیغ کئی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت ﷺ کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہ اپنے رہوار رزام اور حضرت ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے بحر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلحہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے ٹکرائے ہوئے جس میں خود طلحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھے، طلحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، وہ شہید ہوئے تو طلحہ نے پکار کر کہا۔

”سلمہ! جلد میری مدد کرو آؤ، مجھے یہ قتل کیے ڈالتا ہے“

وہ فارغ ہو چکا تھا، اس لئے یکا یک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو زغہ میں لے کر شہید

کر دیا۔

تجہیز و تکفین..... اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہؓ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، حضرت خالدؓ بن ولید امیرِ عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو رک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیرِ زمین نہاں کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

فضل و کمال..... فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و ساداتِ صحابہؓ میں شمار تھے، صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں ”کان ممن سادات الصحابة و فضلا نهم“ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخش دیئے جائیں گے انہوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی ”یا رسول اللہ! میں“ فرمایا ”تم بھی ان ہی میں ہو“ اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا ”عکاشہؓ“ تم پر سبقت لے گیا“ اس واقعہ کے بعد یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے ”فلاں عکاشہؓ کی طرح سبقت لے گیا“

حضرت ابو حذیفہؓ

نام و نسب ہشیم نام، ابو حذیفہ کنیت، والد کا نام عقبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

ابو حذیفہ بن عقبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشیؓ۔
اسلام حضرت ابو حذیفہؓ کے والد عقبہ ان ذی اثر و سائے قریش میں تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی، لیکن ارادہ خداوندی میں کون مانع ہو سکتا ہے؟ خود عقبہ کے تحت جگر حضرت ابو حذیفہؓ نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اور فرزند ان تو حید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسمپرسی کے ساتھ اسیر پنجہ ظلم و جفا تھی، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت حضرت ابو حذیفہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل بھی رفیق سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے۔
حبش سے مکہ واپس آئے یہاں ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں باہم مواخات کرا دی۔

غزوات عہد نبویؐ کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، خصوصاً غزوہ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جو ہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھا دی تھی انہوں نے اپنے والد کے مقابلہ کے لئے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عقبہؓ نے اشعار ذیل میں ملامت کی۔

الاحول الاثغل المشنوم طائرہ

ابو حذیفہ شر الناس فی الدین

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲، ثالث ص ۵۹

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲، ثالث ص ۵۹

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲، ثالث ص ۵۹

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۷۱

۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰

۳ استیعاب جلد تذکرہ ابو حذیفہ

احول بڑے دانت والا جس کا طائر نحت شوم ہے، یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے۔

اما شکرت اباریاک من صفر

حنی شیت شایبا غیر محجون

کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی، یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی۔

معمر کہ میں بدر میں عقبہ بن ربیعہ اور اکثر رومائے قریش سے تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈال دیئے گئے، آنحضرت ﷺ نے فردا فردا نام لے کر فرمایا، اے عقبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل! کیا تم نے وعدہ الہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابو حذیفہ کا چہرہ نہایت اداس تھا آپ نے غمگین دیکھ کر پوچھا ”ابو حذیفہ شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے“ عرض کی ”خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضورؐ نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلایا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا“ ۱۲

شہادت آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسئلہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دار الخلافہ سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور داد شجاعت دے کر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ ۱۳

اخلاق حضرت ابو حذیفہ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی جفاکشی و جوش ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالمؓ کی بیوی حضرت شیمہ انصاریہؓ کے غلام تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا، تو حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنا متعنی بنالیا، چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہؓ کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۴

حضرت ابو حذیفہؓ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کر دی کہ منہ بولا مینا محرم نہیں ہوتا تو ان کے حضرت سالمؓ کا زمان خانہ میں آنا جانا گوار کرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی:

”یا رسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابو حذیفہؓ

کو ناگوار گذرتا ہے۔“

ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو تمہارا محرم ہو جائے گا! غرض اس طرح متنبی ہونے کے ساتھ وہ رضائی فرزند بھی ہو گئے۔

حلیہ..... یہ تھا قد بلند بالا، چہرہ خوبصورت چشم احوال سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ ازواج..... حضرت ابو حذیفہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ بنت سمیل، آمنہ بنت عمرو، شیبہ بنت یعار انصاریہؓ

اولاد..... محمد بن بابی حذیفہؓ حضرت سہلہ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھا، طرفداران امیر معاویہؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہؓ حضرت آمنہ بنت عمروؓ سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لا اولد فوت ہوئے اس لئے حضرت ابو حذیفہؓ کا سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔ ۳

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

نام و نسب سالم نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ بنت یحار انصاریہؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے انہوں نے آزاد کر دیا تو حضرت ابو حذیفہؓ نے ان کو اپنا متبنی کر لیا اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں۔

وہ عموماً سالم بن حذیفہؓ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابو حذیفہؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بیٹی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ”ادعوہم لا بانہم“ یعنی لوگوں کو آپ نبی آباء کے انتساب سے پکارا کرو تو حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہؓ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت سالمؓ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و نبوت کے تعلق کو کالعدم کر دیا تھا حضرت ابو حذیفہؓ کو ان کا زمان خانہ میں آنا جانا تھا تا گوار گزرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے، اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، اب ابو حذیفہؓ کو ناگوار گزرتا ہے ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح وہ ابو حذیفہؓ کے رضاعی فرزند ہو گئے، لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سالمؓ کے لئے مخصوص اجازت تھی ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

اسلام و ہجرت حضرت سالمؓ غالباً مکہ میں حضرت ابو حذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے، دعوت اسلام کا غفلہ بلند ہوا تو انہوں نے ابتدا ہی میں لبیک کہا، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے مواخات کرا دی۔

ہجرت کے موقع پر حضرت ابو حذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچ کر حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن معاض انصار سے مواخات ہوئی۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۳۵

۲۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم

۳۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱

غزوات..... غزوہ بدر، احد، خندق اور عہد نبویؐ کی تمام جنگوں میں معرکہ آراء تھے، عہد صدیقی، میں یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا ”ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے، اس لئے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائیں گے“ بولے ”اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے زیادہ بد بخت حامل قرآن ہوں“ یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور درحقیقت انہوں نے اپنے کو بہترین حامل قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ میں داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائیں ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونوں بازوؤں نے حلقہ میں لے کر لوائے تو حید کو سینہ سے چمٹا دیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا۔

و ما محمد الا رسول

”محمد صرف ایک رسول ہیں“

و کان من نبی قتل معہ دبیون کثیر

”اور کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے۔“

شہادت..... زخموں سے چور ہو کر گرے تو پوچھا ”ابو حذیفہؓ نے کیا کیا؟“ لوگوں نے کہا ”شہید ہوئے“ بولے ”اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟“ جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے، فرمایا ”مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا“

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کی موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا ”افسوس! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا“ وہ اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحہ حیات تک جاننا زانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سراپہ منہ بولے باپ حضرت ابو حذیفہؓ کے پاؤں پر تھا۔

انا لله و االیہ راجعون

فضل و کمال..... حضرت سالمؓ ان بزرگوں میں تھے جو طبقہ صحابہؓ میں فن قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو یعنی ابن مسعودؓ، سالم مولیٰ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے۔ خدا نے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا جب آیات قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور راہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہو گئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولی کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہو گئی

اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت ﷺ خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ہیں، آپ نے خوش ہو کر فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا۔^۱

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی و حفظ قرآن کے باعث صحابہ کرامؓ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، حضرت سالمؓ مسجد قبا میں ان کی امامت کرتے تھے۔^۲ وہ مسجد قبا کے امام تھے، مہاجرین اولین جن میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، عرض قرآن کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا،

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب دم واپس کے وقت انہوں نے منصب خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا ”اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا“، یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے۔^۳ اخلاق..... حضرت سالمؓ کے قبائے فضل و محاسن اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما تھا، گزشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفا شعاری و یارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا، اہل حاجت کے لئے دست کرم کشادہ تھا چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انہوں نے اپنے متروکہ مال اسباب میں سے ایک ایک ٹکٹ مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کو گلو خلاصی کے لئے اور ایک ٹکٹ اپنے سابق آقاؤں کے لئے وصیت فرمائی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے ان کو سابق مالکہ حضرت شہیدہ بنت یحار کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں کہ میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس حصہ کو بیت المال میں داخل فرما دیا۔^۴

۱۔ اصحاب تذکرہ سالم

۲۔ بخاری کتاب السلم باب المہاجرین عبدالمولیٰ

۳۔ بخاری کتاب الاحکام

۴۔ البدایہ جلد ۲ ص ۲۴۶

۵۔ اصحاب تذکرہ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ

نام و نسب عبیدہ نام، ابو الحارث، یا ابو معاویہ کنیت، والد کانام حارث اور والدہ کانام خیلہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد مناف بن قصی القرشیؓ

اسلام حضرت عبیدہؓ حضرت ابوسلمہ بن اسدؓ حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔ ۲ مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے۔ ۳

ہجرت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ حضرت حصینؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں حضرت مسطحؓ کو بچھونے ڈنگ مارا، اس لئے وہ پیچھے چھوٹ گئے، لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہاں حضرت عبد الرحمن بن سلمہؓ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف و محبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد عمیر بن حمام انصاریؓ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔ ۴

غزوات ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال میں ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دید بانی کے لئے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام میں یہ دوسرا لوائے امارت تھا جو حضرت عبیدہؓ کو عطا ہوا۔

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دو سو مشرکین کی ایک جماعت سے ٹکڑ بھڑ ہوئی لیکن لئے جنگ و خونریزی کی نوبت نہ آئی، صرف معمولی طور سے چند تیروں کا تبادلہ ہوا۔ ۵ غزوہ بدر اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوہ بدر میں شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عقبہ، شیبہ اور ولید نے نکل کر ”ہل من مبارز“ کا نعرہ بلند کیا۔ لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے بڑھے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ”محمد ﷺ ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو“ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جنہیں لب کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہؓ اور ولیدؓ میں دیر تک کشمکش جاری رہی، یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے، چونکہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک ساتھ ولیدؓ پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہؓ کو میدان جنگ سے اٹھالائے۔

حضرت عبیدہؓ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا، اور تمام بدن زخموں سے چور تھا، آنحضرت ﷺ نے تسکین خاطر کے لئے ان کے زانو پر سر مبارک رکھ دیا، انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ“ اگر ابو طالب مجھے دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں۔

ونسلمہ حتی نصرع حولہ

ونذہل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمدؐ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد مارے جائیں گے اور

اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، تریسٹھ برس کی عمر میں داعی جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

فضل و کمال..... ان کو دربار نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت ﷺ کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افکن ہوئے، صحابہ کرامؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! یہاں مشک کی لپٹ آئی ہے“ فرمایا ”یہاں ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے؟“

حلیہ..... حلیہ یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت۔

اولاد..... حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔
معاویہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابرہیم، ربط، خدیجہ، خلیلہ، صفیہ

۱۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب البازرہ

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷

۳۔ استیعاب تذکرہ عبیدہ بن الحارث

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱ ثالث ص ۳۳۵

۴۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام و نسب شماس نام، والد کا نام عثمانؓ اور والدہ کا نام صفیہؓ تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے
 شماس بن عثمان بن الشریذ بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی
 ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمانؓ تھا، شماس اس لئے نام پڑا کہ ایک دفعہ
 ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین و جمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ
 اس کے غیر معمولی حسن و جمال پر سخت متعجب تھے، عقبہ بن ربیعہ نے جو حضرت شماسؓ کا مامور تھا
 دعویٰ کیا کہا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تاباں موجود ہے، اور مقابلہ میں
 حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہو گیا۔
 اسلام حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ صفیہؓ بنت ربیعہؓ نے بھی ابتدائی میں دعوت تو حید
 پر صداء بلیک بلند کیا تھا۔

ہجرت مشرکین کے ظلم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں،
 وہاں واپس آ کر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمنزہؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت
 ذظلہ ابن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔

غزوات غزوہ بدر و احد میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکہ احد
 میں اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیان اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور صرف چند
 جان نثار میدان رہ گئے تو حضرت شماسؓ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے ارد گرد
 فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ میں شماسؓ کے لئے ”سپر“
 کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ و راست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سر بکف نظر
 آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبط وحی والہام کے لئے سپر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں
 سے چور کر گر گئے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دم واپس کے چند انفاس باقی تھے،
 آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمارداری پر مامور
 ہوئیں، لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربار خداوندی سے حصول انعام کی دعوت

آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انہوں نے داعی کو لبیک کہا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی خونیں پیراہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ اُحد کے گور شہیدان میں دفن کرنے کا حکم دیا، اغرض چونتیس برس کی عمر میں سپرد خاک ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ
حلیہ حضرت شمس نہایت حسین و خوب رو تھے، چنانچہ اس تابانی رخ نے ان کو شمس کے نام سے مشہور کیا۔ ۳

اولاد ایک لڑکا عبد اللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لا ولد فوت ہوئے اس لئے سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔ ۴

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۴

۲۔ طبقات ابن سعد، تہذیب اول جز، طائفت ص ۱۷۱

۳۔ ایضاً ص ۱۷۵

۴۔ ایضاً ص ۱۷۵

حضرت شجاع بن وہبؓ

نام و نسب..... شجاع، نام، ابو وہب کنیت والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
شجاع ابن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودا بن خزیمہ
ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا۔۱
اسلام و ہجرت..... حضرت شجاعؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی
توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ قَظَم سے مجبور ہو کر سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت
میں شریک ہوئے تھے۔۲

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے گردن اطاعت
ختم کر دی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہنچ کر افواہ غلط ثابت ہوئی اس لئے
چند روز قیام کے بعد متلاشیانِ امن کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بن خولی سے
مواخات ہوئی۔۳

غزوات..... بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے، ہر ماہ ربیع
الاول ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی
مسافت پر مقام رسی میں خیمہ افکن تھی، حضرت شجاعؓ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک
جمعیت لے کر دن کو چھپتے ہوئے اورات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان پر جا پڑے اور شکست
دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو
سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا۔۴
سفارت..... غزوہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اکثر سلاطینِ عالم
سے دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث
ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے، خط
کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔۵

۱۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۳۸۸،

۲۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶،

۳۔ تیغاب تہ کرد شجاع

۴۔ تیغاب تہ کرد شجاع

۵۔ طبقات ابن سعد حصہ غازی ص ۹۲

۶۔ زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْحَارِثِ بْنِ اَبِي شَمْرٍ وَسَلَامٍ عَلَیْهِ مِنْ اَتْبَعِ
 الْهُدٰی وَاٰمَنَ بِهِ وَصَدَقَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ اِلٰی اَنْ تُوْمِنَ بِاللّٰهِ وَحَدِّهِ
 لَا شَرِیْكَ لَهُ یَبْقٰی لَكَ مَلِكُكَ

نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان و رحیم ہے

محمد رسول خدا کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی
 پیروی کرے ایمان لائے اور تصدیق کرے، بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے
 کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اسی صورت میں)
 تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی۔

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر ”مری“ نے
 اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہ نبوت میں پیام و سلام بھیج کر پوشیدہ و طور سے
 دین حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی۔

شہادت..... چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

حلیہ..... حلیہ یہ تھا طویل القامت لاغر اندام اور بال نہایت گھنے۔ ۱

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام و نسب..... محرز نام اور ابو نضلہ کنیت ہے لیکن عموماً آخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلہ یہ ہے۔

محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی یہ ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت..... قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں، مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو الانصار کے قبیلہ عبد الاشمل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمار بن حزمؓ سے اسلامی بھائی چارہ ہوا۔

غزوات..... غزوہ بدر، احد اور خندق میں جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوہ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ تھا، اس کی تفصیل یہ ہے۔

شہادت..... ۶۰ھ میں بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھایہ مارا اور گلہ بان کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ لے چلے، حضرت سلمہ بن الاکوہؓ موقع

واردات کے قریب موجود تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے غلام حضرت ربیعؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر، یا صبا جاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا

تیروں اور پتھروں سے ان غارت گروں کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثناء میں درختوں کے جھنڈ سے آنحضرت ﷺ کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت احرم اسدیؓ یعنی محرز

بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاریؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ تھے، حضرت سلمہؓ نے حضرت احرمؓ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا ”احرم! آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر

آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا“ بولے ”سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت میں حائل نہ ہو“ یہ جملہ کچھ ایسے جوش میں ادا ہوا تھا کہ حضرت

سلمہؓ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبد الرحمن فزاری کے سامنے جا کھڑے ہوئے، انہوں نے ایک ایسا وار کیا کہ عبد الرحمن کا گھوڑا کٹ ڈھیر ہو گیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی

نہ گیا، حضرت محرزؓ شہید ہو کر فرش خاک پر آئے، اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاہم ابوقادہ پیچھے موجود تھے، انہوں نے اس کو واصل جہنم کر کے ان کا انتقام لیا۔^۱

شہادت کے وقت محرز بن نضلہ کی عمر تقریباً ۳۸ یا ۳۷ سال تھی۔^۲

فضل و کمال..... گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان و شوق شہادت کا اندازہ ہوا، ہو گا، شہادت سے چند دن پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتویں آسمان اور سدرة المنتہی تک پہنچ گئے ہیں، یہاں سے کہا گیا کہ یہی تمہارا مسکن ہے۔

دوسرے روز انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے جو تعبیر روایا میں کمال رکھتے تھے، اس خواب کو بیان فرمایا، انہوں نے فرمایا ”احزم! تمہیں شہادت کی بشارت ہو“ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی اور غزوہ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرة المنتہی کے دائمی مسکن میں پہنچا دیا۔^۳

حلیہ..... رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین و خوبصورت تھے۔^۴

۱۔ مسلم جلد ۲ باب غزوہ ذی قرد،

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰۷،

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جلد ۳ ص ۶۷،

۴۔ ایضاً

حضرت شقران صالحؓ

نام و نسب..... صالح نام، شقران لقب اور والد کا نام تھا، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی خدمت گزاری کے لئے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمنؓ کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا۔

غزوات میں عموماً مال غنیمت اور قیدیوں کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت میں حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیوں کی نگرانی کرتے تھے، وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ وہ غزوہ بدر میں ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مال غنیمت میں حصہ پانے والوں سے بھی زیادہ نفع میں رہے۔

غزوہ بدر میں انہوں نے اس احتیاط و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر آزاد فرمادیا۔

غزوہ مریسج میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب سامان جنگ بھیڑ بکریاں اور ان کے ذریعات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے۔

آنحضرت ﷺ ان کی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقرانؓ حضرت خیر الانامؓ کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے، غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جانثار نے اپنے شفیق آقا کے لئے انجام دی۔

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد شقرانؓ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزین ہوئے، کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا، اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں۔

۱۱۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۵۳

۱۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۳۳

۱۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۳۲

۱۴۔ مد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱

۱۵۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۷۳

حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ

نام و نسب عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قاضی امیران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عمیر بن ابی وقاص بن وہیب ابن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔

اسلام حضرت عمیرؓ کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنہوں نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ میں حضرت عمیرؓ گونہایت کسن تھے، تاہم فطری سلامت طبع و خرد حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے، انہوں نے اس عہد طفولیت میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے ان کو نشہ تو حید سے مخمور کر دیا۔ ہجرت ۱۳ برس کا سن تھا کہ عام بلا کشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، آنحضرتؐ نے ان کی دل بستگی کے لئے حضرت سعد بن معاذؓ رئیس قبیلہ عبدالاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذؓ سے بھائی چارہ کرادیا، یہ دونوں تقریباً ہم سن (عمر) تھے۔

غزوہ بدر یہ ۲ھ میں مجاہدین اسلام غزوہ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع میں پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرب و بیقرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہیں پوچھا ”جان برادر یہ کیا ہے؟“ بولے ”بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے رسول اللہ ﷺ مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں گے۔“

آنحضرت ﷺ کے سامنے جب تمام جانثار یکے بعد دیگرے معاند کے لئے پیش ہوئے تو حضرت عمیرؓ کا خوف و حقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا کیونکہ آپؐ نے ان کو صغیر سی کا خیال کر کے فرمایا ”تم واپس جاؤ“ حضرت عمیرؓ یہ سن کر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے دُور جوش اور شوق شہادت نے حضور انور ﷺ کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاصؓ

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاصؓ

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۲۶

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۱۰۶

ان کے تلوار باندھی۔

شہادت حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور فوجوں نے کفار کے نرغہ میں گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشید تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبدود کی تلوار نے شہادت کی آرزو پوری کر دی۔

انا لله وانا اليه راجعون . ۲

حضرت عامر بن ربیعہؓ

نام و نسب عامر نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والد کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبد اللہ بن الحارث بن
رفیدہ بن عنز بن داکل

ان کے سلسلہ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہیں
عنز واکل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جن کی خوزیر معرکہ آرائیاں اب تک زبان زد
خاص و عام ہیں۔

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا، جنہوں نے فرط محبت سے حضرت
عامرؓ کو متبھی کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب
قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آباؤ اجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے
حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے۔
اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں بھی آخر وقت تک
نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے اسی
طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو اپنا جانشین کر کے حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس سفر میں
بھی ان کو اپنا رفیق بنایا۔

اسلام حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی
میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ
گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت شرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دستِ مظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے
رہنے نہ دیا وہ دفعہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حمزہؓ کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی
تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آ کر سرزمین یشرب کی راہ لی، ان کا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰

۲۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۲۸۱

۳۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۳۳۶

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ثالث ص ۲۸۱

بیان ہے کہ اس وقت تک صرف ابوسلمہ بن عبد الاسد مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت شمسہ گوعورتوں میں اولیت کا شرف حاصل تھا۔

غزوات..... بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے اور نہایت جفاکشی و جان کا ہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ ”رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عمر و ناداری کے باعث سامان رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے جو پہلے ایک ایک منھی سب کو ملتی ہے، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آ جاتی تھی، حضرت عبد اللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا، ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟ فرمایا ”جان پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے“

شورش سے کنارہ کشی اور وفات..... حضرت عثمانؓ آخری عہد خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایت تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی، دن رات روزہ نماز اور درود و غلاف میں مشغول رہتے ایک رات دیر تک مصروف عبادت رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں بشارت ہوئی ”اٹھ! خدا سے دعا کرو وہ تجھے اس فتنے سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندوں کو محفوظ رکھا ہے“ حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دو گانہ ادا کر کے نہایت خشوع اور خضوع سے بارگاہ رب الحاجات میں دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا یہاں تک کہ اسی حالت میں بیمار ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنوں بعد وفات پائی عزلت نشینی کے باعث لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی یا ایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے، ۳

اخلاق..... قدامت ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت نے ان کو اخلاق کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات |

سید الصحابة

مہاجرین

حصہ سوم

جس میں بقیہ ان صحابہ کرام کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی و
دینی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالمصنفین

آؤ کو بازار ایم سے جتھ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، آبائی سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، ماں کا نام نہ نب تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، نہ نب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن یحییٰ بن عمرو بن حصین۔

ولادت یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ غزوہ احد میں جو ۳ھ میں پیش آیا، چودہ برس کے تھے، اس حساب سے ان کی پیدائش کا تخمینہ زمانہ بعثت کا دوسرا سال ہے اور ۱۱ھ نبوی میں جب حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمرؓ کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ اپنے گھر کے در و دیوار پر اسلام کو پر تو فلن دیکھا اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا، جس طرح خاندان کے بڑے بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کمن بچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل ڈالتے ہیں، جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمرؓ کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے درحقیقت ان کو بیعت رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے، صحیح بخاری میں خود حضرت ابن عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا۔ اظہار ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق و باطل کی تمیز کی وہ وقت نگاہ نہیں رکھتا، جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذات خود رد و قبول پر آمادہ کر سکے۔

ہجرت انوار اسلام کی چمک کے ساتھ ساتھ شرکین کے ظلم و طغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمرؓ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا، اس لئے حضرت

عمرؓ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔

بدر..... ہجرت کے بعد حق و باطل کی پہلی آویزش غزوہ بدر ہے، اس وقت ابن عمرؓ کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی، صغیر السن ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔

أحد..... اس کے ایک سال بعد، دوسرا معرکہ احد میں ہوا اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ ۱۴ سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے، اس لئے اس مرتبہ بھی ان کی درخواست مسترد ہو گئی۔

خندق..... أحد کے دو سال بعد ۵ھ غزوہ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے جس میں ان کو سرکار رسالت سے شرکت کی اجازت ملی۔ بیعت رضوان..... ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب ہوئے اور بیعت رضوان کا بھی شرف حاصل کیا اور حسن اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کر لیا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لئے بھیجا تھا کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہو سکیں حضرت عبداللہؓ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ سے بیعت لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی، انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

خیبر..... اس کے بعد غزوہ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سفر میں آنحضرت ﷺ نے طلال و حرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے وہ ان کے راوی ہیں۔ فتح مکہ..... قریش اور اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا۔ اس وقت ابن عمرؓ کی عمر ۲۰ سال کی تھی، پورے جوان ہو چکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے۔ سامان جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا جسم پر ایک چھوٹی سی چادر بھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لئے گھانس کاٹ رہے تھے اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو تعریف کے لہجہ میں فرمایا کہ ”عبداللہ ہے عبداللہ“ فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اونٹ

۱۔ ابن سعد ج ۴ ق اول تذکرہ ابن عمرؓ

۲۔ بخاری کتاب المغازی جلد ۲ ص ۵۸۸

۳۔ ایضاً باب غزوہ خندق

۴۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

۵۔ بخاری جلد ۲، باب غزوہ خیبر ص ۶۰۶

پر سوار مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ سوار تھے حضرت عثمان بن طلحہؓ اور بلالؓ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کے محن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگائیں اور کعبہ کھلوا کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے، ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔ غزوہ حنین..... فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی صف آرا تھے، چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ہم غزوہ حنین سے لوٹے تو حضرت عمرؓ نے اعتکاف کی نذر کے متعلق پوچھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مانی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔

محاصرہ طائف..... اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا، اس محاصرہ میں بھی ابن عمرؓ پیش تھے، چنانچہ اس محاصرہ کے واقعات بیان کرتے تھے کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے، یہ ارشاد لوگوں پر گراں گذرا انہوں نے عرض کیا، کیا بغیر فتح کیے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا اچھا کل پھر لڑو، چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے لڑنے لڑی ہوئے، آپ نے پھر فرمایا کہ انشاء اللہ کل واپس جائیں گے، اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کر لیا، اس پر آپ مسکرا دیئے۔

حجۃ الوداع..... حجۃ الوداع آنحضرت ﷺ کا آخری حج تھا، اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ کے ہم رکاب تھا، حضرت ابن عمرؓ بھی اس شرف میں شریک تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہؓ نے بال منڈائے تھے اور بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔

غزوہ تبوک..... ۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا، اس میں آنحضرت ﷺ نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے تبوک کا رخ کیا تھا، حضرت ابن عمرؓ اس میں بھی شریک تھے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ حجرہ کی طرف گذرے فرمایا ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے، اگر گذرنا ہے تو حیثیت الہی سے روتے ہوئے گذر جاؤ۔

غرض غزوہ خندق سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بڑی مہم نہ تھی جس میں انہوں نے شرکت کی عزت حاصل نہ کی ہو۔

عہد صدیقی..... ابن عمرؓ محمد صدیقی میں کہیں نہیں نظر آتے،

۱ بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ ۱۲

۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حنین

۳ بخاری کتاب المغازی غزوہ طائف۔ بخاری جلد ۲ باب حجۃ الوداع۔

۴ قدیم اقوام عاد و ثمود کی آبادیاں۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ تبوک

عہد فاروقی..... البتہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں شریک رہے، لیکن محض ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے، نافع کا بیان ہے کہ جب ابن عمرؓ ہند کی جنگ میں شریک ہوئے اور بیمار پڑ گئے تو پیاز کو دھاگے میں پرو کر دوامیں پکاتے تھے، جب اس میں پیاز کا مزہ آ جاتا تھا تو اس کو نکال کر دوالی لیتے تھے، ایشام اور مصر کی فتوحات میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان فتوحات میں ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے اور اس زمانہ میں سلطنت کے انتظامی امور میں بھی انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عزیزوں کو اس میں پڑنے نہ دیتے تھے، تاہم جہاں امت کے نفع و نقصان کا کوئی سوال پیش آ جاتا تو حضرت ابن عمرؓ اپنے والد بزرگوار کی سخت گیری کے خطرہ کو برداشت بھی کر لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کا وقت آخر ہوا اور ابن عمرؓ کو اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کو زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا خیال نہیں رکھتے، جس سے ان کے خیال میں آئندہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا تو ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا بیان ہے کہ میں یہ جرات تو کر گیا مگر مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں، میں پہنچا تو پہلے حضرت عمرؓ لوگوں کے حالات پوچھتے رہے، پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی یہ میگوئیاں گوش گزار کرنے حاضر ہوا ہوں ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہ فرمائیں گے، فرض کیجئے کہ وہ چرہ داما جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے، اگر گلہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا جائے تو شر کا کیا حشر ہوگا؟ ایسی حالت میں انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے! حضرت عمرؓ نے اس معقول استدلال کو پسند کیا، پھر کچھ سوچ کر بولے خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے، اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کہ ابو بکرؓ نامزد کر گئے تھے، ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین خود نہ بنا جائیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا، جس میں متعدد ا کا بر صحابہ شامل تھے، عہد عثمانی..... ابن عمرؓ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں نظر آتے ہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبد اللہ بخثیت مشیر شریک ہوں، مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نہیں نامزد کیے جاسکتے۔ ۳

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا، مگر انہوں نے اس

سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، حضرت عثمان نے قضاء کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے معذرت کر دی کہ ”میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جاہل جس کا ٹھکانا دوزخ ہے، دوسرا عالم مائل الی الدنیا، اس کا مستقر بھی دوزخ ہے، تیسرا جوا جہاد کرتا ہے اور صحیح رائے قائم کرتا ہے اس کے لئے نہ عذاب ہے نہ ثواب“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہارے باپ تو فیصلے کرتے تھے، بولے یہ صحیح ہے، لیکن جب ان کو کسی پیچیدہ بات میں دشواری پیش آتی تھی تو آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب آنحضرت کو دشواری ہوتی تھی تو جبریل سے دریافت فرماتے تھے میں کس کی طرف رجوع کروں گا؟ کیا آپ نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی، اس لئے خدا ارامجھ کو کہیں عامل نہ بنائے ان کے انکار پر حضرت عثمانؓ نے زیادہ اصرار نہیں کیا، البتہ یہ عہد لے لیا کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔

مگر ملکی انتظام سے اس کنارہ کشی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے چنانچہ ۳۷ھ میں، افریقیہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں شریک ہوئے ۳۸ھ میں خراساں اور طبرستان کے معرکوں میں سعید بن عاصؓ کے ساتھ رہے ۳۹ھ میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو بالکل کنارہ کش ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہیں لیا، اس احتیاط کی بنا پر خلافت کے اعزاز سے بھی انکار کر دیا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ ہیں فرمایا، جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنے لئے ایک بچنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا، لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بار گراں کو نہیں سنبھالتے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن انھوں نے اس دھمکی کی بھی مطلق پرواہ نہ کی اور خلافت جیسے رفیع اغزاز سے جو اس وقت فتنوں کا مرکز بن گیا تھا اپنے کو بچائے رکھا۔

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عمرؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں سے کس کی خلافت تسلیم کی، ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ کی خلافت کے بارہ میں مسلمانوں کا اختلاف تھا اس لئے ابن عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس وقت اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیے۔ ۵۔ لیکن مستدرک نے غسان بن عبد الحمید کی روایت نقل کی ہے کہ ابن عمرؓ نے اس شرط پر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہ ان کے ساتھ خانہ جنگی میں نہ شریک ہوں گے اور

جناب امیر نے ان کو اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔ ہمارے نزدیک مستدرک کی روایت زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن حجر نے جس اصول کی بنا پر ابن عمرؓ کا حضرت علیؓ کی خلافت سے دست کش ہونا بتایا ہے، اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، گو حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا تاہم اسلام کے ارباب حل و عقد یعنی مہاجرین و انصار کی اکثریت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی اور ان کی نہایت ہی مختصر جماعت آپ سے الگ رہی، البتہ یہ مسلم ہے کہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون نہیں گرا لیکن ضمیر حق پرست تھا اس لئے جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ نہ دینے پر آخر دم تک متاسف رہے، فرماتے تھے کہ گو میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا، لیکن حق پر مقابلہ افضل ہے۔

جنگ صفین کے بعد جب حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم بنایا گیا تو ابو موسیٰؓ نے خلافت کے لئے ابن عمرؓ کا نام پیش کیا تھا، مگر عمرو بن العاصؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ حکم کے فیصلہ سناتے وقت آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ امت مسلمہ کی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے دو متہ الجند لائے تھے،

ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں دو نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے، ایک وہ جو حضرت علیؓ کو برا سمجھتا تھا، دوسرا وہ جو حضرت عثمانؓ کی برائیاں بیان کرتا تھا کہ وہ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اس بارہ میں حضرت ابن عمرؓ کی رائے پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کو اللہ نے معاف کیا (قرآن پاک میں اس کی آیت ہے) مگر تم معاف کرنا نہیں چاہتے اور علیؓ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور آپ کے داماد تھے اور دیکھو کہ وہ گھرانہ کا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ حضرت علیؓ کے بعد پھر امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے چنانچہ قسطنطنیہ مہم میں شریک تھے۔ ۵

خلافت یزید..... امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو حضرت ابن عمرؓ نے محض اختلاف امت کے فتنہ سے بچنے کے لئے اس کی بیعت کر لی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔ ۶

کچھ دنوں کے بعد جب مدینہ والوں نے سب بیعت کیا تو آپ نے اسی فتنہ سے بچنے کی خاطر اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی

۱۔ مستدرک جامع جلد ۳ ص ۵۵۸ طبع حیدرآباد

۲۔ ابن شیر جلد ۳ ص ۷۷

۳۔ استیعاب جلد اول ص ۳۸۱

۴۔ مجمع بخاری کتاب التفسیر و قالو ہم حتی لا نکون فتنۃ

۵۔ ابن سعد جز ۲، قسم اول تذکرہ ابن عمرؓ

۶۔ ابن اثیر حالات تملک قسطنطنیہ

ہے اور میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کے لئے بیعت کر لے اور پھر اس کو فسخ کر دے، اس لئے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلواریں فیصلہ کرے گی۔

یزید کی بیعت آپ نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی، امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاصؓ کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لئے بھیجا تھا انہوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک رقم خطیر پیش کرنا چاہی، رشوت کا نام سن کر وہ غصہ سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاصؓ کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔ معاویہ بن زید، مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت..... یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا، مگر اس کی خلافت صرف تین (۳) مہینہ رہی، اس کے بعد وہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اب اس کی وفات کے بعد ایک طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور عراق حجاز و یمن کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، دوسری طرف شام میں مروان نے اپنی بیعت لی، گو اکثر اسلامی ممالک ابن زبیرؓ کی طرف مائل تھے لیکن حضرت ابن عمرؓ ان کے دعوائے خلافت کو باز بچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے چنانچہ انہی کے زمانہ میں جب فریقین میں جنگ برپا تھی تو ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لئے لڑو، انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب فتنہ تھا تو ہم لڑے، فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کر سکیں، اب یہ خانہ جنگی جہاد نہیں بلکہ بادشاہی کے لئے لڑائی ہے مگر بائیں ہمہ جب عبدالملک کی طرف سے حجاج ابن زبیرؓ سے لڑنے کے لئے مکہ معظمہ گیا اور خانہ کعبہ کے ایک حصہ کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور اپنی برہمی کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

خلافت عبدالملک..... مروان کے بعد جب عبدالملک کی خلافت پر بیعت ہوئی تو آپ نے بھی تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”خدا اور رسول کی سنت پر میں اور میرے

[۱] ایضاً ص ۳۴ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بنی جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں بھی مذکور ہے

[۲] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۲۱

[۳] ابوالفتح جلد ۱ ص ۶۵۳ مطبوعہ مصر

[۴] ابن سعد قسم اول جز ۴ تذکرہ ابن عمر

[۵] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب حتی الامکان قتیلہ

[۶] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۸۷ حیدرآباد

لڑکے امیر المومنین عبد اللہ الملک کی سمع و طاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں، عبد الملک حضرت ابن عمرؓ کا بڑا احترام کرتا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کی اقتدا کرتا تھا اور حج کے موقع پر ارکان میں آپ کی اقتداء کا فرمان جاری کرتا تھا۔

علاست اور وفات..... ۳۷۷ھ میں تراسی چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی، وفات کا واقع یہ ہے کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی ٹوک جوڑ ہر میں بجھی ہوئی تھی ان کے پاؤں میں چھ گئی یہ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا اور یہی زخم ان کی موت کا باعث ہوا، عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کیے گئے تھے البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منجیق نصب کرائی اور ابن زبیرؓ کو شہید کر لیا تو اس کا یہ فعل شنيع ابن عمرؓ کو بہت ناپسند ہوا، آپ نے اس کو بہت برا بھلا کہا، حجاج برا فروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔ ۳۷۷ھ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ عبد الملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمرؓ کی مخالفت نہ کرے، یہ حکم اس پر بہت شاق گذرا لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ ۳۷۷ھ

ابن سعدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس میں اس نے ابن زبیرؓ پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے، حضرت ابن عمرؓ نے اس کی تردید کی اور فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے، نہ ابن زبیرؓ میں اتنی طاقت ہے نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی، لیکن حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ علانیہ کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتا تھا اس لئے خفیہ انتقام لیا۔ ۵

ابن خلکان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا آپ نے فرمایا کہ آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا، حجاج نے کہا جی میں آتا ہے کہ ”تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں“ فرمایا تجھ کو تا بین سے یہ بھی کچھ بعید نہیں دوسری روایت یہ ہے کہ عبد الملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسک حج میں حضرت ابن عمرؓ کی اقتداء کریں، حضرت عمرؓ حجاج کے عرفات اور دوسرے مواقع سے بغیر حجاج کا انتظار کیے بڑھ جاتے تھے، حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کرتی

مگر عبدالملک کے حکم سے مجبور تھا، اس لئے آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔
ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں، اگرچہ ان روایتوں کی صورت واقعہ میں اختلاف ہے۔ مگر تضاد نہیں اس لئے ان میں کسی کو غلط نہیں کہا جاسکتا ہو سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے، مگر حجاج ضبط کرتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابن عمرؓ کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے، تو اخیر میں آپ کا قصہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا اس لئے یہ صورت نکالی کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے مسموم نیزہ سے آپ کے پاؤں میں خراش دے دیں، اس ازدحام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہو سکے گا، اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہو جائے گا اور یہی ہوا، جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ کاش مجھ کو طرم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا، آپ نے فرمایا تم ہی نے یہ سب کچھ کیا اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کر دیتا، نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابن عمرؓ کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی تمنا بہت تھی، چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھ کو مکہ میں موت نہ دے اور اپنے صاحبزادہ ہالم سے وصیت بھی کی کہ اگر میں مکہ ہی میں مر جاؤں تو حدود حرم کے باہر دفن کرنا کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی پھر اسی میں پیوند خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا، وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا صحیح اور علم و عمل کا یہ آفتاب تاباں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔
تجہیز و تکفین..... وفات کے بعد وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا، مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھالی، مجبوراً ”ع“ مہاجرین کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

فضل و کمال..... حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت، آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی، سفر و حضر کی ہمرکابی، فاروق اعظم کی تعلیم و تربیت اور خود ان کی تلاش و جستجو نے مذہبی علوم کا دریابنا دیا تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بے کراں تھے، آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا، جب علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔

۱۔ ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۴۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۰

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷ ۳۔ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۱۳۶

۴۔ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۱۳۸

۵۔ تیس مستدرک جلد ۳ ص ۱۳۱ ابن سعد تذکرہ ابن عمر

۶۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دارۃ المعارف حیدرآباد

تلاوت و تفسیر قرآن..... تلاوت قرآن کے ساتھ آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اس کی سورو آیات پر فکر و تدبیر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف سورہ بقرہ پر ۱۴ برس صرف کیے اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر و تاویل کا غیر معمولی ملکہ پیدا کر دیا تھا، فہم قرآن کا ملکہ آپ میں عنفوان شباب ہی میں پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اکابر صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، ابن عمرؓ موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی اس مثال

الم تر كيف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها

ثابت و فرعها في السماء تو نئی اکلھا کل حین باذن ربھا (ابراہیم)

تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ وہ پاک

درخت کے مثل ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک میں واپس خدا

کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔

کے متعلق صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ وہ درخت کون سا ہے، جو مرد مسلم کی طرح سدا بہار ہے اس کے پتے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اس سوال کے جواب میں تمام صحابہؓ حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تک خاموش رہے، تو آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن ابن عمرؓ پہلے ہی سمجھ چکے تھے لیکن اکابر صحابہؓ کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہے، جب حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ تم نے جواب کیوں نہ دیا، تمہارا جواب دینا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

قرآن کے الفاظ کے معنوں پر بہت غائر نظر تھی، وہ ان کے ایسے جامع معنی اختیار کرتے تھے جو مفہوم پر پورے طور سے عادی ہوتے تھے، چنانچہ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل میں دلوک کے معنی ڈھلنے کے لیتے تھے،

”دلوک“ لغت میں ڈھلنے، زرد ہونے، غروب ہونے، تینوں معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اس کے معنی مطلق ڈھلنے کے لیتے ہیں، اس معنی سے ظہر، عصر، اور مغرب تینوں کے اوقات متعین ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ میل یا زوال کی تین منزلیں ہیں ایک متعارف جس میں سمت الاراس سے زوال ہوتا ہے، جو ظہر کا وقت ہے، دوسرا جس میں سمت نظر سے ڈھلتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے، تیسرا وہ جس میں سمت افق سے ڈھل کر غروب ہو جاتا ہے، یہ مغرب کا وقت ہے، بعض اوقات آیات کے شان نزول اور تاسخ و منسوخ کی لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کے

۱۔ موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی۔

۲۔ بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ ابراہیم و کتاب العلم باب الہم

۳۔ موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی باب ما جاء فی دلوک الشمس و غسق الیل

دلوں میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں، ابن عمرؓ اپنی فہم قرآنی سے اس قسم کے شکوک کا ازالہ کر دیتے ہیں، ایک شخص کو قرآن پاک کی اس آیت

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے، اسکو عذاب الیم کی بشارت دے دو۔

کے بارہ میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ زکوٰۃ دینے کے بعد کیوں اتفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے اور عدم اتفاق کی صورت میں عذاب الیم کی وعید کیوں ہے، اس نے ابن عمرؓ سے پوچھا، آپ نے بتایا کہ یہ وعید اس شخص کے لئے ہے، جو سونا چاندی جمع کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ قابل افسوس ہے۔ اور یہ آیت زکوٰۃ کے نزول کے قبل کی ہے، زکوٰۃ تو خود ہی مال کو ظاہر کر دیتی ہے،

اسی آیت میں ایک شخص نے ”کنز“ کے معنی پوچھے، آپ نے ایسے لطیف معنی بتائے کہ اگر یہ آیت نزول زکوٰۃ کے بعد کی بھی ہوتی، تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا، کنز کے لغوی معنی مال مدفونہ کے ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے بتایا کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس معنی سے لا ینفقون کا مفہوم صرف یکنزون سے ادا ہو جاتا ہے اور ینفقونہا سے مزید تاکید ہو جاتی ہے اور کنز کے لغوی معنی بھی نہیں جاتے، کیونکہ زکوٰۃ نہ دی جائے گی، تو خواہ مخواہ جمع ہی ہو گا، ورنہ پھر زکوٰۃ کا مطالبہ اور عذاب الیم کی وعید کیوں ہوتی اور جمع بمنزلہ دفن کے ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک اصل مفہوم و منشا اور اس کے انداز بیان کو سمجھنے میں ابن عمرؓ کو کیسا ملکہ حاصل تھا،

ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فتنہ میں قتال کے بارے میں کیا فرماتے ہیں قرآن کا حکم ہے کہ

فَاتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً

ان لوگوں سے مقاتلہ کرو یہاں تک فتنہ نہ باقی رہے

یہ سوال مسلمانوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں کیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا تم فتنہ کے معنی کیا سمجھتے ہو، یہاں قتال علی الفتنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بادشاہت کے لئے لڑو، بلکہ قتال سے وہ قتال مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کے دین میں داخل ہونا مسلمانوں کے لئے فتنہ تھا،

صحیح بخاری میں اس واقعہ سے متعلق جو روایت ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے ہنگامہ کے زمانہ میں دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا سب لوگ ختم ہو چکے آپ عمرؓ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، آپ کیوں نہیں میدان میں آتے فرمایا خدا نے بھائی کا خون حرام کیا ہے، اس لئے میں نہیں نکلتا، دونوں نے کہا خدا تو خود فرماتا ہے،

و قاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ

یعنی ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص خدا کے لئے

ہو جائے،

فرمایا بے شک ہم لڑے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین خدا کے لئے ہو گیا اور تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو اور دین غیر خدا کے لئے ہو جائے دوسری روایت میں ہے انہوں نے کہا یہ اس وقت کا حکم ہے جب مسلمان تعداد میں کم تھے اور وہ اپنے مذہب کا اعلان نہیں کر سکتے اور جب کرتے تھے تو کفار ان کو ستاتے تھے یہی فتنہ تھا جس کو روکنے کے لئے جہاد تھا اب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، اس لئے اب اس فتنہ کا ذکر نہیں رہا۔

حدیث تفسیر قرآن کے بعد حدیث نبویؐ کا درجہ ہے، ابن عمرؓ کا شمار اساطین حفاظ حدیث میں ہے، اگر ان کی مرویات کی تعداد حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کر لی جائے تو ان کے بہت سے اور اق سادہ رہ جائیں گے ان کی مجموعی تعداد ۱۶۳۰ ہے، ان میں ۱۷۰ متفق علیہ ہیں اور ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔

حدیث کی طلب و جستجو ابن عمرؓ کو حدیث نبویؐ کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر جستجو تھی کہ اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبویؐ، ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے پوچھ لیا کرتے تھے، اور ان کو یاد رکھتے تھے، اگر کوئی ایسی حدیث یا ایسا مسئلہ سنتے، جو ان کے علم میں نہ ہوتا، تو فوراً خود آنحضرت ﷺ یا حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے، ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا، جو ان کے علم میں نہ تھا، فوراً خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی، ایک مرتبہ ایک لکشی نے ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس صورت میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہو، انکو اس کا علم نہ تھا، اس لئے ابوسعید خدریؓ کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی۔

۱۔ دونوں روایتیں صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۸ کتاب التفسیر باب قاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ میں ہیں

۲۔ تہذیب الکمال ص ۲۰۷، مطبوعہ مصر

۳۔ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۹

۴۔ صحیح مسلم کتاب صلوة المسافرين و قصرہا جلد ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ مصر

۵۔ ابھام ص ۶۳۰، باب الرباء

حدیث کی اشاعت و تعلیم..... اس تلاش و جستجو نے ابن عمرؓ کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا، جس سے ہزاروں لاکھوں مسلمان سیراب ہوئے، ان کی ذات سے حدیث کا دافر حصہ اشاعت پذیر ہوا، حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ زندہ رہے، اس میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا۔ اسی لئے آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا کہ اس سے یہ مبارک سلسلہ منقطع ہو جاتا، مدینہ مستقل حلقہ درس تھا، اسکے علاوہ اشاعت کے لئے سب سے بہترین موقع حج کا تھا، جس میں تمام اسلامی ملکوں کے مسلمان جمع ہوتے تھے، چنانچہ آپ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے، اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث پھیل جاتی تھیں، لوگوں کے گھروں پر جا کر حدیث سناتے تھے، زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن عمرؓ کے ساتھ عبد اللہ بن مطیع کے یہاں گئے، عبد اللہ نے خوش آمدید کہا اور ان کے لئے فرش بچھایا، انہوں نے کہا میں اس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے آیا ہوں، رسول ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے دستبرداری کی، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرادہ جاہلیت کی موت مرا، ۳

ان کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، علی بن عبد الرحمن کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے شغل کر رہا تھا، نماز تمام کر چکا تو ابن عمرؓ نے ٹوکا اور کہا جس طریقہ سے رسول ﷺ پڑھتے تھے، اس طریقہ سے پڑھا کرو، پھر خود ہی طریقہ بتایا، ۴

ایک مرتبہ سعید بن یسار، مکہ کے راستہ میں آپ کے ساتھ تھے صبح ہونے کے قریب ہوئی تو سعید نے سواری سے اتر کر وتر پڑھی اور پڑھ کر پھر ابن عمرؓ سے مل گئے، انہوں نے پوچھا کہاں تھے، کہا صبح ہو جانے کے خوف سے سواری سے اتر کر وادا کی، ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ سعد نے کہا خدا کی قسم ضرور ہے، کہا رسول اللہ ﷺ اونٹ ہی پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھتے تھے۔ ۵

خود آپ کی ذات گرامی اوصاف نبویؐ کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کارآمد تھی، جس کا صرف ایک نظر دیکھ لینا اور چند ساعتیں آپ کی صحبت اٹھا لینا برسوں کے درس و تدریس کے برابر ہوتا ہے، آپ کا صحیفہ زندگی میں تمام احادیث عملاً بعنوان جلی مرقوم تھیں وہ تمام صحابہ اور تابعین جنہوں نے ان کو دیکھا

۱۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۸۱

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۴

۳۔ موطا امام مالک العمل فی الجنوس فی الصلوۃ ص ۳۰

۴۔ موطا امام مالک باب الامریا لدیہ ص ۴۳

تھا، بالاتفاق ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت ابو حذیفہؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبد اللہؓ نہیں بدلے، حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبویؐ کی حالت و کیفیت کا عبد اللہ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا، حضرت نافع جو عبد اللہ بن عمرؓ کے خادم اور شاگرد خاص تھے اور جوان کی خدمت میں بیس برس رہے تھے، وہ تابعین اور اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانہ میں ابن عمرؓ ہوتے تو ان آثار نبویؐ کو شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہیں۔

آپ کی ذات دوسروں کے لئے نمونہ تھی، لوگ دعا کرتے تھے کہ ”خدا یا ہماری زندگی میں ابن عمرؓ کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتداء سے فیضیاب ہوتے رہیں، ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں ہے۔“

اکابر علماء مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، سعید بن جبیرؓ جو خود بھی بڑے تابعی تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے لعان کے متعلق مجھ سے سوال کیا مجھ کو معلوم نہ تھا، میں نے ابن عمرؓ سے جا کر دریافت کیا، ابن شہاب زہریؓ جن سے بڑا کوئی محدث تابعین میں نہیں گذرا، کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ جو رسول ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک افادہ خلق میں مصروف رہے، ان سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات چھپی نہ تھی۔

چونکہ آپ ایک عالم کے مقتدا تھے، آپ کا ہر قول و فعل دوسروں کے لئے نمونہ بن جاتا تھا اس لئے اپنے ان امور و اعمال کی جن کو سنت سے تعلق نہ ہوتا، بلکہ طبعاً یا بدرجہ مجبوری سرزد ہوتے تشریح فرمادیتے تھے، آپ مروہ میں بال بنوارہ تھے، لوگ گرد و پیش جمع ہو کر دیکھنے لگے، فرمایا سنت نہیں ہے، بلکہ بال تکلیف دے رہے تھے، اس لئے بنوارہ گئے، یہ

ایک شخص آپ کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا چوتھی رکعت میں ہاتھ مار کر بیٹھا، اور دونوں پاؤں موڑ لئے، آپ نے اس کو مذموم بتایا، اس نے کہا آپ ایسے بیٹھتے ہیں، فرمایا مجبوری سے کرتا ہوں، آپ کا بدن بھاری تھا اس لئے مسنوں طریقہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

احتیاط فی الحدیث..... لیکن اس فضل و کمال، اس وسعت و علم اور اس دقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، محمد بن علی راوی ہیں کہ صحابہ کی جماعت میں ابن عمرؓ سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا، وہ حدیث میں کمی و بیشی سے بہت ڈرتے تھے، بے

۱۔ مستدرک جلد ۱۳ ص ۵۶۱، وابن سعد کہہ ابن عمرؓ

۲۔ ابن سعد جز ۴، قسم اول ص ۱۰۶

۳۔ مسلم کتاب الدعاء جلد اول ص ۵۹۴

۴۔ ابن سعد جز ۴، قسم اول ص ۱۱۳

۵۔ صحاح امام۔ تک الملک فی الجہد ص فی المصلو ص ۳۰

یہ تذکرہ احتفاظ جلد اول ص ۳۲

ابو جعفر کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ رسول اللہؐ کی حدیثوں میں کمی و زیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے اسجد اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبویؐ میں ابن عمرؓ سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گذرا اس لئے آپ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ مدینہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمرؓ کا ساتھ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے صرف ایک حدیث بیان کی ۱۲ امام فتحی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ روایت حدیث کو برا سمجھتے تھے یا کم بیان کرتے تھے بلکہ بلا ضرورت نہیں بیان کرتے تھے،

وہ احادیث کو آنحضرتؐ کے الفاظ میں روایت کرنا ضروری سمجھتے اور اس میں تغیر پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ عبید بن عمیرؓ حدیث سنا رہے تھے کہ ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المنافق كشاة من بين ربيضتين اذا اقت هولا نطحتها“ حضرت ابن عمرؓ نے فوراً ٹوک دیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے ”مثل المنافق بين غنمين“ عبید عمرؓ میں آپ سے بڑے تھے، اس لئے ان کو غیرت آگئی بہت براہم ہوئے، ان کے اس بے جا غصہ کا یہ جواب دیا کہ اگر میں نے آنحضرتؐ سے اس طریقہ سے نہ سنا ہوتا تو نہ تردید کرتا۔ ۱۳

اس احتیاط کی بنا پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، امام فتحیؒ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ کی روایت بہت درست ہوتی تھی، ۱۵ ابن شہاب زہریؒ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، موطا امام مالکؒ جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت اور وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے زیادہ تر ان ہی کی روایت پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو حضرت ابن عمرؓ سے ان کے خادم و شاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک نے سنا ہے حضرت ابن عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں تقریباً پندرہ برس رہے، پھر یحییٰ بن کاپوراؒ زمانہ دیکھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں گویا تیس برس رہے، پھر حضرت نافع ابن عمرؓ کی صحبت میں تیس برس رہے پھر امام مالکؒ حضرت نافع کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے اسی طرح مالک عن نافع عن ابن عمرؓ کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

ذات نبوی کے علاوہ آپ کے شیوخ میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، بلالؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ جیسے اکابر امت ہیں۔

تلامذہ..... آپ کے علم کی کثرت اور فیضان نے آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا صاحبزادوں میں بلال، حمزہ، زید، سالم، عبد اللہ، عبید اللہ، عمر، پوتوں میں ابو بکر، محمد، عبد اللہ غلاموں میں نافع، اسلم، بھتیجیوں میں حفص، عبد اللہ، عام لوگوں میں زید، خالد، عروہ، ابن زبیر، موسیٰ ابن طلحہ، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، عامر بن سعد، حمید بن عبد الرحمن، سعید ابن مسیب، عون بن عبد اللہ، قاسم محمد بن ابی بکر، مصعب بن سعد ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ، انس بن سیرین، بسر بن سعید، بکر بن عبد اللہ المزنی، ثابت البنانی، جملہ بن حکیم، حرملہ، حکم بن عینا، حکیم بن ابی جریہ، حمید بن عبد الرحمن حمیری، ابوصالح الصمان زادان ابو عمر، زبیر بن عربی زید بن حبیب، ابو عقیل، زہرہ بن معبد، سالم بن ابی الجعد، زید بن جبیر، سحی، سعد بن عبیدہ، سعید ابن حارث، سعید بن عمرو، صفوان بن محرز، طاؤس عطا، عکرمہ، مجاہد، سعید ابن جبیر، ابو الزبیر، عبد اللہ بن شقیق عقیلی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن مرہ، ہدائی، عبد اللہ ابن کیسان، عبیدہ بن جریج، عبد اللہ بن مقسم، عکرمہ بن خالد مخزومی، علی بن عبد اللہ الباری، علی بن عبد الرحمن وغیرہم۔

فقہ..... حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے کہ اسی پر تشریح اسلامی کا دار و مدار ہے، حضرت ابن عمرؓ کو تفقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر علم و افتاء میں کئی مدینہ کے ان مشہور صاحب فتاویٰ صحابہؓ میں جن کے فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، ایک ابن عمرؓ بھی تھے، فقہ مالکی جو ائمہ رابعہ میں سے ایک امام کی فقہ ہے، اس کا تمام تر دار و مدار حضرت ابن عمرؓ کے فتاویٰ پر ہے، اس بنا پر امام مالک فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ ائمہ دین میں تھے، ابن عمرؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے، کبار کی رائے ہے کہ تنہا ابن عمرؓ کے اقوال، اسلامی مسائل کے استفتاء کے لئے کافی ہیں۔

احتیاط فی الفتاویٰ..... مگر اس تفقہ کے باوجود حدیث کی طرح فتاویٰ میں بھی محتاط تھے جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا، فتویٰ نہ دیتے، حافظ ابن عبد البر نے احتیاط میں لکھا ہے کہ وہ اپنے فتویٰ میں اور اعمال میں نہایت سخت محتاط تھے اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔

۱۔ تہذیب المعجم جلد ۵ ص ۲۲۸، دائرة المعارف حیدرآباد۔

۲۔ تہذیب المعجم جلد ۲ تذکرہ ابن عمرؓ مع الموقنین ابن قیمر جلد اول ص ۱۳

۳۔ مقدمہ مسوی شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب

۴۔ تہذیب المعجم جلد ۲ اعلام الموقنین ابن قیمر جلد اول ص ۱۳

۵۔ احتیاط جلد اول ص ۳۸۰

اگر کوئی مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو اپنی کسر شان کا لحاظ کیے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا، آپ کو علم نہ تھا، فرمایا: ”مجھے نہیں معلوم“ اس کو ان کی صاف بیانی پر تعجب ہوا، کہنے لگا ”ابن عمرؓ بھی خوب آدمی ہیں جو چیز معلوم نہ تھی اس سے صاف لاعلمی ظاہر کر دی“، اب عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، فرمایا مجھ کو نہیں معلوم، تم میری پیٹھ کو جہنم کا پل بنا نا چاہتے ہو کہ تم یہ کہہ سکو کہ ابن عمرؓ نے مجھ کو ایسا فتویٰ دیا تھا۔ ابن عباسؓ کو آپ کا یہ طرز عمل تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھ کو ابن عمرؓ پر تعجب آتا ہے کہ جس چیز میں ان کو ذرا بھی شک ہوتا ہے خاموش رہتے ہیں اور مستفتی کو لوٹا دیتے ہیں۔ اگر کبھی فتویٰ دینے کے غلطی معلوم ہوتی تو ہلا پس و پیش پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کر دیتے، ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی ہریرہؓ نے آبی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، آپ نے ناجائز بتایا، بعد میں قرآن منکایا گیا تو دیکھا تو یہ حکم ملا، احل لکم صید البحر و طعامہ، چنانچہ انہوں نے عبدالرحمن کے پاس کہلا بھیجا کہ ”اس کے کھانے میں کوئی ہرج نہیں“، دوسرے عام مفتیوں کو بھی اپنی رائے و قیاس سے فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے، حضرت جابرؓ بصرہ کے مفتی تھے، ابن عمرؓ ان سے ملے تو پہلی ہدایت یہی فرمائی کہ ”تم بصرہ کے مفتی ہو، لوگ تم سے استفتاء کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بغیر فتویٰ نہ دیا کرو“ آپ کے نزدیک کتاب اللہ سنت رسول اللہ کے علاوہ کوئی تیسری قسم تھی ہی نہیں۔

قیاس و اجتہاد..... تاہم اس حیطہ کے باوجود بعض مسائل میں قیاس و اجتہاد ناگزیر ہے کیونکہ کتاب و سنت میں تمام مسائل کا استقصا نہیں ہے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، ابن عمرؓ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول ﷺ یعنی رسول ﷺ کے فیصلوں اور عملی مثالوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جب مقصد حاصل نہ ہوتا تو اجتہاد کرتے تھے لیکن مستفتی سے کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے، طاؤس کا بیان ہے کہ جب ابن عمرؓ کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا، جس کے بارہ میں کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ہوتا، تو پوچھنے والوں سے کہتے کہ ”اگر کہو تو اپنے قیاس سے بتاؤں“۔

لیکن قیاس و اجتہاد میں بھی آپ کو ایسا خدا داد ملکہ حاصل تھا اور آپ کی رائے بھی اتنی

۱ ابن سعدی ص ۱۴۵، ۲ اصابہ جلد ۳ ص ۱۰۹

۳ تذکرہ الحفاظ جلد اولی ص ۳۳

۴ موطا امام مالک باب ما جاء فی صید البحر ص ۱۸۳

۵ اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷ مصر ۱۶۱ھ

۶ تذکرہ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۳۳

۷ اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷

صائب اور فیصلہ کن بھی جاتی کہ بڑے بڑے ائمہ اس کے بعد کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، امام مالک کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمرؓ کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اس لئے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی، امام زین العابدینؓ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ بڑے صائب الرائے تھے، بڑے بڑے مشائخ کہا کرتے تھے کہ ”جس نے ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کیا اس نے پھر تلاش و تفتیش کے لئے کچھ نہیں چھوڑا“۔

بعض فتادے..... ایک شخص نے حاملہ عورت کے روزہ کی نسبت پوچھا کہ اگر حاملہ کو روزہ سخت معلوم ہو، یا اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، تو وہ روزہ رکھے یا افطار کر لے فرمایا افطار کر لے اور روزہ کے عوض روزانہ ایک مد گیہوں مسکین کو دے دیا کرے قرآن پاک کی آیت والذین یطیفونہ فدیۃ طعام مسکین کے متعلق صحابہؓ کی دو جماعتیں ہیں، ایک اس حکم کو منسوخ سمجھتی ہے اور دوسرے اس کو حاملہ، دودھ پلانے والی اور کبیر السن بوڑھوں کے لئے مخصوص کرتی ہے، حضرت ابن عمرؓ کا یہ فتویٰ دوسرے فریق کی تائید کرتا ہے،

عورتوں کے استعمالی زیوروں کی زکوٰۃ کے بارہ میں صحابہؓ اور مجتہدین کا اختلاف ہے، ایک گروہ اسکی بھی زکوٰۃ واجب ٹھہراتا ہے، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرا گروہ زیور میں زکوٰۃ کے وجوب کا قائل نہیں، حضرت ابن عمرؓ کا عمل دوسرے گروہ کا مؤید ہے چنانچہ اپنی لڑکیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے اور ان کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے، اس سے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ استعمال زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے کہ وہ ایک طرح سے عملاً عورت کے ضروریات میں سے ہیں ہاں لبتہ اگر کوئی زیور کو سرمایہ کے طور پر یا تجارت کی غرض سے رکھے تو بے شبہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور مجتہدین میں امام شافعی وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔

سکھائے ہوئے کتے کے شکار کی حلت کا مسئلہ تو خود قرآن پاک میں مذکور ہے، مگر اسکی بعض تفصیلات میں لوگوں کا اختلاف ہے، حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ اگر کتے نے شکار کا کوئی حصہ خود نہیں کھایا ہے تو خواہ وہ شکار مردہ ملے یا زندہ، دونوں صورتوں میں کھایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ غلام کے افعال عموماً آقا کی مرضی کے تابع ہیں، تاہم اس کے کچھ فطری حقوق ایسے

ہیں جن میں اس کو مکمل اختیار ہے اور آقا کی مرضی اور غشا کو کوئی دخل نہیں، ابن عمر غلام کے ان حقوق کے بڑے محافظ تھے، فرماتے تھے کہ اگر غلام کو آقا نے شادی کی اجازت دے دی تو پھر طلاق دینے نہ دینے کا مکمل اختیار اسی غلام کو ہوگا، آقا کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا، یعنی اگر آقا طلاق دلانا چاہے تو غلام طلاق دینے پر مجبور نہیں ہے۔

اسی طرح آپ عورتوں کے حقوق کے بھی بڑے محافظ تھے کہ انکے شوہران کو بازیچہ اطفال نہ بنالیں کہ جب تک چاہا کھیلا اور جب چاہا بگاڑ دیا، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ ابو عبد الرحمن میں نے اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دیدیا تھا، یعنی طلاق اس کی مرضی پر محول کر دی تھی اس نے طلاق لے لی، آپ کا کیا فتویٰ ہے، فرمایا عورت نے جو کچھ کیا صحیح کیا (یعنی طلاق پڑ گئی) اس نے کہا ایسا نہ کیجئے فرمایا میں کرتا ہوں کہ تم نے خود کیا۔ ۲

ربا (سود) کے معاملہ میں بہت سخت تھے، اگر ربا کا خفیف شائبہ بھی نکلتا تو اس کو ناجائز سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک سنار نے پوچھا کہ میں سونے کی چیزیں بنا کر اس سے زیادہ وزن کے سونے کے ساتھ بیچتا ہوں، اور یہ زیادتی میری محنت کا صلہ ہوتی ہے، آپ نے منع کیا، سونار بار بار پوچھتا تھا اور آپ منع کرتے تھے، آخر میں فرمایا کہ دینار سے دینار اور درہم سے درہم کے تبادلہ میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہونی چاہیے، اس کا مجھ سے عہد لیا گیا ہے اور میں تم سے عہد لیتا ہوں۔ ۳

اس تشدد کی بنا پر آپ قرض کے معاملہ میں کسی جانب سے بھی رعایت پسند نہ کرتے تھے چنانچہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک نا پسندیدہ تھی کہ ایک شخص مدت معینہ کے لئے قرض لے بھر قرض خواہ مدت معینہ سے پہلے روپیہ لینا چاہے اور اس کے عوض میں رقم کا کچھ حصہ چھوڑ دے ۴ گوربا کا فائدہ قرض خواہ کو ملتا ہے، اس لئے عام معنی میں یہ شکل ربا کے تحت میں نہیں آتی، لیکن چونکہ قرض کے سلسلہ میں رعایت ہے اور اس سے ایک فریق کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لئے اس میں ان کو ربا کا شائبہ نظر آیا۔

ابن عمرؓ کے فضل و کمال کی جستجو میں جہاں تک ہم اندازہ کر سکے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دور سے مروجہ علوم شاعری، نسائی اور خطابت کو آپ کا بارگاہ علم میں بار نہ تھا، اس کا ایک کھلا ہوا سبب یہ ہے کہ آپ زہد و اتقا کے سبب سے مذہبی علوم کے علاوہ دوسرے علوم میں وقت صرف کرنا پسند فرماتے تھے، اس لئے جو وقت بھی ملتا تھا، وہ اسی علمی جہاد میں صرف ہوتا تھا، دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلانہ جذبات سے آپ کا

۱۔ ایضاً ماجانی طلاق العبد ص ۲۰۹۔

۲۔ ایضاً ماجانی فی التخلیۃ والبریۃ و الشاہ ذالک ص ۲۰۰۔

۳۔ ایضاً بیج الذہب والورق عیناً و تہراً ص ۲۶۰۔

۴۔ رزقانی شرح سوطا ص ۱۳۱ مطبوعہ مصر

دامن اخلاق ہمیشہ پاک رہا، حسن و عشق، حسب و نسب، غلط تہور و شجاعت آپ کے نزدیک بے معنی الفاظ تھے، اس لئے آپ شاعر اور نساب نہ بن سکے کہ یہی چیزیں عرب کی شاعری کے عناصر اور اسکی مایہ خیر ہیں۔

سیاست کے خارزار سے ہمیشہ دامن کشان رہے، اس لئے تیغ زبان کے جوہر نہ کھلے چنانچہ انہوں نے خطیب کی حیثیت سے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی، تاہم آپ کے مختصر کلمات اور حکیمانہ اقوال پر روز خطبوں سے زیادہ وقیع، زیادہ پراثر اور زیادہ مفید تھے اہل علم کے بارے میں فرماتے تھے کہ ”آدمی اس وقت اہل علم کے زمرہ میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہ کرے گا اور اپنے سے کمتر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا“ ایمان کے متعلق فرماتے تھے کہ ”بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک وہ مذہب کے اس بلند مقام پر نہ پہنچ جائے، جہاں سے عوام اس کے مذہب میں اس کو احقر نظر آئیں“ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”کوئی بندہ خواہ وہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو، مگر جب دنیا کا کچھ حصہ اس کو مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے“ ایسی کے بارے میں ارشاد تھا کہ منگی بہت آسان شے ہے، خندہ چینی اور شیریں کھلائی؟

فضائل اخلاق..... ابن عمرؓ نے اسلام کے سایہ میں نشوونما پائی، فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت اور آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت نے اس پر اور جلادے دی تھی، اس لئے وہ خلق نبوی کا مکمل نمونہ بن گئے تھے اگرچہ تمام صحابہ کرامؓ پر خلق نبوی کا پرتو پڑا تھا، لیکن ابن عمرؓ پر ایسا گہرا اثر تھا کہ ان کی ہر اداسے شان نبوی آشکارہ تھی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ کام اسی طرح کرتے تھے، جس طرح سے آنحضرت ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اس کی مثالیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔ خشیت الہی..... خشیت الہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ہے، خشیت یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے انسان کے قلب میں گداز پیدا ہو، قرآن پاک میں صحابہؓ کی تعریف میں ہے، اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم کہ جب خدا یاد آتا ہے تو ان کے دل ٹل جاتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ میں یہ کیفیت بڑی نمایاں تھی، چنانچہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت،

الم یان للذین امنوا ان تحشع قلوبہم (آیہ)

کیا مسلمانوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد سے ان کے دل میں

خشوع پیدا ہو،

پڑھتے تھے تو ان پر بے انتہا رقت طاری ہوتی ۳ ایک مرتبہ حضرت عمیرؓ نے فکیف اذا

جنتنا من کل امة بشہید تلاوت کی، تو آپ اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان آنسوؤں سے تر ہو گئے اور پاس بیٹھنے والوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ بہ مشکل پرواشت کر سکے۔ فتنہ کے زمانہ میں جب ہر حوصلہ منداپنی خلافت کا خواب دیکھتا تھا، ابن عمرؓ اپنے فضل و کمال، زہد و اتقا، لوگوں میں اپنی عام ہر دلعزیزی اور مقبولیت بلکہ اکثریوں کی خواہش کے باوجود خدم کے خوف سے محترز رہے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا، ایک دن ابن عمرؓ خانہ کعبہ میں سر بسجود ہو کر کہہ رہے تھے کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے حصول دنیا میں قریش کی مزاحمت صرف تیرے خوف سے نہیں کی۔

عبادت و ریاضت آپ بڑے عبادت گزار و شب زندہ دار تھے، اوقات کا بیشتر حصہ عبادت الہی میں صرف ہوتا، نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ پیدہ صبح نمودار ہوا، اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع سحر تک استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے۔ روزانہ کا معمول تھا کہ مسجد نبوی سے دن چڑھے نکلے بازار کی ضروریات پوری کرتے۔ پھر نماز پڑھ کر گھر جاتے، محمد بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر چار پانچ مرتبہ اٹھ کر نمازیں پڑھتے تھے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ رات کو چھٹی مرتبہ آنکھ کھلتی تھی اٹھ کر نماز پڑھتے تھے، تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا، ایک رات میں پورا قرآن ختم کر دیتے، حج کسی سال نافع نہیں ہوا حتیٰ کہ فتنہ کے زمانہ میں بھی جب مکہ بالکل غیر مامون حالت میں تھا، انہوں نے حج نہ چھوڑا، چنانچہ ابن زبیرؓ اور حجاج کی جنگ کے زمانہ میں جب انہوں نے حج کا قصد کیا تو لوگوں نے روکا کہ یہ حج کا موقع نہیں، فرمایا اگر کسی نے روک دیا تو اسی طرح رک جاؤں گا، جس طرح آنحضرت ﷺ کو دشمنوں نے روکا تھا صلح حدیبیہ کے زمانہ میں، تو آپ رک گئے تھے اور اگر نہ روکا تو سعی و طواف پورا کروں گا، چنانچہ صرف اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کی نیت کی تھی، انہوں نے اس موقع پر عمرہ کی نیت کی کہ آنحضرت ﷺ کے اس واقعہ سے مشابہت ہو جائے۔ وہ یوں بھی تمام مسائل کے بڑے واقف کار تھے اور بکثرت حج کیے تھے، اس لئے صحابہؓ کی جماعت میں میٹا سک حج کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ معمولی سے معمولی عبادت بھی نہ چھوٹی تھی، چنانچہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے۔ مسجد جاتے وقت نہایت آہستہ آہستہ چلتے کہ جتنے قدم زیادہ پڑیں گے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ ۹

۱۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۵

۱۱ ابن سعد ج ۲ ص ۱۶۹

۱۳ ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ

۱۴ اسما جلد ۳ ص ۱۰۹

۱۵ شیخ بخاری کتاب الناسک باب الاضطرار

۱۶ اسما جلد ۳ ص ۱۰۹

۱۸ ابوداؤد جلد اول

۱۹ ابن خلکان جلد اول ص ۲۳۱

۲۰ ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۱۳

پابندی سنت حضرت ابن عمرؓ کی زندگی حیات نبوی کا عکس اور پرتو تھی، لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ کو پابندی سنت کا والہانہ جنون تھا۔ صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے اتفاقی اور بشری عادات کی بھی وہ پوری پیروی کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ حج کے لئے سفر میں نکلتے تھے تو آنحضرت ﷺ اس سفر میں جن جن مقامات پر اترتے تھے وہاں وہ بھی منزل کرتے تھے، جن مقامات پر حضور ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں وہاں یہ بھی پڑھتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جن راستوں سے آنحضرت ﷺ گذرا کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ جس مقام پر حضور نے کبھی طہارت کی تھی، اس پر پہنچ کر وہ بھی طہارت کر لیا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی عمل تھا، آنحضرت ذوالخلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، ابن عمرؓ بھی یہی کرتے تھے،

عام دعوت و عموماً ولیمہ قبول کرنا مسنون ہے، حضرت ابن عمرؓ روزہ کی حالت میں بھی دعوت و ولیمہ رد نہ کرتے تھے، اگرچہ اس حالت میں کھانے میں نہ شریک ہو سکتے تھے، مگر داعی کے یہاں حاضری ضرور دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ بھی ہمیشہ اس پر عامل رہے۔ عبادات کے علاوہ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں بھی اسوہ نبوی کو پیش نظر رکھتے تھے، چنانچہ ارکان میں صرف رکن یمانی کو چھوڑتے تھے، ترویہ کے دن احرام کھولتے تھے، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے، چپل پہنتے تھے، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے، بے غرض آنحضرت ﷺ کے وہ تمام حرکات و سکنات جو آپ نے بر سبیل سنت کیے یا طبعاً صادر ہوئے، ابن عمرؓ ان سب کی اقتداء کرنا ضروری سمجھتے تھے،

زہد و ورع حضرت ابن عمرؓ کی زندگی زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی، لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے، لیکن ابن عمرؓ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے، عام طور پر لوگوں میں آخر عمر میں جب قوی کا انحطاط ہوتا ہے، تو زہد و تقویٰ کا میلان ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن عمرؓ کی پیشانی پر غفوان شباب ہی میں زہد و ورع کا نور چمکتا تھا اور جوانان قریش میں آپ کی ذات دنیا کی ہوا و ہوس اور نفس کی خواہشوں پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والی

۱۲- البدایہ جلد ۳ ص ۲۴۷

۱- مستدرک ما تم جلد ۳ ص ۵۶۱

۱۳- البدایہ جلد ۳ ص ۱۰۶ مسلم جلد اول باب التعمیر فی بدی الخلیفہ

۱۴- البدایہ جلد ۳ ص ۱۰۹

۱۵- البدایہ جلد ۳ ص ۸۷ باب اجابۃ الداعی فی العرس وغیرہ

۱۶- البدایہ جلد ۳ ص ۲۰۰

۱۷- البدایہ جلد ۳ ص ۲۸ باب فسل الرجلین فی العلین والیسح علی العلین

۱۸- البدایہ جلد ۳ ص ۱۱۰۹ ہی مفہوم کی حدیث مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۵۹ میں بھی ہے

ذات تھی! حضرت جابر فرماتے تھے کہ ہم میں سوائے ابن عمرؓ کے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دنیاوی و فقر بیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، البتہ ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہیں ہوا۔ اس سے بڑھ کر ان کے زہد و تقویٰ کی کیا سند ہو سکتی تھی، کہ خود زبان رسالت نے ان کو ”رجل صالح“ کی سند عطا کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عمری کے زمانہ میں اکثر مسجد میں سویا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے دوزخ کے فرشتوں کو خواب میں دیکھا، جا کر اپنی بہن امیر المؤمنین حضرت حفصہؓ سے بیان کیا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عبد اللہ ”جوان صالح“ ہے، اس کے بعد وہ اکثر نمازوں میں مشغول رہے اور آخر عمر تک یہی زندگی قائم رہی، ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے لوگوں سے کہا کہ جو آنحضرت ﷺ کے ایسے اصحاب کو دیکھنا چاہتا ہوں، جن میں آپ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوا، تو وہ ابن عمرؓ کو دیکھے، ان کے علاوہ ہم سے ہر شخص کو حوادث زمانہ نے کچھ نہ کچھ بدل دیا ہے، حضرت زین العابدینؓ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ زہد و تقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر فائق تھے۔ ان کی پوری زندگی بزرگوں کے بیانات کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتی ہے، ابن عمرؓ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی تقویٰ اور پابندی و سنت کا خیال رکھتے تھے، ایک مرتبہ پانی مانگا، کسی نے شیشہ کے گلاس میں لا کر پیش کیا، انہوں نے انکار کر دیا، جب دوبارہ وہ لکڑی کے پیالے میں لایا تو پی لیا، پانی پی کر وضو کے لئے برتن مانگا، انہوں نے طشت و آفتابہ پیش کیا، آپ نے انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔

مال و دولت آپ کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں تھی اور بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرادیتے تھے، امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاصؓ کو حضرت ابن عمرؓ کا عندیہ کے لئے بھیجا، انہوں نے آکر کہا آپ صحابی اور امیر المؤمنین کے لڑکے ہیں، لوگ بھی آپ کی بیعت پر آمادہ ہیں، پھر کیوں نہ ہم لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لیں، انہوں نے پوچھا کیا سب آمادہ ہیں! کہا وہاں معدودے چند اشخاص کے سوا سب تیار ہیں، کہا اگر تین آدمی بھی میرے مخالف ہیں تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے، جب عمرو بن العاصؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ کشت و خون کو ناپسند کرتے ہیں تو دبے لفظوں میں کہا کہ ”پھر آپ ایسے شخص کے ہاتھ پر کیوں نہ بیعت کر لیں جس پر سب متفق ہو جائیں گے، اس کے عوض آپ کو اس قدر زمین اور نقد و مال دیا جائے گا کہ آپ کی پشت پائنت کے لئے کافی ہوگا، یہ سن کر آپ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا تمہاری یہ مجال، ابھی میرے یہاں سے نکل جاؤ اور پھر کبھی صورت نہ دکھانا، میرا دین تمہارے

چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ لوگ کندھوں پر تلواریں رکھے، آپس میں کٹے مارتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہاتھ لاؤ بیعت کریں۔
 عموماً پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے، ایک شخص چورن لایا، آپ نے پوچھا، کیا ہے! اس نے کہا اگر کھانا، مضم نہ ہوا ہو تو اس سے مضم ہو جاتا ہے، فرمایا، اس کی مجھ کو کیا ضرورت ہے میں نے تو مہینوں سے شکم سیر ہو کر کھانا ہی نہیں کھایا۔

مشتبہات سے اجتناب..... شدت ورع کی بنا پر ہمیشہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے، مروان نے اپنے زمانہ میں میل کے نشان کے پتھر نصب کرائے تھے، ابن عمرؓ ادھر رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے کہ اس میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ ہے اس طرح حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ ہمیشہ عہد رسالتؐ اور اس کے بعد خلفائے اربعہؓ کے وقت تک کھیتوں کا لگان لیا کرتے تھے، لیکن ایک مرتبہ رافع بن خدیجؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کھیتوں کے کرایہ سے منع کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے سنا تو جا کر ان سے تصدیق چاہی، رافع نے کہا کہ ہاں منع کیا ہے، تم کو معلوم ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں زمین کا لگان لیا جاتا تھا، اگرچہ انکو اس کا یقین نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا حکم دیا ہوگا، مگر محض اس احتمال کی بنا پر لگان لینا چھوڑ دیا کہ شاید بعد میں آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمادی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔

گلری اور خر بوزہ صرف اس لئے نہ کھاتے تھے کہ اس میں گندی چیزوں کی کھادی جاتی

ہے،

ایک مرتبہ کسی نے کھجور کا سرکہ ہدیہ بھیجا، پوچھا کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے، انہوں نے اس خیال سے پھکو ا دیا کہ سکر نہ پیدا ہو گیا ہو۔

اگرچہ غنا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم احتیاط کا اقتضا یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے چنانچہ جب اپنے صاحبزادے کو گنگنا تے ہوئے سنتے تو تنبیہ فرماتے بے

اگر کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی وہم ہوتا تو اس کا استعمال نہ کرتے، ایک دن بازار گئے وہاں ایک دودھاری بکری بک رہی تھی، اپنے غلام سے کہا لے لو، اس نے اپنے دام سے خرید لیا، آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے، اس لیے افطار کے وقت اسی بکری کا دودھ پیش کیا گیا، فرمایا کہ یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور غلام صدقہ ہے اس لئے اس کو

۱ ابن سعد جز ۲، ق ۱۱۱

۲ ایضاً ص ۱۱۰

۳ از لکھنؤ مقصد ۱، ص ۱۵۰، بحوالہ مصنف ابن ابی بکر،

۴ بخاری جلد ۳ ص ۳۱۵ باب ما کان اصحاب النبی ﷺ یوای بعضہم بعضاً فی الزکوۃ واثر

۵ ابن سعد جز ۲، ق ۱۲۰

۶ ابن سعد جز ۲، ق ۱۲۲

۷ ایضاً ص ۱۱۴

لے جاؤ، مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ کہیں دعوت میں تشریف لے گئے، وہاں پھولدار فرش بچھا ہوا تھا، کھانا چنا گیا تو پہلے ہاتھ بڑھایا، پھر کھینچ لیا اور فرمایا کہ دعوت قبول کرنا حق ہے، مگر میں روزہ سے ہوں، یہ عذر پھولدار فرش کی وجہ سے تھا، ۲

ایک مرتبہ احرام کی حالت میں سردی معلوم ہوئی، فرمایا مجھ کو ازہادو، آنکھ کھلی تو چادر کی سخیاف اور پھول بوٹوں پر نظر پڑی جو ابریشم سے کڑھے ہوئے تھے، فرمایا اگر اس میں یہ چیز نہ ہوئی تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ ۳

صدقات و خیرات صدقہ و خیرات حضرت ابن عمرؓ کا نمایاں وصف تھا، ایک ایک نشست میں بیس بیس ہزار تقسیم کر دیتے تھے، دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو عموماً خیرات کیا کرتے تھے ۴۔ صدقات یکمشت ۳۰ ہزار کی رقم خدا کی راہ میں لٹا دی ۵۔ قرآن پاک میں نیکو کاری کے لئے محبوب چیز خدا کی راہ میں دینے کی شرط ہے، لن تسالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون حضرت ابن عمرؓ اس آیت کی عملی تفسیر تھے، آپ ہمیشہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو راہ خدا میں دے دیتے تھے، چنانچہ جو غلام آپ کو پسند ہوتا اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیتے اور آپ کی نظر میں وہ غلام پسندیدہ ہوتا، جو عبادت گزار ہوتا، غلام اس راز کو سمجھ گئے تھے، اس لئے وہ مسجدوں کے ہو رہتے، حضرت ابن عمرؓ ان کے ذوق عبادت کو دیکھ کر خوش ہوتے اور آزاد کر دیتے، آپ کے احباب مشورہ دیتے کہ آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور صرف آزادی کے لئے یہ دینداری دکھاتے ہیں، آپ فرماتے ”من خدعنا باللہ انخدعنا لہ“ ”جو شخص ہم کو خدا کے ذریعہ سے دیتا ہے، ہم اس کا دھوکہ کھا جاتے ہیں“ ۶۔ آپ کو ایک لونڈی بہت محبوب تھی، اس کو راہ خدا میں آزاد کر کے اپنے ایک غلام کے ساتھ بیاہ دیا، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکے کو آپ چومتے اور فرماتے کہ اس سے کسی کی بو آتی ہے ۷۔ اسی طریقہ سے ایک دوسری چاہتی لونڈی کو آزاد کر دیا اور فرمایا ”لن تسالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون“ ۸۔ آپ اس کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے کہ آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گئی تھی ۹۔ ایک مرتبہ انہوں نے نہایت عمدہ اونٹ خریدے اور سوار ہو کر حج کو چلے، اتفاق سے اس کی چال بہت پسند آئی، فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر دو، ۱۰

۱۔ ابن سعد قسم اول جز ۱ ص ۱۱۸

۲۔ اصحابہ تذکرہ ابن عمرؓ

۳۔ ابن سعد جز ۱ ص ۱۱۰

۴۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۱۰۹

۵۔ تہذیب الجہد ص ۳۳۰

۶۔ ایضاً ص ۱۲۷

۷۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۹

۸۔ ابن سعد جز ۱ قسم اول ص ۱۲۳

۹۔ ایضاً ص ۱۰۸

۱۰۔ بخاری جلد ۲،

مسکین نوازی..... مسکین نوازی آپ کا نمایاں وصف تھا، خود بھوکے رہتے، لیکن مسکینوں کی شکم سیری کرتے عموماً بغیر مسکین کے کھانا نہ کھاتے تھے، آپ کی اہلیہ آپ کی غیر معمولی فیاضی سے بہت نالاں رہتی تھیں اور شکایت کیا کرتی تھیں، جو کھانا میں ان کے لئے پکاتی ہوں، وہ کسی مسکین کو بلا کر کھلا دیتے ہیں، فقراء اس کو سمجھ گئے تھے اس لئے مسجد کے سامنے آپ کی گزرگاہ پر آکر بیٹھتے تھے، جب آپ مسجد سے نکلتے تو ان کو لیتے آتے تھے، بیوی نے عاجز ہو کر ایک مرتبہ کھانا فقراء کے گھروں پر بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ راستہ میں نہ بیٹھا کریں، اور اگر وہ بلائیں تو بھی نہ آئیں ابن عمر مسجد سے واپس ہو کر حسب معمول گھر آئے اور غصہ میں حکم دیا کہ فلاں فلاں محتاجوں کو کھانا بھجوا دو، کیا تم چاہتی ہو کہ میں رات فاقہ میں بسر کروں چنانچہ بیوی کے اس طرز عمل پر رات کو کھانا نہ کھایا۔

اگر دسترخوان پر کسی فقیر کی صدا کانوں میں پہنچ جاتی تو اپنے حصہ کا کھانا اس کو اٹھوا دیتے اور خود روزہ سے دن گزار دیتے، ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی، آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی، ابھی دسترخوان چنایا گیا تھا کہ ایک فقیر نے صدا لگائی فرمایا فقیر کو دے دو، بیوی کو عذر ہوا، پھر دوبارہ فرمایا کہ نہیں دیدو مجھ کو یہی پسند ہے، لیکن چونکہ بیوی نے آپ کی فرمائش سے پکائی تھی، اس لئے اس کو نہ دیا، اور کھانے کے عوض نقدی فقیر کو دے کر واپس کیا، تب آپ نے تبادل فرمایا ایک مرتبہ بیمار پڑے کھانے کے لئے انگور کے چند دانے خریدے گئے، ایک سائل آیا حکم دیا انگور دیدو، لوگوں نے عرض کیا آپ اس کو کھا لیجیے اس کو دوسرے دیدیے جائیں گے، فرمایا نہیں اسے دے دو مجبوراً وہی دینے پڑے اور دے کر پھر اس سے خریدے گئے ۳۲ آپ کا یہ سلوک ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے تھے، چنانچہ جب دسترخوان پر بیٹھتے اور کوئی خوش پوش اور مرفہ الحال دکھائی پڑتا، تو نہ بلاتے، لیکن آپ کے بھائی اور لڑکے وغیرہ اس کو بٹھا لیتے اور اگر کوئی خستہ حال اور مسکین نظر آتا، تو اس کو فوراً بلاتے اور فرماتے یہ لوگ شکم سیر اشخاص کو بلاتے ہیں اور جو بھوکے اور کھانے کے حاجت مند ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں ۳۳

فیاضی اور سیر چشمی..... فقراء و مساکین کے علاوہ آپ کے ہم چشم اور ہم رتبہ اشخاص پر بھی آپ کا ابر کرم برستا تھا، اگر کبھی بھولے سے کوئی چیز کسی کے پاس چلی جاتی تو پھر اس کو واپس نہ لیتے تھے، عطا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمرؓ نے مجھ سے دو ہزار درہم قرض لئے، جب ادا کیے تو دو سو زیادہ آگئے میں نے واپس کرنا چاہا تو کہا تمہیں لے لو، اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک اور رقم

۳۳ ابن سعد جز ۴ قسم اول ۱۳۲ ۳۴ ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۱۲۲

۳۵ ایضاً ص ۱۰۹

۳۶ ایضاً ص ۱۱۶

۳۷ ایضاً ص ۱۲۲

کسی سے قرض لی جب واپس کی تو مقروضہ درہم سے زیادہ کھرے درہم ادا کیے، قرض خواہ نے کہا یہ درہم میرے درہموں سے زیادہ کھرے ہیں، فرمایا عہداً ایسا کیا تھا! آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بیس ہزار درہم ایک وقت تقسیم کر دیتے، تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آئے ان کو ان لوگوں سے قرض لے کر دیتے، جن کو پہلے دے چکے تھے، اقامت کی حالت میں بھی اکثر روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی مہمان آجاتا تو افطار کرتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ رکھنا فیاضی سے بعید ہے۔ ۳ جہاں مہمان جاتے ۳ دن کی مستون مہمانی کے بعد اپنا سامان خود کرتے، جب مکہ جاتے تو عبد اللہ بن خالد کے گھرانے میں اترتے تھے، لیکن ۳ دن کے بعد اپنی جملہ ضروریات بازار سے پوری کرتے تھے۔ ۴

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں ایک اعرابی ملا، حضرت ابن عمرؓ نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دیدیا، ابن دینارؓ ساتھ تھے، یہ فیاضی دیکھ کر بوسلے، خدا آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی، فرمایا ان کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ ۵

استغناء..... اس فیاضی کے ساتھ حد درجہ مستغنی المزاج واقعہ ہوئے تھے، کبھی کسی کے سامنے دست و سوال دراز نہیں کیا، لوگ خدمت بھی کرنا چاہتے تو آپ قبول نہ کرتے، عبد العزیز بن ہارون نے ایک مرتبہ لکھ بھیجا کہ آپ اپنی ضروریات کی اطلاع مجھ کو دیا کیجئے، ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ ”جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے ان کی امداد کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے“ اوپر کے ہاتھ سے مراد دینے والا اور نیچے کے ہاتھ سے مراد لینے والا، ۶

مگر اسی کے ساتھ کسی کا ہدیہ بھی واپس نہیں کرتے تھے، چنانچہ مختار اکثر مال و متاع بھیجا کرتا تھا آپ قبول کر لیتے اور فرماتے کہ میں کسی سے مانگتا نہیں، لیکن جو خدا دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا، آپ کی پھوپھی رملہ نے دو سو دینار بھیجے، انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لئے، امیر معاویہؓ نے آپ کے سامنے ایک لاکھ کی رقم اس خیال سے پیش کرنی چاہی کہ آپ یزید کی خلافت پر راضی ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرا ایمان اتنا ارزاں نہیں ہے، ۷

محبت نبوی..... آنحضرت ﷺ سے محبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزن کی تسکین کا باعث تھی، آپ کی وفات کے بعد ایسے شکستہ دل ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ

۱۲ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۰۹

۱۳ ایضاً،

۱۴ ایضاً

۱۵ ایضاً ص ۱۳۳

۱۱ ایضاً

۱۲ ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ

۱۳ ایضاً

۱۴ ابن سعد جز ۱ ق ۱ ص ۱۱۰

بارغ لگایا، وفات نبوی کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو بے اختیار رو پڑتے، جب سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی پر حاضر ہو کر سلام کہتے ۳ ذات نبوی کے ساتھ اس شیفٹنگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ آل اطہار سے بھی وہی تعلق تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے پچھر کے خون کا کفارہ پوچھا، آپ نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا عراقی، فرمایا لوگو! ذرا اس کو دیکھنا، یہ شخص مجھ سے پچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے نبی کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے، جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ یہ دونوں میرے بارغ دینا کے دو پھول ہیں، ۴

یہ محبت آل اطہار کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ جس چیز کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہوتی، اس سے آپ کو وہی شغف تھا، آنحضرت ﷺ کبھی ایک درخت کے نیچے اترتے تھے، ابن عمرؓ ہمیشہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہو جائے ۵ مدینہ الرسول ﷺ سے اس درجہ محبت تھی کہ تنگی کی حالت میں بھی وہاں سے ٹکنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے تنگی کی شکایت کی اور مدینہ سے جانے کی اجازت چاہی کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کریگا، قیامت میں اس کا شفیع ہوگا، ۶

اختلاف امت کا لحاظ..... حضرت ابن عمرؓ اس کام سے جس میں امت مسلمہ کے اختلاف و افتراق کا ادنیٰ خطرہ بھی نکلتا ہے، احتراز فرماتے تھے، ان کی حق پرستی مسلم ہے، لیکن امت کے ضرر کے خیال سے بعض مواقع پر خاموش ہو جاتے تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے دعویٰ سے کہا کہ خلافت کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ جواب دوں کہ تم سے زیادہ وہ حقدار ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ کو اس پر مارا تھا، مگر فساد کے خیال سے خاموش رہا، اختلاف امت سے بچنے کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں خیال رکھتے تھے، منی میں آنحضرت ﷺ عصر کی نماز میں قصر کرتے تھے، آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا بھی یہی طریقہ رہا، حضرت عثمانؓ بھی ابتدا میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے، مگر کچھ دنوں کے بعد پوری چار پڑھنے لگے، حضرت ابن عمرؓ بھی تفریق کے خیال سے امام کے پیچھے چار پڑھتے، لیکن اکیلے ہوتے تو قصر کرتے اور فرماتے کہ ”الخلافت المنکر“ ۸ اختلاف ناپسندیدہ ہے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری خلافت پر دو شخص کے علاوہ پوری امت محمدی متفق ہو جائے تو بھی میں ان سے نہ لڑوں گا، لوگوں

۱۔ ازالۃ الخلاف، مقصد دوم ص ۱۱۸۹ بحوالہ مصنف ابن ابی بکر

۲۔ ابن سعد تذکرہ ابن عمر، ۳۔ ایضاً

۴۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۸۶ باب رحمۃ الولد و تکبیلہ و معانقہ

۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷، ۶۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۳

۷۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۳ او بخاری

۸۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۹۶ او مسلم جلد ۱ باب قصر الصلوۃ بمنی

کو نصیحت کرتے تھے کہ ہم دوسروں سے اس لئے لڑتے تھے، کہ دین فساد کا ذریعہ نہ بنے اور خالص خدا کے لئے ہو جائے اور تم لوگ اس لئے لڑتے ہو جبکہ دین غیر خدا کا ہو کر فتنہ و فساد کی بنیاد بن جائے، ایک شخص نے کہا کہ آپ سے زیادہ فتنہ پر دراز امت محمدیؐ میں کوئی نہیں فرمایا یہ کیسے، خدا کی قسم نہ میں نے ان کا خون بہایا، نہ انکی جماعت میں اختلاف ڈالا، نہ ان کی مجتمع قوت منتشر کی، اس نے برسبیل مبالغہ کہا کہ اگر آپ چاہتے تو دو شخص بھی آپکی خلافت میں اختلاف نہ کرتے، آپ نے فرمایا میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں، دوسرا کہے کہ میں راضی نہیں ہوں براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمرؓ کی لاعلمی میں انکے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، وہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگ تمہاری لئے آپس میں کئے مارتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ!

اسی اختلاف امت سے بچنے کے لیے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے کہ مبادا انکار کسی نے فتنہ کی بنیاد نہ بن جائے چنانچہ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے اور زکوٰۃ ادا کر دیتے خود فرماتے تھے کہ میں دورفتن میں جنگ و جدل سے الگ رہتا ہوں اور ہر غالب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں مگر یہ اطاعت اسی حد تک تھی جہاں تک مذہب اجازت دیتا اور اگر اس سے مذہبی پابندی میں کوئی خلل پڑتا تو اطاعت ضروری نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ابتداء حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی بلکہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ ۳

اس احتیاط کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد اور افتراق انشعاق کا جو طوفان اٹھا، جس میں بہت کم ایسے مسلمان تھے، جن کا ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوا ہو، ابن عمرؓ اسے کمال احتیاط کے باعث اس ہنگامہ عام میں بھی بچے رہے، چنانچہ محمدؐ کہتے ہیں کہ ”اگر ہم میں سے کوئی شخص مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو وہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں“

اظہار حق میں جرات و بے باکی..... اس مصالحانہ اور مرنج و مرنجان زندگی کے باوجود دینی اور مذہبی معاملات میں ان کی حق گوئی مصالح امت کے خیال پر غالب آ جاتی تھی، چنانچہ بنی امیہ کے جاہلانہ طرز عمل پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، حجاج کے مظالم سے دنیا سے اسلام تنگ آ گئی تھی مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن حضرت ابن عمرؓ بے خوف و خطر اس کے منہ پر کھد دیتے، ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، حضرت ابن عمرؓ بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ خدا کا دشمن ہے اس نے حرم الہی کو رسوا کیا بیت اللہ کو تباہ کیا، اولیاء اللہ کو قتل کیا، ہم ایک مرتبہ حجاج نے دوران خطبہ میں کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے کلام اللہ میں تغیر و تبدل کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے جھلا

کر فرمایا کہ ”جھوٹ بکتا ہے نہ ابن زبیرؓ میں اتنی طاقت ہے اور نہ تری یہ مجال ہے، مرض الموت میں جب حجاج عیادت کو آیا اور انجان بن کر کہا کاش زخمی کرنے والے کا مجھ کو علم ہو جاتا تو بگڑ کر کہا کہ وہ تمہارا نیزہ تھا، حجاج نے پوچھا یہ کیسے؟ کہا تم نے ایام حج میں لوگوں کو مسلح کیا اور حرم محترم میں ہتھیاروں کو داخل کیا، پھر پوچھتے ہو، کس نے زخمی کیا؟“ ایک مرتبہ حجاج مسجد میں خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دی کہ عصر کا وقت آخر ہو گیا آپ نے آواز دی کہ نماز کا وقت جا رہا ہے، تقریر ختم کرو اس نے نہ سنا، دوبارہ پھر کہا اس مرتبہ بھی اس نے خیال نہ کیا، تیسری مرتبہ پھر کہا تین مرتبہ کہنے کے بعد حاضرین سے فرمایا، اگر میں اٹھ جاؤں تو تم بھی اٹھ جاؤ گے لوگوں نے کہا ہاں چنانچہ یہ کہہ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو نماز کی ضرورت نہیں ہے اٹھ گئے اس کے بعد حجاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی اور ابن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، کہا کہ ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں، اس لئے جس وقت نماز کا وقت آجائے، اس وقت فوراً تم کو نماز پڑھنی چاہیے، نماز کے بعد جس قدر تمہارا دل چاہے، بکا کرو ۳۱ اسی وجہ سے خلفائے بنو امیہ اپنی رعونت کے باوجود ان کا بہت لحاظ کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے وقت سے خط لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ لکھنے والا بسم اللہ کے بعد اپنا نام لکھتا، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتا کہ منجانب فلاں ابی فلاں لیکن خلفائے امیہ نے جہاں اور بدعات رائج کیں، وہاں اس طریقہ کو بھی بدل دیا اور اظہارِ ترفع کے لئے یہ طریقہ رائج کیا کہ خط میں پہلے خلیفہ کا نام لکھا جائے، پھر بھیجنے والا اپنا نام تحریر کرے، ابن عمرؓ کی خودداری اس کو گوارا نہیں کر سکتی تھی، اس لئے انہوں نے جو بیعت نامہ لکھا، اس میں اس سابق طریقہ ”پر من عبد اللہ بن عمرؓ“ کے بجائے ”ابو عبد اللہ بن مروان لکھا“ اس تحریر کو دیکھ کر درباریوں نے کہا کہ ابن عمرؓ نے حضرت سے پہلے اپنا نام لکھا ہے، عبد الملک نے کہا کہ ابو عبد الرحمن کی ذات سے اتنا بھی بہت غنیمت ہے، ۳۲

مساوات..... اسلام نے ان تمام امتیازات کو جن سے ایک انسان کی تحقیق اور دوسرے کی بیجا عظمت ظاہر ہو مٹا دیا، ابن عمرؓ اس مساوات کا عملی نمونہ تھے، وہ ان تمام امتیازات کو جن سے مساوات میں فرق آتا ہوتا پسند فرماتے تھے، چنانچہ جہاں لوگ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے وہاں نہ بیٹھتے، ۳۳ اپنے غلاموں کو بھی مساوات کا درجہ دے دیا تھا اور ان کو عزت نفس کی تعلیم دیتے تھے، دستور تھا کہ غلام تحریر میں پہلے آقا کا نام لکھتا تھا، پھر اپنا، انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر دی کہ جب مجھ کو خط لکھو تو پہلے اپنا نام لکھو غلاموں کو دسترخوان پر ساتھ

۱ ابن سعد ج ۴، قسم اول ص ۱۳۵،

۲ بخاری جلد اول ص ۱۳۴

۳ ابن سعد ج ۴ ص ۱۱۷

۴ ابن سعد قسم اول ص ۱۱۲

۵ ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۰،

۶ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲۸

بٹھاتے ایک مرتبہ دسترخوان بچھا ہوا تھا، ادھر سے کسی کا غلام گذرنا تو اس کو بھی بلا کر ساتھ بٹھایا، غلاموں کے کھانے پینے کا خیال بال بچوں کی طرح رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان لوگوں کے کھانے میں تاخیر ہو گئی، خانساں سے پوچھا غلاموں کو کھانا کھلادیا، اس نے نفی میں جواب دیا، برہم ہو کر فرمایا جاؤ ابھی کھلا دو، انسان کے لئے یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے خورد و نوش کا خیال نہ رکھے، غلاموں کو نہ کبھی برا بھلا کہتے تھے اور نہ کبھی ان کو مار پیٹ کرتے تھے، اگر کبھی غصہ کی حالت میں ایسا کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیتے، سالم کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی کسی غلام کو لعنت ملامت نہیں کی، ایک مرتبہ غصہ میں الح کہنے پائے تھے کہ زبان روک لی اور فرمایا ”میں ایسی بات زبان سے نکال رہا ہوں، جو نہ نکالنی چاہیے“ ایک مرتبہ ایک غلام کو کسی بات پر مار بیٹھے، مارنے کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کو آزاد کر دیا، ۳

تواضع وانکسار..... اس مساوات کا دوسرا پہلو انکسار و تواضع ہے، جب تک یہ صفت نہ ہوگی اس وقت تک مساوات کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا، ابن عمرؓ میں یہ صفات کبھی بدرجہ اتم موجود تھیں اپنی تعریف سنا خود پرستی کا پہلا زینہ ہے، ابن عمرؓ اپنی تعریف سنا سخت ناپسند کرتے تھے، ایک شخص ان کی تعریف کر رہا تھا، انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک ڈالا کرو، اپنے لئے معمولی انسانوں سے زیادہ شرف گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا تم سبط ہو تم وسط ہو فرمایا سبحان اللہ سبط نبی اسرائیل تھے اور امت وسط پوری امت محمدی ہے، ہم تو مضر کے درمیانی لوگ ہیں، اس سے زیادہ اگر کوئی رتبہ دیتا ہے تو جھوٹا ہے، بلا امتیاز ہر کس و نا کس کو سلام کرتے، بلکہ اسی ارادہ سے گھر سے نکلتے تھے، طفیل بن کعب جو روزانہ صبح و شام ان کے ساتھ بازار جایا کرتے تھے، بیان کرتے تھے کہ ابن عمرؓ بلا امتیاز تاجر مسکین اور خستہ حال سب کو سلام کرتے تھے، ایک دن میں نے ان سے پوچھا آپ بازار کیوں جاتے ہیں، حالانکہ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں، نہ کسی جگہ بیٹھتے ہیں، فرمایا صرف لوگوں کو سلام کرنے کے غرض سے، اتفاق سے اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے، ۱ تواضع کا ایک مظہر حلم بھی ہے، ابن عمرؓ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پل جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو گالیاں دینی شروع کیں، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں اور میرے بھائی عالی نسب ہیں، پھر خاموش ہو گئے۔ ۲

۱۔ مسلم جلد ۳ ص ۳۶۹ باب فضل دفع علی العیال والاکملوک الخ،

۲۔ مسلم جلد ۲ ص ۱۲۵

۳۔ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۸

۴۔ مسند ابن خنبل جلد ۲ ص ۹۴

۵۔ موطا امام مالک ص ۳۸۰ باب جامع السلام

۶۔ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۸

۷۔ ابن سعد جز ۴ ص ۱۳۲

ہر دلعزیزی..... اس مساوات، تواضع علم کا یہ نتیجہ تھا کہ عام طور پر لوگوں میں آپ کو محبوبیت حاصل تھی، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عمرؓ کے ساتھ نکلا، لوگ بکثرت ان کو سلام کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر چاندی سونے کے عوض بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی،

سادگی..... ابن عمرؓ کی تصویر حیات تکلفات کے آب و رنگ سے یکسر پاک تھی، گو آپ بہت فارغ البال تھے اور پر گزر چکا ہے کہ ۲۰، ۲۰ ہزار ایک ایک نشست میں لوگوں کو دے ڈالتے تھے لیکن خود ان کی زندگی یہ تھی کہ کل اثاث البیت ۱۰۰ اور ہم سے زیادہ کا نہ تھا، مہران کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کے اثاث البیت کا جائزہ لیا تو فرش اور بستر ملا کر بھی اس کی قیمت سو درہم (یعنی تقریباً بیس روپے) تک نہیں پہنچی تھی ۲ فاروق اعظمؓ کا بیٹا اور یہ مسکنت اللہ اکبر، ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں تنعم کی بو ہوتی، چنانچہ جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں خوشبو کا استعمال بھی پسند خاطر نہ تھا، ایک مرتبہ کپڑے، خورات میں بسائے گئے، ان کو جمعہ کے دن استعمال کیا، پھر اتار کر رکھ دیا، اتفاق سے دوسرے دن سفر پیش آیا، منزل کے قریب پہنچ کر کپڑے مانگے تو وہی جوڑا پیش کیا گیا، لیکن اس میں خوشبو کا اثر تھا اس لئے واپس کر دیا اس طریقہ طعام بھی نہایت سادہ تھا اگر دسترخوان نہ بچھ پاتا تو بڑے برتن پر رکھ دیا جاتا، سب مع اہل و عیال اسی کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے، اس کش مکش میں کھانے والوں کو کبھی کھڑے ہو کر کھانا پڑتا۔

دعوت وغیرہ میں عام طور پر معمول سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن ابن عمرؓ کا دسترخوان اس دن میں تکلفات سے خالی ہوتا تھا، آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک دن ایک اونٹنی ذبح کی اور مجھ سے کہا مینہ والوں کو مدعو کر آؤ میں نے عرض کیا، ”کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، روٹی تک تو ہے نہیں“ فرمایا بس خدا تم کو بخشے، گوشت موجود ہے، شور بہ موجود ہے، جس کا دل چاہے گا، کھائے گا، جس کا دل نہ چاہے گا نہ کھائے گا، ۵

اسی سادگی کی بناء پر تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ جو کام خود کر سکتے تھے، وہ دوسروں سے نہ کراتے تھے، حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے نہ مدد لیتے تھے ۶ گھر بھی اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میں نے بلا کسی اعانت کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا تھا۔

ذریعہ معاش..... حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب صحابہ کے وظیفے مقرر کیے گئے تو ڈھائی ہزار ان کا وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اسامہ بن زیدؓ کا ۳ ہزار مقرر ہوا، انہوں نے اعتراض کیا کہ جب

۱۱۔ ابن سعد جز ۲، ق ۱ ص ۱۲۳ ۱۲۔ ایضاً ص ۱۲۱

۱۳۔ ایضاً ص ۱۰۹

۱۴۔ ایضاً ص ۱۰۸

۱۵۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۲

۱۶۔ ایضاً ص ۱۲۱

میں کسی چیز میں ان سے اور آپ ان کے والد سے پیچھے نہ رہے تو پھر اس تفریق کا کیا سبب ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سچ کہتے ہو، مگر آنحضرت ﷺ ان کے والد کو تمہارے والد سے اور ان کو تم سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے علاوہ لگائی زمینیں بھی تھیں۔

لباس..... لباس بہت معمولی پہنتے تھے، عموماً قمیص، ازار، اور سیاہ عمامہ استعمال کرتے تھے، چل پہنتے تھے، ازار نصف ساق تک ہوتا تھا، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے تھے کہ خود حضور ﷺ کو بھی یہ رنگ پسند تھا، کبھی کبھی بیش قیمت لباس بھی پہن لیتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے انکو پانسو تک کی چادر اوڑھے دیکھا ہے، انگوٹھی بھی رکھتے تھے، جس پر عبداللہ بن عمرؓ کندہ تھا، مگر وہ صرف مہر وغیرہ کے وقت کام آتی تھی پہنتے تھے۔

حلیہ..... شکل و صورت میں وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت مشابہ تھے، دراز قامت اور بھاری بھر کم تھے، رنگ گندمی تھا، کاندھوں تک کا کلین تھیں، کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے ۵ داڑھی بقدر ایک مشت رکھتے تھے، موچھیں اس قدر گہری کتر داتے تھے کہ لبوں کی پیدی نمایاں ہو جاتی تھی، زرد خضاب کرتے تھے۔

ازواج و اولاد..... ابن عمرؓ کے متعدد بیویاں تھیں، جن سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، ابوبکر ابو عبیدہ، واقد، عبداللہ، عمر حفصہ اور سودہ صفیہ بنت ابی عبیدہ کے بطن سے تھے، عبدالرحمن ام علقمہ بن علقمہ بنت علقمہ کے بطن سے تھے، سالم، عبید اللہ، ابوسلمہ اور قلابہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھے۔

۱۔ حدیث حاکم جلد ۳ ص ۵۵۹

۲۔ بخاری جلد ۲ باب کراۃ الخراج

۳۔ ابن سعد جز ہاق ۱ تذکرہ ابن عمرؓ

۴۔ اصحاب جلد ۲ ص ۱۰۹

۵۔ ابن سعد قسم اول جز ۱ ص ۱۳۳

۶۔ ایضاً تذکرہ ابن عمرؓ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب عمیر نام، ابو ہریرہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف بن غیاث بن لہیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن قہم بن غنم بن دوس، اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر رکھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ”ہرہ“ بلی پالے تھا، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا، دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا،

قبل از اسلام بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لئے فقر و افلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزو ان کے پاس تھیں روٹی کپڑوں پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتے تو یہ پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آ گئی۔ ۳

اسلام و ہجرت ابو ہریرہ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو بن ہجرت عظمیٰ کے قبل مکہ ہی میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لئے یمن لوٹ آئے ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوہ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لئے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے، اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے اور راستہ میں بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ شعر

بالبلة من طولها وعنانها

علی انہا من دار الکفر نجت

پڑھتے جاتے تھے، اسی ذوق و شوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا، اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تمہارا غلام آ گیا، عرض کیا خدا کی راہ میں آزاد ہے، بیعت

۱۔ ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۵۲

۲۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۷۵

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۵۲

۴۔ ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۵۲

۵۔ بخاری ج ۱ کتاب الشکر باب اذا قال لعبدہ ہو موعودہ نوکی الشکر خیبر جانے کا وقت ابن سعد سے ماخوذ ہے

اسلام کے بعد دامن نبوی سے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔ غزوات..... غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوہ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لئے مخصوص تھا۔ ۱

ماں کا اسلام..... دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں، مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے شان نبوت میں کچھ ناروا الفاظ استعمال کیے، ابو ہریرہؓ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں کے اسلام کے لئے طالب دعا ہوئے رحمت عالم نے دعا فرمائی واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لئے تہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں، ابو ہریرہؓ گھر پہنچے تو ان کو اندر بلایا اور اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمداً عبده و رسولہ کے سامعہ نواز ترانہ کے ساتھ ان کا استقبال کیا، یہ فوراً اٹے پاؤں فرت مسرت سے روتے ہوئے کا شانہ نبویؐ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! بشارت ہو آپ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی"۔ ۲

عہد خلفاء..... حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس لئے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے، اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے میں حدیث کی اشاعت میں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا، اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا، چنانچہ وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمرؓ نے باز پرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا تو حضرت عمرؓ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے، اس کی خواہش تو حضرت یوسفؑ نے کی جو تم سے افضل تھے، عرض کی وہ نبی اور نبی زادہ تھے، میں بچا رہا ابو ہریرہؓ امیرہ کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں، ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے، ۳

حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمانؓ کے محصور

ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے، اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے، کچھ اور لوگ بھی تھے، ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ”تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے“، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس وقت ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے فرمایا ”تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے“ اس سے حضرت عثمان غنیؓ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ تک حضرت ابو ہریرہؓ کا پتہ چلتا ہے، اس کے بعد آپ کی شہادت جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں کہیں نہیں نظر آتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہؓ گوشہ نشین ہو گئے تھے، بہتوں نے نوآبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے، ان فتنوں کے بعد امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا۔^۲

علاقت..... کھدھ میں مدینہ میں بیٹا ہوئے، بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا، بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی، اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دار لائے، چھوڑ کر دار البقا میں داخل ہو جائیں، ابو سلمہ بن عبد الرحمن عیادت کو آئے، رواج کے مطابق ان کی صحت کے لئے دعا کی، انہوں نے کہا خدا یا اب دنیا میں نہ لوٹا پھر ابو سلمہ کو مخاطب کر کے بولے ”وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا“ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا،^۳

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے، لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میں اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زاوراہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں، اس وقت میں دوزخ جنت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں معلوم نہیں ان سے کس راستہ پر جانا ہوگا،^۴

وصیت..... آخر وقت میں تجبیز و تکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیض پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے چننا اور جنازہ لیجانے میں جلدی کرنا اگر میں صالح ہوں گا جلد اپنے

۱۔ مسند ابن جبریل جلد ۲ ص ۳۳۵

۲۔ مسلم جلد ۵ ص ۵۲ باب انبات النیر فی کل شخص فی الصلوۃ

۳۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۶۲

۴۔ ایضاً ص ۱۶۲

رب سے ملوں گا اور اگر بد قسمت ہوں گا تو ایک بوجہ تمہاری گردن سے دور ہوگا۔
وفات اور تجہیز و تکفین..... انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی، ولید نے نماز جنازہ پڑھائی، اکابر صحابہؓ میں حضرت ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ موجود تھے، نماز کے بعد حضرت عثمانؓ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورغریباں میں اس مخزن علم کو سپرد خاک کیا، انا للہ و انا الیہ راجعون ۱۲ انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔ ۱۳
ترکہ..... انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے امیر معاویہؓ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپ کے ورثہ کو دلوائے اور ولید کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ ۱۴

حلیہ..... رنگ گندم گون، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی، زلفین رکھاتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے۔
لباس..... عموماً سادہ ہوتا تھا، یعنی صرف دو رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے، کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال کر لیتے تھے۔

فضل و کمال..... حضرت ابو ہریرہؓ ان صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ابو ہریرہؓ علم کا ظرف ہیں۔ ۱۵

ذوق علم..... حضرت ابو ہریرہؓ کو علم کی بڑی جستجو تھی، ۱۱ کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا، ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ”قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا“ فرمایا کہ ”تمہاری حرص علی اللہ حدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔ ۱۶

عام طور پر لوگ آنحضرت ﷺ سے زیادہ سوالات کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے، عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے کہا کہ ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا ”پناہ بخدا“ ان کی روایات میں کسی

قسم کا شک و شبہ نہ کرنا، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پوچھنے میں بہت جری تھے، اس لئے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جن کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے، چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے، ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا وہاں رسول ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو، لوگوں نے پوچھا کہاں؟ کہا مسجد میں، چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے، لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اس لئے لوٹ گئے اور کہا وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا، البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، کچھ حلال و حرام پر گفتگو کر رہے تھے، بولے تم لوگوں پر افسوس ہے، یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔

حدیث میں ان کا پایا..... اس تلاش و جستجو نے انکو حدیث کا بحر بے کران بنا دیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود بھی بڑے حافظ حدیث تھے فرماتے تھے کہ ”ابو ہریرہؓ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے“، امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ ”ابو ہریرہؓ اپنے ہم عصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے“، عمش ابوصالحؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ اصحاب رسول ﷺ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، علامہ ذہبیؒ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ”ابو ہریرہؓ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے“، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، کہ ”ابو ہریرہؓ اپنے ہم عصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہ میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا“۔

کمال کی آخری حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمدانی کا یقین واثق تھا، چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں، بے تردی کی روایت میں صرف عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا استثناء ہے۔

کثرت روایت کا سبب..... بہت سے اکابر اور علمائے صحابہؓ کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے کثرت علم اور وسعت معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہؓ کو حاصل نہ تھے یہ خود اپنی کثرت روایت کے وجوہ و اسباب بیان کرتے تھے کہ

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰

۲۔ مجمع الفوائد کتاب العلم بحوالہ طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۲۱

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰

۴۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۱

۵۔ ایضاً ص ۲۸

۶۔ تہذیب المعجزات جلد ۲ ص ۲۶۶

۷۔ مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابو ہریرہؓ بے تردی مناقب ابو ہریرہؓ

۸۔ بے تردی مناقب ابو ہریرہؓ

”لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے، حالانکہ مہاجر و انصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے، کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگردان رہتے تھے، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گذرتا تھا اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے، اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا، دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے، میں ان کو یاد رکھتا تھا، آنحضرت ابو ہریرہؓ کی اس توجہ کی تصدیق کہا صحابہؓ کرتے تھے، چنانچہ ابو عامر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اس نے میں ایک شخص نے آکر کہا ”ابو محمد آج تک ہم کو نہ معلوم ہوسکا کہ یہ یمنی (ابو ہریرہؓ) اقوال نبوی کا بڑا حافظ ہے، یا تم لوگ“ انہوں نے جواب دیا کہ ”بلاشبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائیداد والے تھے، ہمارے گھربار اور اہل و عیال تھے، ہم ان میں پھنسے رہتے تھے، صرف صبح و شام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر لوٹ جاتے تھے، اور ابو ہریرہؓ مسکین اور مال و متاع کی رحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت ﷺ سے سنے ہوئے ان کو بیان کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ”ابو ہریرہؓ ہم سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کے حاضر باش تھے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بلا کر پوچھا ”تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ میں نے (فعل نبوی) دیکھا اور (قول نبوی) سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا، عرض کی ”آپ آنحضرت ﷺ کے خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔“

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی، اس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے آئے تھے، بولے ”جب میں مدینہ آیا، تو آنحضرت ﷺ خیر میں تھے، اس وقت میری عمر میں سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ کی وفات تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہا، آپ کی ازواج

مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا، آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا تھا، اس لئے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا کی قسم وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی، ان پوچھنے والوں میں عمر، عثمان، طلحہ، زبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

آپ دعا بھی از دیاد علم ہی کی مانگتے تھے، زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابو ہریرہؓ اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے، اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے، ہم لوگ خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا، اپنا کام جاری رکھو اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص ابو ہریرہؓ کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ آئین کہتے جاتے، اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے دعا کی کہ خدا یا جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے، اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی ”یا رسول ﷺ ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو فراموشی کی دستبرد سے محفوظ رہے“ فرمایا وہ دوسری نوجوان کے حصہ میں آچکا، اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نسیان حدیث کی شکایت کی آپ نے فرمایا چادر پھیلاؤ، انہوں نے چادر پھیلا دی، آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے، پھر فرمایا کہ اس کو سینہ سے لگا لو، کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں پھر بھی نہ بھولا۔

حدیث کی تحریر و کتابت..... حضرت ابو ہریرہؓ حدیثوں کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے رد و بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے، فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمروؓ کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ کو ایک حدیث سنائی، ابو ہریرہؓ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، حسن نے کہا میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے، فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہو گی، چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جس میں تمام حدیثیں درج تھیں اسی میں وہ حدیث بھی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ ضرور لکھی ہو گی۔

لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ ”عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مجھ سے زیادہ حدیث اس لئے جانتے تھے کہ وہ آپ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے، اور میں نہیں لکھتا تھا“ ۵۱ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں گو نہیں لکھ لیتے تھے، مگر

بعد کو ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

امتحان ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنی شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا، ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا، دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے بلا کم و کاست وہی جوابات دیئے جو ایک سال قبل دے چکے تھے، حتیٰ کہ ترتیب بھی وہی تھی اس میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

اشاعت حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حاض امتیاز ہے کہ خدا نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی، اسی فیاضی سے آپ نے اس کو مسلمانوں کے لئے وقف عام کیا، چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوال نبوی ﷺ پہنچا دیتے، جمعہ کے دن، نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لئے مخصوص تھا، چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے علم و عرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں، گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف احکام نبویؐ سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے اور اس بارے میں رسول ﷺ کا حکم اس کو بتا دیتے، ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے، اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی، پوچھا تو مسجد سے آئی ہے اس نے کہا ہاں پھر پوچھا مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا، میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی ہے اس وقت تک قبول نہ ہوگی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے، یعنی اس کی خوشبو ڈھل نہ جائے، کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے، غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی ان کے خرم علم کی خوشہ چین تھیں، چنانچہ آپ کے زمرہ روایت میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں، فرماتے تھے کہ ”میں نے احادیث نبویؐ دو طرف میں محفوظ کی ہیں“ ایک طرف کی پھیلاؤ میں، اگر دوسرے کو پھیلا دوں تو زرخہ کاٹ ڈالا جائے، صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے، متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے،

لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حد میں نہیں۔

اشاعت علم فریضہ مذہبی اور عمل خیر ہے، لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبہ کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا، ابو ہریرہؓ جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے، اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر سورۃ بقرہ کی یہ آیت

ان الذین یکتُمون ما انزل لنا من البینات من بعد ما بیناہ للناس فی

الکتاب اولئک یلعنہم اللہ و یلعنہم اللاعنون

ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کئے ہوئے، کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی

باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے

ہیں، خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔

نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے، ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور ۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں، ۱۲ احادیث نبوی ﷺ کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپ کے روادۃ و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابی بن کعبؓ، انس بن مالکؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، اور عام صحابہ و تابعین میں ابو رافعؓ، واہلہ، جابر، مروان بن حکم، قبیصہ بن ذویب، سعید بن مسیب، سلیمان الاغر، قیس بن ابی حازم، مالک بن ابی عامر اصبحی، ابواسامہ بن بھل بن حنیف، ابو ادریس خولانی، ابو عثمان نہدی، ابو رافع صائغ، ابو زرہ بن عمرو، ابو مسلم، ابن فارض بسر بن سعید، بشیر بن نہیک، مجہد جہنی، ثابت بن عیاض، حفص بن عاصم بن عمر الخطابؓ، حمید و ابوسلمہ ابنا عبد الرحمن بن عوفؓ، حمید بن عبد الرحمن حمیری، حظلہ بن علی اسلمی، جناب صاحب مقصورہ، خلاص بن عمرو، حکم بن میناء، خالد بن غلاق، ابو قیس، زیاد بن رباح، سالم بن عبد اللہ زرارہ بن ابی اونی، سالم ابو الغیث، سالم مولیٰ شداو، سعید بن ابی سعید، ابو سعید مقبری، حسن بصری، محمد بن سیرین و سعید بن عمرو بن سعید بن العاص، سلیمان بن یسار، ابو الحباب، سعید بن یسار، سنان بن ابی سنان، عامر بن سعید بن ابی وقاصؓ، شریح ابن ہانی، شفی بن ماتع، طاوس، عکرمہ، مجاہد، عطاء، عامر شعبی، عبد اللہ بن رباح انصاری، عبد اللہ بن شقیق، عبد اللہ بن نعلبہ، ابو الولید عبد اللہ بن حارث، سعید بن حارث، سعید بن سمعان، سعید بن مرجانہ، عبد اللہ بن عبد الرحمن، عبد الرحمن بن سعد المقعد، عبد الرحمن بن ابی عمرہ انصاری، عبد الرحمن بن یعقوب، عبد الرحمن بن ابی نعیم الجبلی، عبد الرحمن بن مہران، اعرج، عبید اللہ بن عبد اللہ، عبید اللہ بن سفیان

حضری، عطاء بن میناء، عطاء بن یزید لکشی، ابوسعید مولیٰ بن کریم، عجلان بن مولیٰ قاطمہ، عراق بن مالک، عبید بن حنین، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء بن یسار، عمرو بن ابی سفیان، عنبسہ بن سعید بن العاص، محمد بن قیس بن مخزومہ، موسیٰ عیسیٰ انباطی، عبید اللہ، عروہ بن زبیر، محمد بن عباد، جعفر، محمد بن ابی عائشہ، محمد بن زیاد بن جحش، محمد بن عبد الرحمن موسیٰ بن یسار، نافع بن جبر بن مطعم، نافع مولیٰ ابن عمر، نافع مولیٰ ابی قتادہ، یوسف ابن مالک، متیم بن ابی سان، زید بن ہرمل، ابو حازم اجمعی، ابو بکر بن عبد الرحمن، ابو تیمیہ جحش، یزید بن اضم، موسیٰ بن وردان، ابو الشعثاء، الحارث بن ابو صالح السمان، ابو غطفان بن طریف المری، یہ حضرات ابو ہریرہؓ کے رواۃ کی نہایت مختصر فہرست ہے، صحابہؓ اور تابعینؓ ملا کر ان کے رواۃ کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہو جاتی ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب..... بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ ان کی مرویات پر اعتراض کرتے تھے، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی روایتوں پر شک کرتے تھے بلکہ ان کی تفقہ پر انہیں، اعتراض تھا، ان کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف حالات و واقعات کے لحاظ سے بعض باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر ان حدیثوں کو بیان کر دیتے ہیں، جن سے ان احادیث کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے ان کا اعتراض صحیح تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقہ الحدیث کا لحاظ نہیں کرتے تھے، فقہ میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہیں تھا، تاہم آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت منصب افتاء پر فائز تھی اس میں ایک ابو ہریرہؓ بھی تھے۔

عام تعلیم..... عام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہؓ کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان بھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ شوہر نے مجھ کو طلاق دیدی ہے اور لڑکا لینا چاہتا ہے، یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی اور ابو ہریرہؓ اسی زبان میں جواب دیتے تھے، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ توراۃ کے مسائل سے کافی واقفیت تھی، یہ لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

اخلاق و عادات..... حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے اس حساب سے ان کو کل چار سال محبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا، اگرچہ بظاہر یہ مدت کم معلوم ہوتی ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ اس مدت میں سفرو حضر، خلوت و جلوت میں ایک لمحہ کے لئے بھی خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا، یہ پھولی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمت

رسول کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ پر تعلیمات نبوی کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

خوف قیامت خشیت الہی اور خوف قیامت صحابہ اکرامؓ کا خاص وصف تھا، ابو ہریرہؓ اس سے لرزہ بر اندام رہتے تھے، خوف خدا اور قیامت کے احتساب کے ذکر سے چیخ کر بیہوش ہو جاتے تھے، ایک بار شقیہ انکی مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں، لوگوں نے کہا، ابو ہریرہؓ چنانچہ یہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت ابو ہریرہؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹا تو انہوں نے ان سے کہا، کہ رسول اللہؐ کی کوئی حدیث سنائیے، جس کو آپ نے ان سے سنا ہو، سمجھا ہو، جانا ہو، ابو ہریرہؓ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بیہوش ہو گئے، اتفاقہ ہوا، تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا یہ کہا اور چیخ مار کر، غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، اشقیہ انکی نے تمام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے عالم قرآن، راہ خدا مقتول اور دولت مند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا، ہاں خدا یا خدا تعالیٰ فرمائے گا تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا "رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا" خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں چنانچہ خطاب دیا، پھر دولت مند سے سوال کرے گا "کیا میں نے تجھ کو صاحب مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا، ہاں خدا یا خدا فرمائے گا تو نے کیا کیا، وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائے گا "تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیزا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور بخشنے کہلائے اور لوگوں نے کہا، "پھر وہ جس کو راہ خدا میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال کیا جائے گا تو کیوں مار ڈالا گیا وہ کہے گا "تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا" خدا فرمائے گا "تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے تو یہ کہا جا چکا ہے،" یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابو ہریرہؓ سب سے پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔

عبادت و ریاضت حضرت ابو ہریرہؓ کو عبادت سے خاص ذوق تھا، شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھروالوں سے بھی شب بیداری کراتے تھے، آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایک خود، دوسری بیوی اور تیسرا خادم، یہ تینوں بالالتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے، ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا اور دوسرا تیسرے کو اسی طریقہ سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گزار دیتے۔ ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے، ۱۲ ارکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے، بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے، نعیم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لئے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ، ۳۰ عکرمہ را دی ہے کہ ابو ہریرہؓ بارہ ہزار بیسیں روزانہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں، مضارب بن جزیہ بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا، ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی، قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہؓ تھے، پوچھا یہ کیا کر رہے ہو، کہا خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں برہ بنت غزو ان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا، اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آگئی، آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے، ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے، جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی۔ ۵

محبت رسول ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی محبت شیفتگی کے درجہ تک تھی، ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، تمام مہاجرین و انصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے، لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں، ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا یا رسول ﷺ حضور کا مشاہد و جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میرا آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ۶

آنحضرت ﷺ کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لئے پرہیز کرتے تھے کہ حضور نے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی، انہوں نے

۱۔ سند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳۔

۲۔ ایضاً

۳۔ اسناد جلد ۱ ص ۲۰۶

۴۔ ایضاً ص ۲۳۳

۵۔ ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب ما یأخذ من ذکر الرطل، بیہقون من اصحابہ احمد

۶۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۹۳۔

مخصّص اس لئے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے اس حال میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔

محبت آل رسول ذات نبوی کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ آل اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ”اے خدا! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ“ اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسن کو دیکھتے تھے تو ان کی آنکھیں پر غم ہو جاتی تھیں۔ عمیر بن اسحاق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو کہا کہ ”اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، آپ نے پکڑا ہٹا دیا اور ابو ہریرہؓ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔

والدہ کی خدمت گزاری حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تا بمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث نحر اور ذریعہ نجات سمجھے، جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز و احترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھرج نہیں کیا۔

اظہار حق میں بے باکی حق گوئی اور راست بازی حضرت ابو ہریرہؓ کا خاص جوہر تھا، اعلان میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے بڑے مخصّص کو اس کی لغزش پر فوراً ٹوک دیتے تھے، آپ کا قیام مدینہ میں تھا، مروان یہاں کا حاکم تھا، اس لئے اکثر اس سے سابقہ پڑتا تھا ایک مرتبہ اس کے یہاں گئے، تو تصویریں آویزاں دیکھیں، فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے، جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے! اگر دعوائے تخلیق ہے تو کوئی ذرہ، غلہ یا جو پیدا کر کے دکھائے،

مروان کے زمانہ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے ربا حلال کر دیا؟ مروان نے اس سے برأت ظاہر کی، فرمایا تم نے چکوں کو رائج کیا، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے، حضرت ابو ہریرہؓ کی اس تنبیہ سے

مردان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔^۱

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد نبویؐ میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے، مردان بھی موجود تھا، آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے سنایا کہ میں نے صادق مصدوقؓ سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔^۲

فقر و غنا..... حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی کے دو دور تھے، پہلا افلاس، تنگدستی اور فقر و فاقہ میں بسر ہوا دوسرے میں جاہ و ثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر و فاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ اللعالمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپؐ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکرؓ کا گزر ہوا ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہؐ کا گزر ہوا، تو آپؐ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لیجا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا۔^۳

بس فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البالی کیا، اس وقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ واہ، ابو ہریرہؓ آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبویؐ اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گزرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہؓ کو جنون ہوگا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔^۴

سادگی..... لیکن امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جب شہر سے نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا، جس پر معمولی منہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا، جب کوئی سواری کے سامنے آ جاتا تو (مذاق سے) خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔^۵

فیاضی..... فقر و غنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے، لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیر چشمی سے کام لیتے تھے، عبداللہ بن ربیع راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد

۱۔ مسلم کتاب البیوع باب بیع المبع قبل القبض مطبوعہ: دار ابن کثیر ص ۳۴۹۔

۲۔ بخاری ج ۲ کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ ہلاک امتی علی ایدی اغلیئمہ مغنا

۳۔ ترمذی ابواب الزہد باب جاء فی معیشتہ اصحاب النبی ﷺ

۴۔ بخاری کتاب لا اعتصام باب ما ذکر النبی ﷺ و حصص علی انفاق

۵۔ ابن سعد جز ۳ ص ۲۶۰

امیر معاویہؓ کے پاس گیا جس میں ہم اور ابو ہریرہؓ بھی تھے، رمضان کا زمانہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ابو ہریرہؓ دعوت کرتے تھے۔!

گو مہمان نوازی صحابہ کرامؓ کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

نام و نسب..... جندب نام، ابوذر کنیت ”مسیح الاسلام“ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، جندب بن جنادہ ابن فیس بن عمرو بن ملکیل بن صعیر بن حزام بن غفار بن ملکیل بن حمزہ بن بکر بن عبدمنافہ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری، ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھیں۔

قبل از اسلام..... حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا، جاہلیت میں حضرت ابوذرؓ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور رہزین تھے، تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یا کینت ترک کر کے بہت تن خدا رستی کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ ظہور اسلام کے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے، ابو معشر راوی ہیں ابوذرؓ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”ابوذرؓ ملکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، آنحضرت ابوذرؓ کی خدا پرستی صرف اعتراف تو حید کا۔ مدد نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا، انہوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے؟“ ”کہا خدا کی“، پھر پوچھا کس طرف رخ کرتے تھے، جواب دیا ”جس طرف خدا پھیر دیتا“، اے ایسا قولوا فثم وجہ اللہ

..... پہلی آزمائش..... چونکہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے، انہوں نے یہ پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوت حق کا جواب دیا، جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں، اس اعلان حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے، ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ دلچسپ داستان خود کی زبان سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لئے بھیجا، وہ

واپس آئے تو میں نے پوچھا، کہو کیا خبر لائے، انہوں نے کہا ”خدا کی قسم! یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لئے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ وقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لئے خانہ کعبہ جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر ہسر کرنے لگا اتفاق سے ایک دن علیؓ گذرے، انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں اوہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے، لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی تک آنحضرت ﷺ کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علیؓ گذرے اور پوچھا کہ ”اب تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا؟“ میں نے کہا نہیں، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا، کیسے آتا ہوا؟ میں نے کہا اگر آپ اس کوراز میں رکھیں تو عرض کروں، فرمایا مطمئن رہو میں نے کہا، میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لئے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پالیا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جو تا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میرے سامنے اسلام پیش کیجئے، آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا: ابوذرا بھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ، میرے ظہور کے بعد واپس آنا، میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے لاکاراکہ اس بے دین کو لینا، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لئے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کا گذرگاہ ہے، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ تھا جس کا خمرا قریش کے غیظ و غضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر یہ نعرہ مستانہ تھا

درجا بہائے طور عشق حکمتہا تم است مشق را با مصلحت

اندیشی مجنوں چہ کار

اور پھر وہی مسجد تھی، وہی ضنارید قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔
مسلم فضائل ابی ذرؓ میں ان کے اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہی مذکورہ بالا روایت، اس روایت کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں، دوسری روایت خود ان سے مروی ہے، لیکن دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں، ان کی زبانی جو روایت منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس اور امنا کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں گئے، کچھ دنوں کے بعد ان سے خفا ہو کر چلے گئے، اتفاق سے ایک مرتبہ انیس کسی ضرورت سے مکہ گئے، وہاں سے لوٹ کر ابو ذرؓ سے آنحضرت ﷺ کے واقعات بیان کیے، آپ کے اوصاف سن کر وہ خود تحقیقات کے لئے مکہ پہنچے اور ایک شخص سے آپ کا پتہ پوچھا، پوچھتے ہی ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بیدم کر دیا، لیکن یہ نہ بٹے، تیسرے دن آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی، ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور یہ مشرف باسلام ہوئے، ہم نے جو صورت واقعہ نقل کی ہے وہ چونکہ بخاری، مسلم اور مستدرک تینوں میں ہے اس لئے اس کو ترجیح دی۔

مراجعت وطن..... کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ میں غنقریب یثرب ہجرت کرنے والا ہوں اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو، شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے انہوں نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے؟ جواب دیا: اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں، یہ سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوت حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔
ہجرت و مواخاۃ..... آنحضرت ﷺ کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابو ذرؓ بنی غفار میں رہے اور بدر، احد، خندق، وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، اسی بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحق راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابو ذرؓ اور منذر بن عمرو کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی، لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابو ذرؓ آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیت کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔

مدینہ کا قیام..... مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گذرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت تھی، خود کہتے ہیں کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی

خدمت کرتا تھا، اس سے فراغت کے بعد پھر آ کر مسجد میں آرام کرتا تھا۔ چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے، حضرت ابوذرؓ کی غزوات میں شرکت کی تفصیل ہمیں ملی، صرف غزوہ تبوک کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لئے نکلے تو بہت سے لوگ پھرنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا) جب کوئی شخص پھرتا تو لوگ آنحضرت ﷺ کو بتاتے کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص نہیں آیا آپ فرماتے جانے دو، اگر اس کی نیت اچھی ہو تو عنقریب خدا اس کو تم سے ملا دے گا، ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دیدی، یہاں تک کہ ابوذرؓ کا نام لیا گیا کہ وہ بھی پھرنے لگے، واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ سست ہو گیا تھا، اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز و سامان اتار کر پیٹ پر لاد دیا اور پیادہ آنحضرت ﷺ کے عقب سے روانہ ہو گئے اور اگلی منزل پر جا کر مل گئے، ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! وہ راستہ پر کوئی شخص آ رہا ہے، آپ نے فرمایا، ابوذرؓ ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! خدا کی قسم ابوذرؓ ہیں آپ نے فرمایا، خدا ابوذرؓ پر رحم کرے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مر رہے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔ آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی، آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی، اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہو گئے پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹ پر لاد کر پیادہ میدان جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں، یقیناً شریک ہوئے ہوتے پھر وہ آنحضرت ﷺ کے خدام میں تھے، اس لئے ان لڑائیوں میں جن میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہو گی، ان میں ابوذرؓ بھی یقیناً ہر کام میں رہے ہوں گے خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا، اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تمام مسلمانوں کی تنواریں اپنے جوہر دکھا رہی ہوں اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی ہو فتح مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہو رہا تھا، تو سب سے آگے ان ہی کے قبیلہ کا پرچم تھا۔

عہدِ شینین حضرت ابوذرؓ غطرہ فقیر منش، زہد پیشہ، تارک الدنیا اور عزالت پسند تھے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو ”مسح الاسلام“ کا لقب دیا تھا، آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کر لیا، لیکن قیام دیا، محبوب ہی میں رہا، وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا، اس لئے عہدِ صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا، حضرت ابو بکرؓ کی وفات نے اور بھی شکست خاطر

کر دیا، گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا، اس لئے مدینہ چھوڑ کر شام کی غربت اختیار کر لی۔ عہد عثمانی اسلام کی اصل سادگی شیخین کے عہد تک قائم رہی، پھر جب فتوحات کی کثرت کے ساتھ مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃ سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے، چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان و شوکت کی ابتداء ہو چکی تھی، ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش و تنعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے، شام میں رومیوں کے اثر نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا، دولت و ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی جگہ جگہ قصر و ایوان بننے لگے، زرق برق پوشاکیں پہنی جانے لگیں، حضرت ابوذرؓ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلا نہ ہب میں کل کے لئے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور نگادیکھ کر اپنے لئے دولت کا خزانہ جمع کرے، حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ اسے شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دولت پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے، اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی، حضرت ابوذرؓ نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طعناں، دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینی کرتے تھے اور ان کے زائد از ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (توبہ)

جو وہ مسلمان اپنی جمع کراتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے

ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

اس آیت پاک سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے، حضرت ابوذرؓ مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں سے متعلق سمجھتے تھے، دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہؓ وغیرہ کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے بہر حال حضرت ابوذرؓ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی، امیر معاویہؓ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہلا بھیجا کہ ان کو مدینہ بلا لیا جائے، حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعبؓ

سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اس کو خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہے، کعبؓ نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے، یہ سن کر ابوذرؓ بگڑ گئے اور کعبؓ پر ڈنڈا اٹھا کر بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے، قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھوڑیں گے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا آپ میرے پاس رہیے، دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی، لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں، یہ کہہ کر واپس چلے آئے

ربذہ کا قیام لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا تھا، لوگ آ کر حضرت ابوذرؓ کو توجہ سے دیکھتے تھے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا، اس سے حضرت ابوذرؓ کو تکلیف ہوتی مکہ کے قریب ربذہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا، یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی، بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ چلے گئے، یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بنو نعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا، عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمانؓ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، اگر آپ اس کے خلاف علم بلند کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اگر عثمانؓ مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اپنے میں اپنی بھلائی سمجھتا، اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی میں لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی میں اپنی سعادت سمجھتا۔ ۳

وفات حضرت ابوذرؓ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے، اس ۳۱ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذرؓ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا کہ تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو، یہاں میرے اور تمہارے استال کے کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا رونا موقوف کرو، میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہو وہ آگ سے بچانے کے لئے کافی ہیں، آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا، یہ فرمایا کہ تم میں

سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی، میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں، اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں، اس لئے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور میں تکلف کہتا ہوں کہ میں نے تم سے جھوٹ بیان نہیں کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے، اس لئے گزر گاہ پر جا کر دیکھو یہ بھی امداد ضرور آتی ہوگی، میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے اور راستہ بند ہو چکا فرمایا نہیں جا کر دیکھو، چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر نیلے پر چڑھ کر دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیار داری کرتی تھی، اسی دوڑ دھوپ اور تلاش و انتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے، میں نے اشارہ کیا وہ لوگ نہایت تیزی سے آ کر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابو ذرؓ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابو ذرؓ پوچھا آنحضرت ﷺ کے صحابی، میں نے کہا ہاں، وہ لوگ فدیۃ بابی و امی کہہ کر ابو ذرؓ کے پاس گئے، پہلے ابو ذرؓ نے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی سنائی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کا کپڑا نکلے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفننا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنیٰ عہدہ دار بھی ہو، وہ مجھ کو نہ کفنائے، اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا چنانچہ انصاری نے کہا کہ چچا میرے پاس ایک چادر ہے، اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں، انہیں میں آپ کو کفناؤں گا، فرمایا ہاں تم ہی کفننا لے۔ اس وصیت کے بعد وفات پائی، متعدد روایتوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور کوفہ سے آ رہے تھے ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود بھی تھے، جو عراق جا رہے تھے، بہر حال اس انصاری نوجوان نے ان کو کفنا یا اور عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر سبھوں نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشہ میں ان کو پوند خاک کیا۔

حلیہ قد دراز، رنگ سیاہی مائل، رازھی بھی، سر اور واڑھی دونوں کے بال سفید۔ ج۔
ترکہ فقیروں کے کلبہ احزان میں کیا تھا، صرف تین گدھے، دو مادہ ایک زر، چند بکریاں، کچھ سواریاں، یہ ساری کائنات تھی۔

فضل و کمال حضرت ابو ذرؓ خدمت نبویؐ کے بڑے حاضر باش تھے، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چنانچہ تمام اصول و فروع، ایمان اور احسان، رویت باری، خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز، حتیٰ کہ نماز میں کنکری چھونے تک کے بارہ

میں پوچھا، اسی ذوق و شوق اور تلاش و جستجو نے آپ کو علم کا دریا بنا دیا تھا، حضرت علی جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ ”ابو ذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے، اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا، حضرت عمرؓ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبد اللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھتے تھے، جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حیرت انگیز کہلاتے تھے“

حدیث کلام حبیب ہونے کی حیثیت سے قدرۃ آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے، ان میں ۱۲ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب تھا کہ حضرت ابو ذرؓ خاموش تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لئے ان کے علم کی اشاعت نہ ہو سکی، ورنہ صحابہ میں انس بن مالکؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، عبد اللہ بن صامتؓ، زید بن ذبیانؓ، عبد اللہ بن شقیقؓ، عمرو بن میمونؓ عبد اللہ بن غنمؓ، قیس بن عبادؓ، مرثد بن مالکؓ بن زبیدؓ وغیرہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ ۵۔

افتا میں صداقت آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم و افتا تھی، اس میں ان کا نام نامی بھی تھا، مگر ان کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے فتویٰ میں وہ کسی کے مطلق رو رعایت نہ کرتے تھے اور بلا کسی خوف و ہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہتے تھے، عہد عثمانی میں بعض مخلصین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آکر کہا ان سے فتویٰ پوچھا کہ ”عثمان کے مخلصوں نے صدقہ میں اضافہ کر دیا ہے ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟“ فرمایا نہیں ان سے کہو کہ جو واجب ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو، اسکو واپس کر دیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتویٰ ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا، وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیر المؤمنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔ ۶۔ اخلاق و عادات حضرت ابو ذرؓ ان محرمان خاص میں تھے، جن کو بارگاہ نبوت میں

۱۔ احلیۃ الاولیاء، ابو نعیم ص ۱۶۹

۲۔ استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵ و تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابو ذرؓ

۳۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵ ۴۔ مستند بیب الکمال ص ۴۴۹

۵۔ تفصیل کے لئے دیکھو مستند بیب جلد ۲ ص ۹۰

۶۔ اعلام المؤمنین جلد ۱ ص ۱۳ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶

سادگی..... اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اور ان چند چیزوں کے علاوہ ایک جاندار کی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں، کبھی کوئی ساز و سامان نہیں رکھا، ابی مروان نے ان کو ایک پشمینہ کی چادر باندھے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا ابو ذرؓ کیا اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ فرمایا اگر اور کوئی کپڑا ہوتا تو میرے پاس دیکھتے انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے، فرمایا ہاں، مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجتمند کو دیدے، انہوں نے کہا تم کو خود اس کی حاجت تھی، فرمایا خدا تم کو معاف کرے، تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو، تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں دوسری مسجد کے لئے ہے، میری پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں، کچھ خچر ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں، ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے، اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں۔

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے زبذہ ابو ذرؓ کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمدے پر بیٹھے تھے، ان کی بیوی بڑی سیاہ فام تھیں، ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی، انہوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس دار الفنا میں اولاد کو لے کر دار البقا میں اس کو ذخیرہ آخرت بنایا، لوگوں نے کہا کہ کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے، انہوں نے جواب دیا کہ اسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے جو مجھ میں تواضع پیدا کرے، یہ نسبت اسکے جو مجھ میں ترفع پیدا کرے۔

حضرت جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابو ذرؓ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر حضرت ابو ذرؓ کا پورا اثاثہ البیت جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا، جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ان کا کل اثاثہ دو درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ اسکو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہر والی شام نے ان کی خدمت میں تین سواشر فیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، انہوں نے اسی وقت واپس کر دیا اور کہا کہ کیا ان کو میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص خدا کے معاہدے میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا، ہم کو صرف چھپانے کے لئے سایہ دودھ پینے کے لئے بکریاں اور خدمت کے لئے ایک لونڈی چاہیے، اس کے ماسوا جو کچھ ہو گا وہ زائد از ضرورت ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لئے پیدا ہوتے ہیں، میرا ان ہونے کے لئے آبادیاں بساتے ہیں، فنا ہونے والی چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں اور باقی اور پائندہ چیزوں کو چھوڑ

دیتے ہیں، دو ناپسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لئے کس قدر خوش آمدید ہیں۔! زہد و تقویٰ..... ان کی زندگی شروع سے آخر تک سرتاپا زہد و تقویٰ تھی، جس پہلو پر نظر ڈالی جائے زہد و تقویٰ کا عجیب و غریب نمونہ نظر آئے گا، اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ”میری امت میں سے ابوذرؓ میں جیسا زہد ہے، یہ بھی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی، آنحضرت ﷺ کے بعد عہد نبوت کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، لیکن حضرت ابوذرؓ غفاری شروع سے آخر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔“

جب عہد رسالت کا مقدس دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کر لی، عمران بن حطان راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذرؓ کے پاس گیا، وہ مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا ابوذرؓ تنہائی کیوں اختیار کر لی؟ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہم نشین سے بہتر ہے، اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے، ابی اسما راوی ہیں کہ میں ابوذرؓ کے پاس رہتا تھا ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ، اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ ”جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے، اور تم لوگوں کو اس پر سے گذرنا ہے“ اس لئے بوجھ کی کرانباری سے ہلکا رہنا چاہیے۔۔۔۔۔ فرمان رسول ﷺ کا پاس..... حضرت ابوذرؓ ارشاد نبویؐ کو ہر لمحہ پیش نظر رکھتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بات بات میں فرماتے تھے کہ عہد لسی خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سمعت خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے دوست رسول ﷺ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا میں نے اپنے دوست ﷺ کو یہ کہتے سنا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے امارت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا تم نا تو اں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لئے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے، اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں، انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک چھوٹی کھلی اوڑھ لی اور دوسری چادر غلام کو دیدی، گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، فرمایا یہ صحیح ہے، لیکن میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ”جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ“،

۱۱ یوسف ۱۱۳، سعد بن ابی وقاص ۱۸، شعیب بن عمرو ابوذرؓ

۱۲ سعد بن ابی وقاص ۳۳

۱۳ سعد بن ابی وقاص ۳۳

۱۴ سعد بن ابی وقاص ۱۰

۱۵ سعد بن ابی وقاص ۳۳

۱۶ سعد بن ابی وقاص ۱۰

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے؟ ”عرض کی تلوار سے کام لوں گا“، فرمایا ”میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں، اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ“۔ اس مشورہ پر انہوں نے ایسی سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ابوذرؓ: جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ ”عرض کی مسجد نبویؐ یا اپنے گھر چلا جاؤں گا“۔ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ کرو گے؟ ”عرض کی“ ”تلوار نکالوں گا“۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہ ابوذرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے، تلوار نہ نکالنا بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اسی فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چھ گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی، ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

حب رسول ﷺ حضرت ابوذرؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ جو شیفتگی تھی، اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمی کسی ایک جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا ”ابوذرؓ“ تم جس شخص سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو، عرض کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، فرمایا کہ تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت کرتے ہو۔

آنحضرت ﷺ کے بعد جب آپ کا نام زبان پر آ جاتا تو آنسوؤں کا دریا امنڈ آتا، حضرت احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے، جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لاعلم ہوں تو خدا ضرور جانتا ہے، اس کے بعد کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسمؓ نے مجھ کو خبر دی ہے،“ ”صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے، پھر کہا کہ میرے دوست ابو القاسمؓ نے مجھ کو خبر دی ہے۔“ ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امنڈ آئے، آخر میں منہ بھل کر کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسمؓ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ خدا کو سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے،“ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا ”ابوذرؓ رسول اللہ ﷺ کا صحابی، یہ سن کر میں اپنی قصیر پر بہت نادوم ہوا۔“

بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی حریم نبوت میں ان کی یہ نیاز مندیاں بہت مقبول تھیں، جب

یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو مخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوتی تو آنحضرت ﷺ مصافحہ فرماتے۔

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور رازداری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا، ”اگر آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا۔“ یہی یگانگت آنحضرت ﷺ کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی، چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوایا، یہ جب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت آنحضرت ﷺ لیٹے ہوئے تھے، حضرت ابوذرؓ آپ کے اوپر جھک گئے اور محبوب عالم نے ہاتھ بڑھا کر چٹا لیا، یہ نہ معلوم یہ نگاہ واپس کیا کام کر گئی کہ آخر دم تک وارث کا عالم طاری رہا۔

آنحضرت ﷺ جو چیز اپنے لئے پسند فرماتے تھے وہی حضرت ابوذرؓ کے لئے بھی پسند فرماتے کہ یہی آئین محبت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ ”ابوذرؓ تم ناتواں ہو اور میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔“ یہ خلیفہ کی اطاعت..... اگرچہ حضرت ابوذرؓ حق پسند طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اور گنہگار نہ رہتے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر جہشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عمل کر کے دکھایا، چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک جہشی تھا جب ابوذرؓ پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہاں کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا، انہوں نے فرمایا ”تم ہی نماز پڑھاؤ، تم جہشی غلام ہو، لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ جہشی ہی امیر کیوں نہ ہو مگر اس کی اطاعت کرنا“، خلیفہ وقت کا حکم خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا، اس کی مخالفت نہ کرتے تھے، بلکہ خود بھی وہی کرتے، حضرت عثمانؓ خلافت میں حج کو گئے، کسی نے آکر اطلاع دی کہ منی میں حضرت عثمانؓ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں، آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درشت الفاظ استعمال کر کے فرمایا کہ میں نے رسول ﷺ، ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے، اس کے بعد انہوں نے امامت کی، مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھا میں، لوگوں نے کہا آپ نے تو امیر المؤمنین پر اعتراض کیا، لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھا میں فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء ہوں گے، ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان

کی تذلیل کا ارادہ کرے گا، اس نے گویا اسلام کی جبلتیں اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لئے بند کر لیا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ امراء و خلفاء کی تمام جاہلیا باتوں کو مان لیتے تھے، امیر معاویہ کی لغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔

حق گوئی..... خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کی مطلق پروا نہ کرتے تھے، حضرت عمر فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابوذرؓ کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں ہے جو خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کا خوف نہ کرتا ہو، ان کی حق گوئی کی شہادت خود زبان الہام نے دی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔ ۳۔

فیاضی و سیر چشمی..... اس حقیر دنیا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی اور فیاضی تھا، ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا، لیکن ان محدود و ضروریات کے علاوہ جس قدر بچتا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے، آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے، وہ گویا انگارے جمع کرتا ہے، جب تک اس کو راستہ خدا میں صرف نہ کر دے۔ ۴۔

مہمان نوازی اور حق جوار..... آپ کی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا، لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے، عملہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا تھا کہ ابوذرؓ دودھ دھو کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے ایک مرتبہ دودھ اور کھجوریں لے کر پڑوسیوں اور مہمانوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اگر ہوتا تو پیش کرتا، چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا، اور خود بھوکے رہے۔ ۵۔

خوش اخلاقی..... عموماً زیادہ اور متکشفین کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے لیکن مسیح الامہ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا، ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابوذرؓ کے ساتھ رہا ہوں، ان کی تمام اخلاقی خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔ ۶۔ وہ جن اخلاقی اصول پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ ”میرے دوست نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں، مسکین کی محبت اور اس سے ملنا جلنا، اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلند تر کو نہ دیکھنا، کسی سے سوال نہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، حق بولنا، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو، خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا، لاحول ولا قوۃ کا ورد کثرت سے کرنا۔ ۷۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ تذکرہ ابوذرؓ

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۵۶

۳۔ ابن سعد ج ۳ قسم ۱ ص ۱۶۸

۴۔ ایضاً ص ۱۷۴

۵۔ احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۵

۶۔ ترمذی میں مناقب ابی ذرؓ

۷۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۷۴

حضرت سلمان فارسیؓ

نام و نسب نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام ماہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابو عبد اللہ کنیت ہے سلسلہ نسب یہ ہے، ماہد ابن بوذخشان بن مورسلان بن بیہودان بن فروز بن سبرک۔

قبل اسلام آپ کے والد اصفہان کے ”جی“ نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشت کار تھے، ان کو حضرت سلمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتشکدہ کی دیکھ بھال انہی کے متعلق کر رکھی تھی، چوں کہ مذہبی جذبہ ان میں ابتداء سے تھا، اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا، اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا، جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے ہیں۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کا میلان ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی، اس لئے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جاسکا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے حضرت سلمانؓ کو بھیج دیا، انکو راستہ میں ایک گر جا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لئے گرجے میں چلے گئے نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا، اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ میساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے“ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے، انہوں نے کہا شام میں پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا اب تک کہاں رہے، جواب دیا ”کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا“، باپ نے کہا وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں“ جواب دیا ”بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔“ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی، اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی، انہوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا، چنانچہ جب

کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے بشپ کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا ”مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں، اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو“۔

تبدیل مذہب..... چنانچہ مجوسیت کے آتشکدہ سے نکل کر ”آسمانی بادشاہت“ کی پناہ میں آ گئے، مگر یہ بشپ بڑا بد اعمال اور بداخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا، اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے، حضرت سلمانؓ اس کی حرص و آزد کو دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کو تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوئے، اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، لوگوں نے پوچھا، تم کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے ان کو لے جا کر اس اندوختہ خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے، عیسائیوں نے اسکی سزا میں نعرش دفن کرنے کے بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کی، اس کی جگہ دوسرا بشپ مقرر ہوا، یہ بڑا عابد و زاہد اور تبارک الدنیا تھا، شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا اس لئے حضرت سلمانؓ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے، اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے اس لئے آئندہ کے لئے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے؟ اس نے کہا، میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور بہترے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

موصل کا سفر..... چنانچہ اس بشپ کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابھرتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کروں، اس نے ان کو ٹھہرایا، پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکہیزم تھا، اس لئے حضرت سلمانؓ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔ نصیبین کا سفر..... چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی، یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد و زاہد تھا حضرت سلمانؓ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت

سے فیص اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آپہنچا، حضرت سلمانؓ نے گزشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا،

عموریہ کا سفر..... چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنا یا اور اسکے پاس مقیم ہو گئے کچھ بکریاں خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے، اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیاناہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمانؓ نے اس کو اپنی پوری سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جائیے، اس نے کہا بیٹا! تمہارے لئے کیا سامان کروں، آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں، جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اس نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ مدینہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لئے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر..... اس اسقف کے مرنے کے بعد حضرت سلمانؓ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجرادھر سے گذرے، حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا، وہ لوگ تیار ہو گئے، اور زبان حال سے یہ شعر۔

چتا ہوں تھوڑی دور ہر آب رہو کیساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

غلامی..... لیکن ان عربوں نے وادی القری میں پہنچ کر دھوکا دیا، اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فردخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے تو اس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو، جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی، آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملے آیا اس نے حضرت سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بچ دیا۔ غلامی اور مدینہ کا سفر..... وہ اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمانؓ غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، ہاتھ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہو گی ترے غم کدہ کی آبادی

تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

در حقیقت اس غلامی پر جو کسی کے آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، کشش بڑھتی جاتی

تھی، اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرواقلن ہو چکا تھا، لیکن جو رستم کے بادلوں میں چھپا تھا، حضرت سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمانؓ کی شب بھر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلنا، یعنی سرور دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، حضرت سلمانؓ کھجور کے درخت پر چڑھے، کچھ درست کر رہے تھے، آقاؐ نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آکر کہا خدا بنی قلیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبا میں ایک شخص۔ کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، حضرت سلمانؓ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو؟ آقاؐ نے اس سوال پر گھونٹہ مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو، اس وقت سلمانؓ خاموش ہو گئے۔

اسلام..... لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی چیزیں پاس تھیں ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدین اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے، اس کو قبول فرمائیے، آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمانؓ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے، آپ نے قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا، اس طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہربوت کی بھی زیارت کی اور با چشم پر خم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ، سلمانؓ نے سامنے آکر ساری سرگذشت سنائی، آنحضرت ﷺ کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام..... حضرت سلمانؓ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر آقاؐ کے گھر واپس آئے۔

آزادی..... غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے، جس کی بنا پر غزوہ بدر واحد میں شریک نہ ہو سکے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آقاؐ کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو، تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت ﷺ نے

عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے انہوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی، سونے کی ادائیگی کا سامان خدا نے اس طرح کر دیا آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا مل گیا، آپ سے سلمانؓ کو دیدیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، اس سے گلو خلاصی کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

مواخاة..... غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے، اس وقت بالکل غریب الدیار تھے، کوئی شناسا نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابودرداءؓ سے مواخاة کرا دی۔

غزوات..... بدر و احد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں، آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا، اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کی عدم شرکت کی تلافی کر دی، غزوہ خندق میں تمام عرب کا صدف دل اس ارادہ سے امتدہ آیا تھا کہ مسلمانوں کا کامل استیصال کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کی کسی سمت نہ قلعہ تھا، نہ فصیل تھی، مقابلہ بڑا سخت تھا، ایک طرف قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا، دوسری طرف منہی بھر مسلمان تھے، آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے، اس لئے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے، مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے، یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی، اور اسی پر عمل کیا گیا، خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور رجز یہ اشعار زبان پر جاری تھے، یہ یقینہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل ہے، ۲۲، ۲۱ دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار نا کام لوٹ گئے، خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں شریک رہے، ۱۵ امور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہو کر دوشجاعت نہ دی ہو۔

پہلی اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۳۱ کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں اور ان کو لکھ دیا گیا ہے۔

۳ ابن سعد جز ۲، قسم ۷ ص ۷۷
۵ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۳

۴ بخاری ج ۲ ص ۸۹۸
۵ کتاب المغازی غزوہ خندق
۶ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰

عہد صدیقی اور عراق..... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمانؓ مدینہ میں رہے اور غالباً عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی، یہاں اقامت کے بعد ابو درداءؓ کو خدا نے مال و اولاد سے بہت نوازا، انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ "تم سے چھٹنے کے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا، اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا"، انہوں نے جواب دیا کہ "یاد رکھو مال و اولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور علم تم کو نفع پہنچائے، محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو"۔

عہد فاروقی..... حضرت سلمانؓ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لئے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت حملے سے پیشتر محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ تم لوگ اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے، اور جو قانون ان کے لئے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جذبہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا، تین دن برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے، جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزور شمشیر فتح کر لیا۔^۱

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک ٹھیلی ہاتھ آئی تھی، جو وفات کے وقت کام میں لائے۔^۲

گورنری..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے، اس کی تفصیل آئندہ عادت و اخلاق کے تذکرہ میں آئے گی۔

حضرت سلمانؓ مقربین بارگاہ نبویؐ میں تھے، اس لئے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت سلمانؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سلمانؓ گودیکھ کر گدہ ان کی طرف بڑھا دیا۔^۳

علالت..... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے، حضرت سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے، سلمانؓ رونے لگے، سعدؓ نے کہا، ابو عبد اللہؓ رونے کا کونسا مقام ہے، آنحضرت

ﷺ تم سے خوش دنیا سے گئے، تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے، پھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی، ہاں خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں، سعد کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا، ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا، اس کے بعد سعد نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا کہ کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت، تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔ اسی بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت و وصیت کی خواہش کی، فرمایا، ”تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔“

وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا یا، اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغ روح نفس خاکی سے چھوٹ کر شاخ طوبی پر پہنچ چکا تھا۔ ۳

فضل و کمال..... حضرت سلمانؓ کے وقت کا بڑا احصاء آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گذرتا تھا، اس لئے آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ ایسا دریائے تھے جو پایابی سے نا آشنا رہا، وہ ہمارے اہل بیت میں تھے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے“، یہ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری سے کتاب الہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربت اختصاص کی بنا پر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، ان کو اعزاز اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال علم کے معترف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے شاگرد سے کہا کہ چار آدمی سے علم حاصل کرنا، ان چاروں میں ایک سلمان کا نام بھی تھا، ۵ ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم و فضیلت کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ علم سے لبریز ہیں۔ ۶ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلاء صحابہؓ میں تھے، یہ آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ

۱۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۲۵

۲۔ اسد الغابہ ج ۲، ص ۵۰۳

۳۔ ایضاً

۴۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۲۵

۵۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۲۵

۶۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۲۵

۷۔ اسد الغابہ ج ۲، ص ۵۰۳

کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالکؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

گو حضرت سلمانؓ کا علم بہت وسیع تھا تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہو سکی، حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائی تھیں، لوگ ان کی تصدیق کے لئے حضرت سلمانؓ کے پاس آئے، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی، وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید، حضرت ابو حذیفہؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں فرماتے، فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے، اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرمادیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند! غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو اس کے حق میں خیر کر دینا، پھر ان سے کہا، تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ، نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا۔

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ ”سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل، مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔“

عام حالات، تقرب بارگاہ نبوی..... حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہ نبوی میں مخصوص تقرب حاصل تھا، چنانچہ صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمانؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں، غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین و انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں، ۱۵ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ

ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں کو (ازواج) خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گذر جائے، حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ”جنت تین آدمیوں کو مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان کی“ آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبر جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارہ میں رنجیدہ ہو گئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، بلالؓ، اور سلمانؓ کے پاس سے گذرے، ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلواری خدا کے دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور آنحضرت ﷺ سے آکر بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا، حضرت ابو بکر بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی۔

اخلاق و عادات حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد و زہد نصرانی تھے، اسی طرح مشرف بالسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے، ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔

زہد و تقوی ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے، اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا، پڑے رہتے، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنادوں؟ فرمایا، مجھ کو اس کی حاجت نہیں، وہ پیہم اصرار کرتا تھا، یہ برابر انکار کرتے جاتے تھے، آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا، فرمایا وہ کیسا، عرض کیا اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیوار سے لگیں، فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنادی۔

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں، تھا مزار خرافات دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ میں بائیس درہم سے زیادہ نہ تھا، بستر معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے۔ یہ حالت زندگی کے دور میں قائم رہی، جب امارت کے عہدہ پر ممتاز تھے، اس وقت بھی کوئی فرق نہ

آیا، حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے، اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچھاتے تھے۔

رہبانیت سے اجتناب مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی، مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداءؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، رات بھر نماز پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے، ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے، حضرت سلمانؓ ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو درداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا، پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے کہا کس کے لئے بناؤ سنگار کروں، تمہارے بھائی کو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو ملنے ملائے کے بعد کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں، فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے، جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے، اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ نے ابو درداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔

سادگی حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم کے تمام لوازم ان کے لئے مہیا ہو سکتے تھے، اس وقت بھی انکی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا، لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پانجامہ ہوتا تھا، ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر ”گرگ آمد، گرگ آمد“ کہتے، ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا، لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں، لڑکے اس ہیئت کدائی میں دیکھ کر چیخے لپک گئے، لوگوں نے یہ طوفان بے تمیزی دیکھا، تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو؟ ایک مرتبہ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی، فوجی امارت کی شان و شوکت کا کیا ذکر، یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی، چنانچہ فوجی نو جوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ ابو طلحہؓ روئے ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا، دیکھا کہ وہ بیٹھے، آٹا گوندھر رہے ہیں، پوچھا خادم کہاں ہے، کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دودھ کا مول کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکہ ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ ایک عیسیٰ نے جانور کے لئے چارہ خریدا، حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، ان سے کہا، اس کو گھر تک پہنچا دو، وہ اٹھا کر لے چلے، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لایئے ہم پہنچا دیں یہ حال دیکھ کر عیسیٰ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادب ہوا اور کہا آپ تکلیف نہ کیجئے، لیکن انہوں نے فرمایا ”اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے، اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔“

فیاضی..... فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا، آپ کو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے، ماور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے، ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے، ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔

صدقات سے اجتناب..... صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے، ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکا تب بنادیکئے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہاں میں لوگوں سے مانگ کر ادا کروں گا، فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ دھوؤں کھلانا چاہتے ہو؟ (حالانکہ اس کا مانگا ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا) حلیمہ..... بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ

نام و نسب..... اسامہ نام، ابو محمد کنیت، ”حب رسول ﷺ یعنی محبوب رسول لقب، والد کا نام زید تھا، اسامہ بن زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب عبد العزی بن زید امراء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید الملات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن ویرہ کلبی۔

پیدائش اسلام اور ہجرت..... سے بچے بعثت میں مکہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد زید آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے اور ان کی ماں برکہ آنحضرت ﷺ کی کھلائی تھیں، اس لئے ان کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول ﷺ کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا انھوں نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی، اس لئے ان کی زندگی کا کوئی حصہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا، ہجرت کا شرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ حاصل کیا۔ غزوات..... ہجرت عظمیٰ کے بعد مغازی اور سرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابتدائی لڑائیوں میں کسی کے باعث شریک نہ ہو سکے، سریہ حرقہ سے میدان جنگ میں آنے کی ابتداء معلوم ہوتی ہے، صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سریہ کا نام سریہ حرکات لکھا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہے جس کے امیر غالب لیثی تھے، اور جو سے میں واقع ہوا تھا، لیکن حاکم نے اکیلل میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا سریہ تھا، جو ۸ھ میں ہوا، ان دونوں سریوں کے الگ الگ ہونے کی اس امر سے بھی شہادت ملتی ہے کہ سریہ غالب کے امیر حضرت غالبؓ تھے، اور اس سریہ حرقہ میں امارت و قیادت خود حضرت اسامہؓ کے ہاتھ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اشارۃ ظاہر ہوتا ہے اور حاکم نے اکیلل میں اس کی تصریح کی ہے، یہ سریہ ۷ھ یا ۸ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۲، ۱۵ سال کی تھی، مگر ان کی فطری استعداد و صلاحیت نے آنحضرت ﷺ سے اس سریہ کی سرداری کا شرف حاصل کیا، مگر نا آزمودہ کار تھے، اس لئے بعض فاش غلطیاں ہو گئیں، جن کو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا، صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا، دشمن ہزیمت

کھا کر بھاگ گئے، میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا، جب وہ زد میں آ گیا تو لا الہ الا اللہ پکار اٹھا، اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا، مگر میں نے نیزوں سے کام تمام کر دیا، واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اسامہ! تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا، آپ نے یہ عذر ناقابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا کاش! آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا“ یعنی ظاہری اسلام کے لئے زبان کا اقرار کافی ہے، اس سر یہ کے متعلق ایک یمنی کی روایت ہے کہ یہ حضرت اسامہؓ کے میدان جنگ میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے قبل کسی غزوہ میں نہیں شریک ہوئے اور اسی سے ان کی جنگ آزمائی کی ابتدا ہوئی۔ فتح مکہ..... فتح مکہ اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا، اسامہ اس میں شریک تھے، اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضرتؐ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار تھے، اور حضرت بلالؓ و عثمانؓ بن طلحہ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں آدمی ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔

امارت سر یہ..... آنحضرت ﷺ نے ایک سے زائد سر یہ حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں بھیجے، ان میں نسب سے اہم وہ سر یہ تھا جس میں ان کو اجلہ صحابہ پر شرف امارت عطا ہوا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ گزوی شاہ بصری کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے، کہ مقام موتہ میں شرییل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام میں حضرت زیدؓ کی زیر قیادت ایک سر یہ روانہ کیا، لیکن یہ بھی شہید ہوئے، اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رباحؓ نے بھی جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا، چنانچہ اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے شہداء کے انتقام کے لئے ایک اور سر یہ روانہ کیا اور چونکہ حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے تھے، اس لئے اس سر یہ کا امیر اسامہؓ کو بنایا، اس میں ان کی دلدہی بھی مد نظر تھی، اور والد کی شہادت کی وجہ سے انتقام کا جو جذبہ ان میں ہو سکتا تھا وہ دوسرے میں ممکن نہ تھا۔

چنانچہ صفر الحرام میں آنحضرت ﷺ نے سر یہ کی تیاری کا حکم دیا، اور اسامہؓ کو بلا کر اس کے متعلق ضروری ہدایات فرمائیں، لیکن ابھی یہ سر یہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کو بیماری کی علامات شروع ہو گئیں، مگر آپ پر حضرت زیدؓ اور جعفرؓ کی شہادت کا اتنا اثر تھا، کہ اس کی روانگی ملتوی نہ

فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے دست مبارک سے علم مرحمت فرمایا اور سر یہ روانہ ہو گیا، پہلی منزل مقام جرف میں کی، اس سر یہ میں حضرت عمر ابو عبیدہ بن جرح، ابن سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہ سب اسامہؓ کی ماتحتی میں تھے، بعض لوگوں کو یہ تا گوار ہوا اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنایا ہے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور اسی بیماری کی حالت میں سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ ”اسامہ بن زید کو امیر بنانے میں بعض لوگوں نے جو نکتہ چیدیاں کی ہیں اس کی اطلاع مجھ کو ملی ہے اسامہ کی امارت پر یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، تم لوگ اس کے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم! وہ افسری کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا افسری کا سزاوار ہے، وہ مجھ کو بہت محبوب تھا، اور یہ بھی ہر حسن ظن کے لائق ہے اس لئے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے، اس تقریر کے بعد آپ کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

اس سر یہ کی پہلی منزل گاہ جرف مدینہ کے قریب ہی تھی، اس لئے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا، لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، اور رخصت ہو کر جاتے تھے، حضرت اسامہؓ آنحضرت ﷺ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے، اس لئے وہ بھی دیکھنے آ جاتے تھے، اتوار کے دن آنحضرت ﷺ کا مرض زیادہ بڑھ گیا، حضرت اسامہؓ منزل گاہ سے مزاجہری کے لئے آئے، اس وقت آپ پر غفلت طاری تھی، اسامہؓ نے آکر بوسہ دیا، آپ بالکل خاموش تھے، تاہم اسامہؓ کی دعا کے لئے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور حضرت اسامہؓ پر رکھتے تھے، اسامہؓ دیکھ کر واپس گئے اور دوسرے دن صبح کو پھر دیکھنے آئے، اس دن اتفاقاً تھا، آپ نے اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے فوج کو کوچ کا حکم دے دیا لیکن قبل اس کے کہ حضرت اسامہؓ جرف سے روانہ ہوں، ان کی ماں ام ایمن کا آدمی ملا کہا کہ ”رسول ﷺ کا وقت آخر ہے، فوراً مدینہ چلے آؤ“ چنانچہ اسامہؓ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ اسی وقت مدینہ پہنچے، اس وقت آنحضرت ﷺ اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہے تھے، آپ کی وفات کے بعد پوری فوج جرف سے مدینہ آگئی اور یہ مبہم اس وقت ملتوی ہو گئی اور اسامہ بن زیدؓ آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے اور جسم مبارک کو قبر انور میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

چونکہ آنحضرت ﷺ آخر وقت تک برابر اسامہؓ کو روانگی کی تاکید فرماتے رہے تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسامہؓ کی روانگی کا حکم دیا اور بریدہ حبیب علم کو

بخاری ج ۱ کتاب المغازی باب فتح مکہ

۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱،

لے کر جرف پہنچ گئے، لیکن اسی درمیان میں ارتد اد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ فی الحال اس مہم کو روک دیجئے خود حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو سکون کی حالت میں بھیجا تھا مگر اب حالات دوسرے ہیں اس لئے فی الحال یہ مہم ملتوی کر دیجئے، لیکن آپ نے جواب دیا کہ خواہ مجھ کو پرندے نوح کھائیں، لیکن میں رسول ﷺ کے حکم کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتا، بہر حال آپ اس مہم کو روکنے پر آمادہ نہ ہوئے اور فوج کو روانگی کا حکم دیا۔ پہلی مرتبہ گوا آنحضرت ﷺ کی فہمائش سے لوگوں نے اسامہ کی امارت منظور کر لی تھی، لیکن دل سے سب ناپسند کرتے تھے، اس لئے دوبارہ جب حضرت ابو بکرؓ نے اسامہؓ کی روانگی کا حکم دیا تو انصار کی جماعت نے آپ کے پاس حضرت عمرؓ کو بھیجا کہ اسامہؓ کو بجائے کسی مسن اور معمر شخص کو امارت کا عہدہ دیا جائے، یہ پیام سن کر آپ بہت برہم ہوئے اور فرمایا، ابن خطاب! جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے تم مجھ سے اس کے معزول کرنے کی خواہش کرتے ہو! اور بلا کسی قسم کی تبدیلی کے بعینہ وہی فوج روانہ کی اور تھوڑی دور خود پیادہ پار خست کرنے کے لئے گئے، اسامہؓ نے عرض کیا یا خلیفہ رسول اللہ! آپ سوار ہو کر چلیں، ورنہ ہم لوگ سوار یوں سے اتر پڑیں گے، فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے، نہ تم کو اترنے کی، میرے پیروں کو خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو، غرض حضرت ابو بکرؓ اس شان سے حضرت اسامہؓ کو رخصت کیا، اور حضرت اسامہؓ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمنوں سے نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قاتل کو داصل جہنم کیا اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں فتح کا مژدہ بھیجا، آپ اس فتح سے اس قدر سرور ہوئے کہ اسامہؓ کی واپسی تک مہاجرین و انصار کو لے کر مدینہ سے باہر ان کے استقبال کو نکلے، اسامہؓ نہایت شاندار طریقہ سے مدینہ میں داخل ہوئے آگے آگے بریدہ بن حصیب پر چم لہرا رہے تھے اور اس کے پیچھے اسامہؓ اپنے والد کے سجد نامی گھوڑے پر سوار تھے، مدینہ آتے ہی انہوں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر گئے۔ ۳

عہد فاروقی..... حضرت اسامہؓ آنحضرت ﷺ کو محبوب تھے، اس لئے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ ان کا خیال رکھا، چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کا ڈھائی ہزار اور اسامہؓ کا تین ہزار مقرر کیا، عبداللہؓ نے عرض کی اس تفریق کا کیا سبب ہے، جب کہ میں تمام غزوات میں اسامہؓ کے دوش بدوش رہا، اور آپ ان کے والد زیدؓ سے بھی پیچھے نہ رہے؟ فرمایا سچ ہے، لیکن آنحضرت ﷺ ان کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ۴

عہد عثمانی..... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد کے خیال سے ملکی معاملات میں

علائیہ کوئی حصہ نہیں لیا، لیکن ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے قیام لظم اور انسداد مفاسد پر حضرت عثمانؓ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے، لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ عثمانؓ سے فتنوں کے فرو کرنے کے متعلق گفتگو کیجئے جواب دیا، تم لوگ علائیہ مجھ کو درمیان میں ڈالنا چاہتے ہو، اور میں ان سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں کہ مبادا میری علائیہ گفتگو سے نیا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے۔

عہد معاویہؓ علیؓ..... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب زیادہ شورش بڑھی تو اسامہ بالکل علیحدہ ہو گئے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں میں بالکل کنارہ کش رہے، اور حضرت علیؓ کے پاس کبلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بھی بخوشی گھس جاتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔ یہ گو وہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانبدار تھے، تاہم حضرت علیؓ کو حق پر جانتے تھے، اور آخر دم تک اس غیر جانبداری پر کف افسوس ملتے تھے، ابرہیم کی روایت ہے کہ اسامہؓ حضرت علیؓ کو امداد نہ کرنے پر اس درجہ نادم رہے کہ آخر میں توبہ کی۔

وفات..... امیر معاویہؓ کے آخر زمانہ امارت ۵۲ھ میں مدینہ میں وفات پائی ۵۰ھ، اس وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔

اہل و عیال..... حضرت اسامہؓ نے متعدد شادیاں کیں اور کثرت سے اولادیں ہوئیں، پہلی شادی ۱۴ سال کی عمر میں خود آنحضرت ﷺ نے زینب بنت حظلہ کے ساتھ کر دی تھی، مگر حضرت اسامہؓ نے ان کو طلاق دے دی، دوسری شادی نعیم بن عبد اللہ الحام نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اپنے یہاں کر دی، ان کے بطن سے ابرہیم بن اسامہؓ تھے، اس کے علاوہ خود حضرت اسامہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:-

نام بیوی

ہند بنت فاکہہ

درہ بنت عدی

فاطمہ بنت قیس

ام حکم بنت عقبہ

بنت ابی ہمدان سہمی

برزہ بنت ربیعہ

محمد، ہندہ

جبیر، زید، عائشہ

،

،

،

حسن، حسین

ذریعہ معاش..... دربار خلافت سے ۳ ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ واوی القری میں کچھ جائیداد تھی، جس کے انتظام کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔

فضائل اخلاق..... بہت سے فضائل بیشتر صحابہ میں مشترک ہیں، لیکن اکابر صحابہ میں منفرد طور پر بعض مخصوص فضائل ایسے ہیں جو ان کی خصوصیات کا شمار کیے جاتے ہیں، مثلاً: ابن عمرؓ اور ابوذر غفاریؓ کی اکثر صفات میں اشتراک ہے، لیکن عبد اللہ بن عمر کا علم و فضل اور ابوذرؓ غفاریؓ کا زہد و تقویٰ، ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا تھا اور یہی صفات ان کی زندگی کے روشن ابواب کہے جا سکتے ہیں، اسی طرح اسامہ بن زیدؓ کی بارگاہ نبوت میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کا مخصوص طغرائے امتیازی تھا، جو بلا استثنا کسی صحابی کو حاصل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے بارہا اپنی زبان مبارک سے اس کا اظہار فرمایا ہے، اور اسامہؓ کے ساتھ آپ کا طرز عمل بھی اس کا شاہد ہے، آنحضرت ﷺ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسینؓ سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی، لیکن اسامہؓ بن زید وہ شخص ہیں جو اس محبت میں بھی شریک و شہیم تھے، آنحضرت ﷺ ایک زانو پر اسامہؓ کو بٹھاتے اور ایک پر حسنؓ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں اس لئے تو بھی رحم فرما، دوسری روایت میں ہے کہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لئے تو بھی محبت فرما، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسامہؓ مجھ کو سب لوگوں میں محبوب تر ہے،

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اب یہ سب سے عزیز ہے۔ ۵۔

ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آگیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کر دو، آپ کو کراہت معلوم ہوئی تو خود اٹھ کر صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔ ۶۔

کبھی کبھی دنوں محبت میں مزاج بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ کا شانہ نبویؐ میں بیٹھے تھے، حضرت عائشہؓ بھی تشریف فرما تھیں، آپ اسامہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر یہ میری بیٹی ہوتی تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگھار کرتا، تاکہ ان کا چہ چاہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔ ۷۔

بارگاہ نبوت میں حضرت اسامہؓ کے رسوخ کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب کوئی ایسی

۱۔ ابن سعد جز ۱ ص ۵۰ ۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۵

۳۔ بخاری جلد ۲ کتاب القرب اسامہ بن زید

۴۔ مسند رک جلد ۳ ص ۵۹۶ ۵۔ بخاری کتاب المغازی باب بیث اسامہ

۶۔ ابن سعد جز ۱ ص ۴۳ ۷۔ ابن سعد جز ۱ ص ۴۳

سفارش آنحضرت ﷺ سے کرنی ہوتی، جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ جھکتیں تو وہ اسامہؓ کے سپرد کی جاتی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی لوگوں نے کہا اس کے بارے میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے سفارش پر آمادہ ہوتا ہے، اسامہؓ کے علاوہ کسی کی ہمت نہ پڑی، انہوں نے جا کر آپ سے گفتگو کی لیکن حدود اللہ کا معاملہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نہ سنی، بلکہ آپ کو ناگوار ہوا، اور فرمایا اگر بنی اسریل میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا، تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر معمولی آدمی اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

اسامہؓ آنحضرت ﷺ کے محرم راز اور معتد علیہ تھے اور ان کی حیثیت اہل بیت میں ممبر خاندان کی تھی آپ اہم سے اہم اور نازک سے نازک خانگی امور تک میں بھی ان سے مشورہ لیتے تھے، افک جیسے نازک اور اہم معاملہ میں جس میں منافقین نے ناموس نبوت پر حرف لانا چاہا تھا اور جس کی صفائی خود زبان وحی والہام نے دی، اسامہؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ شریک مشورہ تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب افک والوں نے اتہام لگایا تو آنحضرت ﷺ نے علیؓ اور اسامہؓ بن زید سے اپنی اہل خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کئے، پونکہ آنحضرت ﷺ اسامہؓ کو محبوب رکھتے تھے، اس لئے صحابہ کرام بھی ان کو بہت مانتے تھے، حضرت عمرؓ کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، صحابہ کرام نہ صرف اسامہؓ بلکہ ان کی اولاد تک کا احترام کرتے تھے، ایک دن ابن عمرؓ نے ایک شخص کو مسجد کے گوشہ میں دیکھا، لوگوں سے کہا، دیکھو کون شخص ہے، کسی نے کہا ابو عبد الرحمن! تم اس کو نہیں پہچانتے یہ اسامہؓ کے بیٹے محمد ہیں، آپ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور زمین کرید کر کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے تو محبوب رکھتے۔

اس غیر معمولی محبت کی وجہ سے قدرۃ کچھ منافق اسامہؓ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے یہ لوگ اسامہؓ کو ذلیل اور آنحضرت ﷺ کے کبیدہ خاطر کرنے کے لئے کہتے کہ اسامہؓ زیدؓ کے نطفہ سے نہیں ہیں، آنحضرت ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچتی۔

لیکن ان کے خاموش کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا، عربوں میں قیافہ شناسی کا ملکہ بہت تھا قائف کی بات عام طور پر ہم پایہ دہی بھی جاتی تھی، اتفاق سے ایک دن بحر زیدؓ بھی جس کو قیافہ شناسی میں خاص مہارت تھی، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت زیدؓ اور اسامہؓ دونوں سر سے پیر تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، صرف پاؤں کھلے ہوئے تھے اس نے یہ

۱. بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہ و طبقات ابن سعد

۲. بخاری جلد ۲ کتاب الشهادات و ج ۲ کتاب الاعتصام باب قوله تعالى و امرهم شوری بینہم

۳. بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہ

دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بہت مسرت ہوئی، آپ حضرت عائشہؓ کے پاس ہنستے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا تم کو کچھ معلوم ہے، ہجر نے ابھی اسامہؓ کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، اس واقعہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قائف کے کہنے پر محض اس وجہ سے مسرت ہوئی کہ اس سے دشمنوں کی زبان بند ہوگئی ورنہ شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کانہوں بخون اور قائفوں کی بات کا یقین کرے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی اس کو اسامہؓ کو دیتے، ذی یزن نے حالت شرک میں حکیم بن حرام کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ایک بیش قیمت حلہ پیش کیا، آپ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، لیکن اب تم لاچکے ہو اس لئے قیمت لے لوں گا، چنانچہ پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک مرتبہ پہن کر اسامہؓ کو دے دیا۔

وحیہ کلبی نے کتان کا کپڑا آنحضرت ﷺ کو ہدیہ دیا تھا، آپ نے اسامہؓ کو پہنا دیا، انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیا، ایک دن آپ نے پوچھا، کتان کیوں نہیں پہنتے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! بیوی کو دے دیا فرمایا، اچھا اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بان دکھائی دے گا، عرض آپ اپنے اہل و عیال اور اسامہؓ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔

فضل و کمال..... اس لحاظ سے کہ حضرت اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، آپ سرِ اہل علم ہونا چاہیے تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی، اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملتا ہم اس مدت میں جو کچھ آپ نے حاصل کر لیا، اس کو کم نہیں کہا جاسکتا، اقوال نبوی ﷺ کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، بعض مرتبہ کبار صحابہ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا، اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا کہ تم نے آنحضرت سے طاعون کے بارے میں کیا سنا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا، اس لئے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں یہ دبا پھیلے وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔

آپ کے عمل سے دوسرے لوگ سدا لاتے تھے، حضرت میمونہؓ نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نچا دیکھا تو اس کو ملامت کی، انہوں نے کہا میں نے اسامہ بن زید کو نچا ازار پہنے دیکھا ہے،

حضرت میمونہ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری تھا، اس لئے اس پر نہ ٹھہرنا رہا ہو اور نیچے کھسک جاتا ہو۔

آپ کی ذات سے حدیث کا معتد بہ حصہ اشاعت پذیر ہوا، ان کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے، جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ مزید دو بخاری اور مسلم میں ہیں، حسن، محمد ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابو عثمان نہدی، عمرو بن عثمان بن عفان، ابو داؤد، عامر بن سعد حسن بصری وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق و عادات..... چونکہ اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، اس لیے ان پر قدرۃ تعلیمات نبویؐ کا خاص اثر پڑا تھا۔

خدمت رسول..... کا شانہ نبویؐ میں کثرت سے آتے جاتے تھے، اور اکثر سفر میں بھی ہر کابی کا شرف حاصل ہوا تھا، اس لئے خدمت نبویؐ کا زیادہ موقع ملا تھا، اکثر وضو وغیرہ کے وقت پانی ڈالنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

پابندی سنت..... سنت کی پابندی شدت سے کرتے تھے، آخر عمر میں جب کہ قوی ریاضت جسمانی کے محمل نہ تھے، اس وقت بھی مسنون روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا اب آپ کی عمر ضعف و ناتوانی کی ہے، آپ کیوں دو شنبہ اور پنجشنبہ کے روزہ کا التزام کرتے ہیں؟ کہا آنحضرت ﷺ ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

اطاعت والدین..... والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، اور اس میں بڑی بڑی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے، محمد بن سیر بن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی، اس زمانہ میں حضرت اسامہؓ نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہیں؟ آج کل درختوں کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے اور تم اس کو ضائع کرتے ہو، کہا میری ماں نے فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہیں، اگر اس کا حصول میرے امکان میں ہوتا ہے تو اس کو میں ضرور پوزی کرتا ہوں۔

۱ ابن سعد جز ۴ ص ۴۹ ق ۱ ص ۴۹

۲ تہذیب الکمال ص ۲۶

۳ تہذیب المعجم ص ۲۰۸

۴ بخاری ج ۱ کتاب الوضو باب الرجل یوضی صاحبہ

۵ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰۰

۶ ابن سعد جز ۴ ص ۴۹ ق ۱ ص ۴۹

نے پوچھا کہ انکو عیش و تنعم میسر ہے یا ہم کو؟ اس نے کہا ان کو میں نے کہا کہ اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی، جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو، اس لئے محمد ﷺ کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے، غزوہ خندق کے بعد ان کو آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا پورا یقین تھا، اور یہی یقین ان کے اسلام کا ذریعہ بنا، اس کی تفصیل مسند احمد بن حنبل میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔

اسلام..... ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوہ احزاب سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے، جمع کر کے کہا کہ خدا کی قسم تم لوگ یقین جان لو کہ محمد ﷺ کی بات تمام باتوں پر سر بلند ہوگی، اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں، میری ایک رائے ہے، تم اس کو کیسی سمجھتے ہو، لوگوں نے پوچھا کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں، اگر محمد ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے، کیوں کہ نجاشی کی مانتی میں رہنا محمد کی مانتی سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر ہماری قوم محمد ﷺ پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں، ہمارے ساتھ ان کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا، اس رائے پر سب نے اتفاق کیا، میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لئے کوئی چیز مہیا کرو، نجاشی کے لئے ہمارے یہاں سب سے بہتر تحفہ حمزہ تھا چنانچہ بہت سا چمڑا لیکر ہم لوگ جشہ پہنچے، ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری بھی پہنچ گئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے جعفر او ان کے ساتھیوں کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جب وہ آکر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری کو ہمارے حوالہ کر دے، اگر وہ دیدے تو اس کی گردن مار دیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد ﷺ کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا، یہ کہہ کر نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے عرض کیا حضور بہت سا چمڑہ تحفہ لایا ہوں اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو پیش کر دیا، اس نے بہت پسند کیا، پھر میں نے عرض کیا عالیجاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے، یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے، حضور قتل کرنے کے لئے اس کو ہمارے حوالہ کر دیں، اس نے ہمارے شرفاء اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں، نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ٹوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادوم و شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا، پھر میں نے عرض کی،

شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا، قتل کے لئے تمہارے حوالہ کر دوں۔ میں نے عرض کی، عالی جا! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟ وہ بولا عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے، میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کر لو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا، جس طرح موسیٰ فرعون اور اسکے لشکر پر غالب ہوئے تھے، میں نے کہا پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے! چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلا یا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا، تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک حق پرست پر اسلام لانے کے لئے روانہ ہو گیا، راستہ میں خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے، یہ فتح مکہ کے پہلے کا واقعہ ہے میں نے کہا ابا سلیمان! کہاں کا قصد ہے؟ وہ بولے خدا کی قسم! خوب پانسہ پڑا، خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے، اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے، یہ ایت وعل کب تک، میں نے کہا خدا کی قسم میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں، چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پہلے خالد ابن ولید نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں بیعت کروں گا، لیکن آپ میرے اگلے پیچھے گنا ہوں کو معاف کر دیجئے، آپ نے فرمایا، عمرو بیعت کر لو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ گیا۔

ہجرت قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے،

غزوات و سرایا حضرت عمرو بن العاصؓ جس طرف رہے، انتہا پسند رہے، اسلام کے قبل اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسلام کے بعد کفر و شرک کے استیصال میں اسی شد و مد سے کمر بستہ ہو گئے، قبول اسلام کے بعد گذشتہ مخالفتوں کو یاد کر کے پشیمان ہوتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، جب میں حالت کفر میں تھا تو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا، اگر اسی حالت میں مرجاتا تو میرے لئے دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہ تھا، اور جب بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوا تو ابھی آنحضرت ﷺ سے آنکھیں نہ چار کر سکا۔

سریہ ذات السلاسل فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے عرب کے مختلف حصوں میں دعوت اسلام کے لئے تبلیغی دستے روانہ فرمائے تھے، اسی سلسلہ کا ایک سریہ ذات السلاسل بھی ہے، ابن سعد نے اس سریہ کو سرے سے مدافعا نہ لکھا ہے، چنانچہ ان کی روایت کے مطابق

صورت واقعہ یہ ہے کہ بنو قضاہ کے کچھ اشخاص نے ایک جماعت فراہم کر کے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا، آنحضرت کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو تین سو مہاجرین و انصار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے سریہ مدافعت کی غرض سے نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس کا مقصد اشاعت اسلام تھا علامہ ابن اثیرؒ نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاصؓ کو قبیلہ بلی اور عذری کی طرف راغب کریں، لیکن جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں، عمرو بن العاصؓ نے آنحضرت ﷺ سے امداد طلب کی آپ نے دو سو آدمیوں کی ایک جمعیت ابو عبیدہؓ کے ساتھ روانہ کی، جس میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے اور تاکید فرمادی کہ کسی بارہ میں باہم اختلاف نہ کرنا، ابو عبیدہؓ امدادی دستہ لے کر پہنچے تو ان میں اور عمرو بن العاصؓ میں امارت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا، عمرو بن العاصؓ کہتے تھے کہ امامت میرا حق ہے، کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں، اور میری امداد کے لئے آئے ہو، اس لئے میرے ماتحت ہو، اب عبیدہؓ نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق گریز کیا اور ان کی امامت قبول کر لی اس کے بعد دونوں بلی، عذری، اور بلقین کی آبادیوں کو پامال کرتے ہوئے اس کے آخری حد تک بڑھتے چلے گئے، راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا، مگر وہ بھی ہزیمت کھا کر بھاگی۔

سریہ سواع..... فتح مکہ کے بعد جب کہ عرب کے اکثر قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، بعض ایسے قبائل باقی رہ گئے تھے، جو صدیوں کے اعتقاد کی بنا پر بتکدوں کو ڈھاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے چند دستے صرف ان کے گرانے کے لئے بھیجے، تاکہ عرب کے دلوں سے ان کا خوف و ہراس اور ان کی عظمت جاتی رہے سواع بنو مذہیل کا صنم کدہ تھا، آنحضرت نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ڈھانے پر متعین کیا، جب یہ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے پوچھا کس نیت سے آئے ہو؟ عمرو بن العاصؓ نے کہا اس کو ڈھانے کے لئے، اس جواب پر اس نے مدافعت کرنے کے بجائے جواب دیا کہ تم اس کو نہ گراسکو گے، وہ خود اپنی حفاظت کرے گا انہوں نے کہا تم اب اسی وہم اور باطل پرستی میں مبتلا ہو، جس میں سننے اور دیکھنے تک کی طاقت نہیں، وہ روک کیا سکتا ہے، یہ کہا اس کو مسمار کر کے مجاور سے بولے، اس کی طاقت دیکھ لی، وہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

سفارت..... فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے آس پاس کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو عمان کے حاکموں عبیدہ و حیضر کے پاس خط لے جانے کی خدمت حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد ہوئی، اس خط پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو یہاں کا عامل کر دیا، اس لئے وہ وفات نبوی تک وہیں مقیم رہے۔

فتنہ ارتداد..... حضرت ابوبکرؓ کے استخلاف کے بعد جب ارتداد اور مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ عمان ہی میں تھے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات اور موجودہ حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کو دبانے کے لئے بھیجا، چنانچہ یہ بحرین کے راستے سے آگے بڑھے، راستہ میں قبیلہ بنی عامر میں قرہ بن ہبیرہ کے یہاں مہمان ہوئے اس نے بڑی خاطر و مدارات کی، چلتے وقت تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت نہ قبول کریں گے، ہاں اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو البتہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے، اس لئے زکوٰۃ کا قانون اٹھا دینا چاہیے، انہوں نے کہا قرہ! کیا تم کافر ہو گئے؟ مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم! میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کی ٹاپ سے مسل ڈالوں گا، یہ شخص بعد میں جب مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا تو عمرو بن العاصؓ کی شہادت پر چھوڑ دیا گیا، امدینہ پہنچ کر بنو قضاہ کے سردین کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی، اور انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے اس کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مہم کو سر کرنے کے بعد عمان لوٹ گئے۔

فتوحات شام..... فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۳۱ھ میں شام کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تو عمرو بن العاصؓ کو جو اس وقت عمان میں تھے، لکھ بھیجا کہ تم کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا والی مقرر کیا تھا، اس لئے میں نے تم کو دوبارہ واپس کر دیا تھا، لیکن اب میں تم کو ایسے کام میں لگانا چاہتا ہوں جو تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لئے مفید ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں خدا کا ایک تیر ہوں اور آپ اس کے بعد اس کے تیر انداز ہیں، اس لئے آپ کو اختیار ہے جدھر چاہیے پھینکنے، چنانچہ عمان سے واپس بلا کر فلسطین کی مہم پر مامور کیا،

اجنادین..... ہر قل کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی فوجیں شام کے چاروں طرف منڈلا رہی ہیں، تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں، رومیوں کے مشہور سپہ سالار تدارق اور قبلا ر تھے، اجنادین میں اپنی فوجیں اتاریں، عمرو بن العاصؓ اس وقت فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے یہ رومیوں کے اجتماع کی خبر پا کر اجنادین کی طرف بڑھے، اس درمیان خالدؓ اور عبیدہؓ بھی بھری کی مہم سر کر کے ان کی مدد کو روانہ ہو گئے، اور اجنادین میں یہ تینوں مل گئے، رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو سراغ رسانی کے لئے بھیجا، وہ دیکھ بھال کر جب واپس گیا تو سپہ سالار نے پوچھا کیا خبر لائے؟ اس نے کہا یہ لوگ رات کو عابد شب زندہ دار اور دن میدان جنگ کے شہسوار ہیں، اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر شرعی حد جاری کرتے ہیں، اس نے کہا اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو زمین

میں دفن ہو جانا، ان کے مقابلہ سے زیادہ بہتر ہے، غرض جمادی الثانی ۱۳ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، رومی سپہ سالار مارا گیا اور رومیوں نے سخت ہزیمت اٹھائی۔
اجنادین کے معرکہ کے بعد عمرو بن العاصؓ بھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصہ فوج کے سردار تھے۔

دمشق..... اجنادین کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا کہ شام کا صدر مقام تھا، اس لئے مسلمانوں نے اس کا بڑے اہتمام سے محاصرہ کیا، شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ باب تو مارا مامور تھے، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، اور آخر میں خالد بن ولیدؓ کی خوش تدبیری سے فتح ہوئی۔

فحل..... دمشق کی فتح کے بعد محل کا رخ کیا، لیکن رومی میں پہلے سے دریا کا بند توڑ کر بیان چلے گئے تھے، جس سے دونوں کے درمیان دنیائے آب رواں ہو گئی تھی اس لئے مسلمانوں نے یہیں فوجیں ٹھہرا دیں، اس معرکہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے، مسلمان یہاں مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا اور ایک شباً نہ روز سخت کشت و خون کے بعد شکست کھائی اور جدھر راستہ ملا بھاگے، مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک مل سکے قتل کیا، اس سے فارغ ہو کر بیان کا محاصرہ کیا، ایک دن رومیوں نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا، مگر سب کے سب مارے گئے، باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔

یرموک..... ان مسلسل اور پیہم شکستوں سے سارے روم میں کھرام مچ گیا اور رومیوں نے قیصر سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام ویران و تباہ کر ڈالا، وہ بھی ان کی تاخت و تاراج سے تنگ آچکا تھا، اس لئے سارے ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا کہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جہاں تک آدمی مل سکیں بھرتی کیے جائیں، چنانچہ دولاکھ انسانوں کا دل اس حکم پر امنڈ آیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے، اور دربار خلافت سے بھی اسی مشورہ کی تائید ہوئی، چنانچہ اسلامی فوجیں ہر چہار طرف سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئیں، چونکہ اس معرکہ میں سارا شام امنڈ آیا تھا اور مسلمانوں کی تعداد ان کی چوتھائی حصہ سے بھی کم تھی، اس لئے خالدؓ نے غیر معمولی توجہ سے کام لیا اور جدید طرز پر فوج، کو چھپیس ۲۶ حصوں پر تقسیم کیا، میمنہ کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر عمرو بن العاصؓ اور شریصل بن حسنہ کو مقرر کیا۔ اور دونوں فوجیں پوری تیاری کے ساتھ میدان میں

اترے، عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور متعدد ہولناکیاں ہوئیں، حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے جوش و خروش سے لڑتے تھے اور اپنی پر جوش تقریروں سے آگ لگا دیتے تھے ابتداء میں مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے تھے، بلکہ بہت سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے لیکن پھر سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ رومی پوری کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے اور میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

بقیہ فلسطین..... فلسطین کا کچھ حصہ عمرو بن العاصؓ دمشق کے قبل لے چکے تھے، لیکن درمیان میں دمشق، یروشلم، یرموک وغیرہ کی مہموں کی وجہ سے پہلی مہم نامتمام رہ گئی تھی، اس لئے یرموک وغیرہ سے فراغت کے بعد عمرو بن العاصؓ پھر ادھر متوجہ ہوئے، اور غزہ، سبسطین، نابلس، لاذ، یمنی، بیت، جبیریں، اور عمواس وغیرہ آسانی سے فتح کر کے یہ سلسلہ مکمل کر دیا۔

بیت المقدس..... لیکن ابھی فلسطین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) باقی رہ گیا تھا اس لئے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ رومی سپہ سالار رطبون کو خط لکھا، اس نے جواب دیا کہ اجنادین کے علاوہ اب فلسطین کا ایک چپہ زمین بھی نہیں لے سکتے، اس جواب کے بعد انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، حضرت ابو عبیدہؓ بھی قسریں کی مہم سر کر کے پہنچ گئے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، ایلیا والوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود امیر المؤمنینؓ آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں چنانچہ ان خواہش کے مطابق حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا اور صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا، اور شام کا یہ متبرک شہر جس کو انبیاء و رسل علیہم السلام کے آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اور شام پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

طاعون عمواس..... اسی سال شام، عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا، ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے، اس لئے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دینی چاہیے، لیکن اسلامی فوج کے امیر حضرت ابو عبیدہؓ بڑے متوکل تھے، انہوں نے کہا یہ خدا کی رحمت ہے، اس میں بڑے بڑے صلحاء نے وفات پائی ہے اس سے فرار کے کیا معنی، چنانچہ انہوں نے عمواس کو نہیں چھوڑا اور خود بھی اس میں مبتلا ہو گئے، آخر میں انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود اسی رحمت کے دامن میں آ گئے، ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاصؓ نے پیش قدمی روک کر طاعون زدہ مقامات سے فوجیں ہٹالیں۔

فتوحات مصر..... شام کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی عمرو بن العاصؓ کے بلند حوصلے پورے نہ ہوئے، کیونکہ شام کی فتوحات میں خالدؓ اور عبیدہؓ کی قوتوں کو زیادہ دخل تھا اس لئے ان کو ایسے

میدان میں تلاش ہوئی جہاں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور چونکہ شام کے قریب مصر بہت زیادہ زرخیز اور شاداب مقام تھا اور عمرو بن العاصؓ زمانہ جاہلیت سے اس کی شادابی سے واقف تھے، اس لئے حضرت عمرؓ سے پیش قدمی کی اجازت چاہی، لیکن حضرت عمرؓ کو اجازت دینے میں دو وجوہوں سے پس و پیش ہوا، اول یہ کہ شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دم نہ لیا تھا، دوسرے مقوقس شاہ مصر کی قوت کا تھوڑی فوج سے مقابلہ کرنا دشوار تھا، لیکن آخر میں عمرو بن العاصؓ کے اصرار اور حوصلہ مندی سے مجبور ہو کر اجازت دے دی، اور ان کے جانے کے بعد زبیر بن عوام کو ایک جمعیت کے ساتھ امداد کے لیے روانہ کر دیا، عمرو بن العاصؓ نے شام سے نکل کر پہلا مقام باب الیوان میں کیا۔

باب الیوان عمرو بن العاصؓ کے پہنچنے کے قبل آپ کی آمد کی اطلاع پا کر مصری فوجیں باب الیوان پہنچ گئی تھیں، ابو مریم مصر کا استقف ان کی قیادت کر رہا تھا، اس لیے عمرو بن العاصؓ کے پہنچنے کے ساتھ ہی دونوں میں جھڑپ ہوئی، مگر عمرو بن العاصؓ نے لڑائی روک دی اور ابو مریم سے تحلیہ میں گفتگو کی خواہش کی، چنانچہ وہ دونوں آئے، انہوں نے اسلام پیش کیا اور آنحضرت ﷺ کی وصیت سنائی اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ کی شرط پیش کی، یہ دونوں چند دن کی مہلت لے کر استصواب کے لیے مقوقس کے پاس گئے، لیکن اربطون سپہ سالار مصر نے انکار کر دیا اور اہل مصر کو اطمینان دلایا کہ تم لوگ مطمئن رہو، میں مسلمانوں کو ہٹا دوں گا، حضرت عمرو بن العاصؓ کئی دن تک جواب کا انتظار کرتے رہے، مگر اس درمیان میں اربطون مقابلہ میں آگیا، مگر فاش شکست کھائی۔ ۳

عریش حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر پر فوج کشی کی اجازت تو دے دی تھی، مگر دل مطمئن نہ تھا، اس لیے وہ عریش تک پہنچے تھے کہ فرمان خلافت پہنچا کہ اگر مصر کے حدود میں داخل نہ ہوئے ہو تو واپس چلے آؤ اور پہنچ چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو، یہ خط چونکہ عریش میں ملا، اس لیے واپس نہ ہوئے اور عریش لینے کے بعد فرما کی طرف بڑھے، اس کو جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل تھی، اور یہاں کے لوگ مقابلہ کے لیے پورے طور پر تیار تھے، اس لیے جیسے ہی اسلامی فوج پہنچی ان لوگوں نے نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ ۴

۱۔ کیونکہ یہ تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا کرتے تھے،

۲۔ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی مصری تھیں، اس تعلق سے آپ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ مصر والوں کے ساتھ اپنا سوگ کرتا

۳۔ طبری ۲۵۸ ۱۶ ۲۵۸ ۱۶ طبری کے بیان کے مطابق اربطون بھی اس میں مارا گیا لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ آئندہ متعدد محروکوں میں وہ شریک رہا،

۴۔ عریش شام کا مصر کی سرحد پر حکومت مصر کا ایک قریہ تھا،

۵۔ فوج البلدان باذری ص ۲۲۰

عین شمس یا فسطاط فرما کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ جلیس اور ام دین و غیرہ فتح کرتے ہوئے عین شمس پہنچے، عین شمس زمانہ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا، یہاں آفتاب کا ہیکل تھا، جس کی تیرتھ کو ہزاروں آدمی آتے تھے، لیکن جس زمانہ میں مسلمانوں کا حملہ ہوا اس وقت تباہ ہو چکا تھا، بعد میں یہی مقام آباد ہو کر فسطاط کے نام سے مشہور ہوا۔

عمرو بن العاصؓ کے حملہ کے وقت اگرچہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی، بلکہ چراگاہیں تھیں تاہم قصر شمس یہاں ایک قلعہ تھا، جس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی، مصر کی تسخیر کے لیے اسکا لینا ضروری تھا، اس لیے عمرو بن العاصؓ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں، اسی دوران میں زبیر بن عوامؓ بھی دس ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور دونوں نے دو سمتوں سے حملے شروع کر دیے مگر قلعہ اس قدر مستحکم تھا کہ مینے لگ گئے، آخر میں حضرت زبیر بن عوامؓ نے تنگ آ کر تنگی تلوار ہاتھ میں لی اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے آپ کو دیکھ کر بہت سے جانشین بھی لگا کر پہنچ گئے اور سب لوگوں نے اس زور سے تکمیر کا نعرہ لگایا کہ قلعہ واسلے بدحواس ہو گئے اور سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں آ گئے، اس لیے انہوں نے خود اس کے دروازے کھول دیے اب ان کے لیے سوائے مصالحت کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لیے صلح کی درخواست کی مسلمانوں نے منظور کر لی اور اتنی رعایت کی کہ فاتحانہ داخلہ کے باوجود شرائط بہت نرم رکھے، یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا،

فتح اسکندریہ عین شمس کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی، وہاں سے اجازت ملنے کے بعد خارجہ بن حذافہ کو مفتوحہ مقامات کا حاکم مقرر کر کے اسکندریہ روانہ ہو گئے رومیوں اور قبطیوں کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مقام کر یوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، رومی شکست کھا کر بھاگ گئے، عمرو بن العاصؓ بڑھتے ہوئے اسکندریہ پہنچے، یہاں کے باشندے مقابلہ کے لیے ہمہ تن تیار تھے، مگر مقوقس خود صلح کا خواہش مند تھا، اس لیے اس نے مفاہمت کی درخواست کی لیکن عمرو بن العاصؓ نے انکار کر دیا، اب مقوقس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ وہ رومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے چنانچہ قلعہ کی فصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے عورتوں کو بھی شامل کر لیا اور ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیئے تاکہ مسلمان پہچان نہ سکیں، عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم یہ اہتمام سمجھتے ہیں، لیکن یاد رکھو ہم نے

فوج کی کثرت کے بل پر میدان نہیں سر کیے ہیں، تمہارے بادشاہ ہرقل کا جو زور و قوت میں تم سے کہیں بڑھ کر ہے، کیا انجام ہوا؟ مقتولس نے جو ہر موقع پر صلح کا پہلو ڈھونڈا تھا، اسکندریہ والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ واقعی ہمارے شہنشاہ ہرقل کو ان لوگوں نے اس کے دارالسلطنت سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا دیا، تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں، اس کے جواب میں اسکندریہ والوں نے اس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مقتولس ابتدا سے جنگ کا مخالف تھا، مگر ہرقل کے خوف سے جس کا وہ باج گزار تھا، علی الاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا تھا، لیکن درپردہ وہ برابر مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا، ہرقل کو اس کی اطلاع ہو گئی، وہ بہت برہم ہوا، اور اسی وقت اسکندریہ فوجیں روانہ کر دیں، لیکن مقتولس نے عمرو بن العاصؓ سے پہلے ہی خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے اور ہم بوجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں اور رومیوں میں امتیاز رکھنا اور قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جس کے رومی سختی ہیں، اس معاہدہ کے بعد قبطی ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار رہے اور ان کے لیے راستہ صاف کراتے اور گذرگاہوں کے پلوں کی مرمت کرتے تھے۔

عرض اسکندریہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینہ تک کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں صرف یہ واقعہ قابل ذکر پیش آیا کہ ایک دن قلعہ کے آڑ سے کچھ سوار برآمد ہوئے ان میں اور مسلمانوں میں مذبذب ہو گئی جس میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، رومیوں کے لیے یہ معرکہ بہت اہم تھا کیونکہ اسکندریہ میں ان کا سب سے بڑا کنیہ تھا اس کے نکل جانے کے بعد ان کی مرکزیت بالکل فنا ہو چکی تھی، اس لیے خود قیصر روم نے جنگ میں شرکت کی تیاریاں شروع کیں، مگر بد قسمتی سے ساز و سامان مکمل کرنے کے بعد خود چل بسا، اس کی موت سے رومیوں کی ہمت پست ہو گئی اور بہتوں نے جو اس کے ساتھ تیاریاں کر رہے تھے ارادہ منہ رخ کر دیا کہ بغیر بادشاہ کے لڑنا بے سود ہے، البتہ اسکندریہ کی فوجیں برابر مدافعت میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی باشندگان اسکندریہ مسلمانوں سے دو چار ہاتھ کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا لیکن رومی برابر قلعہ میں رہتے تھے، ایک دن کچھ لوگ قلعہ سے نکلے اور ایک مسلمان کا سر کاٹ کر اس کو ساتھ لیتے گئے، مقتول کے قبیلہ کے لوگ بہت غضبناک ہوئے اور بغیر سر کی نعش دفنانے پر تیار نہ ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا اس عیظ و غضب سے کیا فائدہ اگر سرواپس لینا چاہتے ہو تو تم بھی کسی رومی کا سر کاٹ کر اس کو رومیوں کی طرف پھینک دو، چنانچہ ایک پادری ہاتھ آ گیا اس کا سر قلم کر کے کسی طرح رومیوں تک پہنچا دیا، اسکے جواب میں انہوں نے مقتول مسلمان کا سر پھینک دیا، چونکہ لڑائی طول پکڑتی جاتی تھی، اس

لئے ایک مسلمان نے مشورہ دیا کہ مجھ پر نصب کر کے قلعہ پر سنگباری کی جائے لیکن عمرو بن العاصؓ نے کہا ایسی نازک حالت میں صف بندی توڑنا مناسب نہیں، ابھی تک جم کر دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی، البتہ کبھی کبھی قلعہ والے نکل آتے تھے اور دو چار ہاتھ رد و بدل کے بعد قلعہ بند ہو جاتے تھے، ایک دن قلعہ سے نکل کر لڑ رہے تھے کہ رومیوں کی صف سے آواز آئی کہ کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ بڑھے، مگر بھاری بھر کم آدمی تھے اس لیے حملہ کرتے وقت گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے بچھاڑ دیا مگر مسلمانوں نے بڑھ کر بچا لیا، عمرو بن العاصؓ کو غصہ آگیا، انہوں نے کہا ایسے نامردوں کو میدان میں آنے کی کیا ضرورت تھی، مسلمہؓ کو بہت ناگوار ہوا، مگر مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا، مسلمان رومیوں کو جوش میں دباتے ہوئے قلعہ کے اندر تک چلے گئے اور دیر تک قلعہ کے اندر لڑتے رہے، لیکن پھر رومیوں نے سنبھل کر مسلمانوں کو قلعہ کے باہر کر دیا، ان کے نکلنے کے بعد رومیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، اتفاق سے چار آدمی جن میں ایک عمرو بن العاصؓ اور دوسرے مسلمہؓ تھے قلعہ ہی میں رہ گئے رومیوں کی نظر پڑی تو کہا کہ اب تم ہمارے بس میں ہو، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو، بیکار جان دینے سے کیا فائدہ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، البتہ اگر تم ہم کو چھوڑ دو تو تمہارے قیدی واپس کر دیئے جائیں گے، رومی اس پر آمادہ نہ ہوئے اور رہائی کی یہ شرط ٹھہری کہ چار محصورین میں سے کوئی ایک کسی رومی کا مقابلہ کرے اگر مسلمان فتیاب ہو جائے تو سب چھوڑ دیئے جائیں گے ورنہ انہیں حوالہ کر دینا ہو گا، عمرو بن العاصؓ راضی ہو گئے، اور خود مقابلہ میں آنا چاہا، مگر مسلمہؓ نے سمجھایا کہ آپ امیر ہیں، اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو فوج کا کیا حشر ہوگا، اس لیے مجھ کو نکلنے دیجئے ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور مسلمہؓ مقابلہ میں آئے، خوش قسمتی سے وہی ایک ہاتھ میں رومی کو گرادی اور اس طرح سے ان لوگوں کی جان بچ گئی، ان کے چھوٹنے کے بعد رومیوں کو معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ بھی تھے مگر اب سوائے پشیمانی کے کیا ہو سکتا تھا اس لئے ہاتھ مل کر رہ گئے مسلمہؓ گودا نٹنے پر بہت نادم تھے، اس لیے رہائی کے بعد سب سے پہلے ان سے معافی مانگی، مسلمہؓ نے نہایت خوش دلی سے معاف کر دیا اور پھر بدستور محاصرہ میں مشغول ہو گئے اسکندر یہ کے محاصرہ کو قریب قریب دو سال ہو چکے تھے، لیکن ہنور روز اذل تھا، حضرت عمرؓ اس تاخیر سے بہت پریشان تھے، چنانچہ انہوں نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ دو سال سے جے ہوئے ہو، لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ نہ نکلا معلوم ہوتا ہے، رومیوں کی طرح تم بھی عیش و عشرت میں اور ہوا و ہوس میں پڑ کر اپنے فرائض اور خلوص نیت کو بھول گئے، جس وقت تم کو میرا خط ملے، لوگوں کے سامنے جہاد پر تقریر کرو، اور جن چار آدمیوں کو میں نے بھیجا تھا ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کر دو عمرو بن العاصؓ نے فوج کو یہ خط سنایا اس سے ان لوگوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا اور فوج کو مرتب

کر کے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے نیزے پر جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ علم لیجئے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں، حضرت عبادہؓ نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ان کو خشکی و تری جس راستہ سے جدھر راہ ملی بھاگ نکلے، عمرو بن العاصؓ نے ایک ہزار آدمی متعین کر کے خشکی کی سمت رومیوں کا تعاقب کیا، ادھر وہ تعاقب میں مصروف تھے، رومیوں نے بحری راستہ سے پلٹ کر حملہ کر دیا، اور جس قدر مسلمان ملے بے دریغ قتل کر دیئے، عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو تعاقب چھوڑ کر لوٹ پڑے، رومیوں کا یہ حملہ صرف اتفاقی تھا، ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی، اس لئے عمرو بن العاصؓ کو دوبارہ کوئی زحمت پیش نہیں آئی، اور آسانی سے زیر کر لیا، اور معاویہ بن خدیج کو فتح کا مژدہ سنانے کے لئے دار الخلافہ روانہ کیا، وہ بجلت منزلیں طے کرتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبویؐ میں چلے گئے اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ کی لونڈی اس طرف سے گذری، اس نے انہیں مسافرانہ شکل میں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ کہا معاویہ بن خدیج، عمرو بن العاصؓ کا قاصد اس نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے فوراً طلب کیا، ان کے پہنچتے پہنچتے وہ خود آنے کو تیار ہو رہے تھے۔ دیکھنے کے ساتھ ہی پوچھا کیا خبر لائے، عرض کیا خدا نے کامیاب کیا، یہ مژدہ سن کر حضرت عمرؓ نے اسی وقت منادی کرائی اور مسجد نبویؐ میں تمام مسلمانوں کے سامنے خود معاویہؓ کی زبان سے فتح کے حالات سنوائے پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے، عرض کیا دوپہر کا وقت تھا، میں نے خیال کیا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے، جواب دیا کیا میں دن کو سو کر رہا یا کو تباہ کرتا یا اگر چہ اسکندر یہ کو مسلمانوں نے بزرگ شمشیر فتح کیا تھا، لیکن شہر کے امن و امان میں کوئی فرق نہیں آنے پایا اور عام آبادی میں سے کسی کو قتل یا قید نہیں کیا گیا۔ بلکہ جزیہ اور خراج نسخہ وصول کرنے کے بعد کامل امن و امان ہو گیا۔

مصر کی تسخیر کے بعد اگرچہ وہاں رومیوں کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، تاہم منتشر طور پر جا بجا ابھی ان کی آبادیاں باقی رہ گئی تھیں، اس لئے عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کر دیں، تاکہ آئندہ بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے، چنانچہ خارجہ بن حذافہؓ نے فہوم اشمونین، بشروات، انہیم اور صعید، مصر کے تمام مواضعات لئے اور عمیر بن وہب نے حمیس، ومسط، تونہ و میرہ شطا، قہلا، بوسیر وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں کی کل آبادی نے فسطاط کے شرائط پر صلح کر لی، ۳۱ اور عقبہ بن عامر یا دردان نے مصر کی آبادیوں پر قبضہ کیا اور مصر و اسکندر یہ پر پورا

۱۔ یہ تمام تفصیلات مقررہ تاریخ ۶۳۷ء سے ماخوذ ہیں اور بعض واقعات طبری سے لئے گئے ہیں،

۲۔ فوج البلد ان ص ۲۲۸،

۳۔ ایضاً ص ۲۲۳

تسلط ہو گیا۔

فتوحات مغرب برقہ عمرو بن العاصؓ کی فتوحات کا سیلاب اسکندریہ پہنچنے کے بعد برقہ کی طرف مڑا، برقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک زرخیر، سیر حاصل اور آباد رقبہ زمین تھا، یہاں کی آبادی بہت مرفہ الحال تھی، یہ قطعہ متعدد شہریوں پر مشتمل تھا، انطاہل بس یہاں کا بڑا شہر تھا، یہ لوگ حکومت مصر کے باجگذار تھے، عمرو بن العاصؓ نے انطاہل بس پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، برقہ والے بہت نرم خو اور اطاعت شعار تھے، اسے لئے بلا کسی مزاحمت کے جزیرہ قبول کر لیا، اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہو گئی۔

زویلہ برقہ سے فارغ ہو کر عقبہ بن نافعؓ کو زویلہ روانہ کیا، سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا، برقہ اور زویلہ کی درمیانی آبادیوں نے بلا کسی جنگ کے خود سے اطاعت قبول کر لی، زویلہ والوں نے بھی بخوشی جزیرہ دینا منظور کر لیا۔

طرابلس الغرب زویلہ کے بعد طرابلس کا رخ کیا، طرابلس بحر روم کے ساحل پر آباد ہے، یہ مقام اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا، عمرو بن العاصؓ نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اتار دیں اور نہایت اہتمام سے اس کا محاصرہ کیا، دو مہینہ تک برابر محاصرہ جاری رہا، لیکن یہیں سے اندر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا، ایک دن کچھ مسلمان شکار کو نکلے، واپسی میں دھوپ سخت تھی، اس لئے یہ لوگ دریا کے کنارہ کنارہ واپس ہوئے، شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان کوئی فصیل یا شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے، اور دریا کے گھاٹ کی وجہ سے درمیان میں خشک راستہ بھی چھوٹا ہوا ہے، انہوں نے آ کر فوراً عمرو بن العاصؓ کو اطلاع دی چنانچہ مسلمان اسی وقت حملہ کے لئے تیار ہو گئے اور اسی راستہ سے فوراً حملہ کر دیا اس ناگہانی حملہ سے شہر والے بالکل بدحواس ہو گئے، دریائی راستہ سے بھاگنا آسان نہ تھا کیونکہ درمیان میں مسلمان حائل تھے، اس لئے شہر ہی میں کشت و خون ہوا، چونکہ مسلمانوں کا حملہ بالکل اچانک تھا، طرابلس والے پہلے سے تیار نہ تھے، اس لئے تسخیر میں زیادہ دشواری نہ ہوئی، اور آسانی سے زیر کر لیا

سبرہ طرابلس سے آگے بڑھ کر سبرہ ایک شہر پڑتا تھا، طرابلس کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ خود وہیں رہے اور تھوڑی فوج سبرہ بھیج دی، یہ لوگ علی الصباح سبرہ پہنچ گئے، اہل شہر طرابلس کے واقعہ سے لاعلم تھے، اس لئے حسب معمول صبح سویرے شہر کا پھانک کھول کر اپنے

اپنے کاروبار میں لگ گئے، مسلمانوں نے یلغار کر کے زبردستی شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور کشت و خون کی نوبت نہیں آئی۔

ان مہموں کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے افریقہ (تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ) یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے، اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو آگے پیش قدمی کی جائے، وہاں سے حکم آگیا کہ افریقہ کے باشندے شورش پسند ہیں، اپنے حکمرانوں سے ہمیشہ بغاوت کرتے ہیں، اس لئے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے آگے پیش قدمی روک دی۔

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت ان فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی حکومت پر سرفراز کیا، کچھ دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے، اسی زمانہ میں اسکندریہ والوں نے بغاوت کر دی، اس کا سبب یہ ہوا کہ رومی اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضے کے وقت سے ہمیشہ اس کے واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے، اسکندریہ بحر روم میں ان کی نہایت اہم بندرگاہ تھی، اس کے نکل جانے کے بعد ان کے تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے، چنانچہ انہوں نے اسکندریہ کی رومی آبادی سے خط و کتابت کر کے اس کو بغاوت پر آمادہ کر لیا اور ان کی مدد کے لئے قسطنطنیہ سے عظیم الشان لشکر بھیجا، لیکن قبلی آبادی میں اس میں کوئی حصہ نہیں لیا اور مقوقس صلح پر قائم رہا، عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ کو نکلے، دونوں میں سخت معرکہ ہوا، رومی شکست کھا کر اسکندریہ کے اندر داخل ہو گئے، مسلمانوں نے شہر کے اندر داخل ہو کر جہاں تک ہو سکا مارا، منویل حسی رومی سپہ سالار مارا گیا، جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندریہ سے نکل کر بھاگے۔

اور چونکہ قبطیوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، اس لئے جذبہ انتقام میں ان آبادیوں کو لوٹتے ہوئے نکل گئے، بدحواسی میں اپنے حامیوں کو بھی تاخت و تاراج کر دیا، جب مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا تو قبلی عمرو بن العاصؓ کے پاس فریاد لے کر آئے کہ رومیوں نے ہمارا سارا مال و متاع لوٹ لیا، ہم نے مسلمانوں سے بغاوت نہیں کی تھی، اس لئے ہم کو واپس دلایا جائے، انہوں نے شناخت کرا کے جن جن لوگوں کا مال تھا واپس کر دیا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لئے اسکندریہ کی شہر پناہ تروادی۔

معزولی ۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا، حضرت عثمانؓ پر ان کے مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ انہوں نے اتنے بڑے فاتح اور سپہ سالار کو معزول کر کے دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا، جس نے مصر، اسکندریہ، اور طرابلس کا تختہ الٹ دیا تھا، لیکن درحقیقت حضرت عثمانؓ ان کی معزولی پر مجبور ہو گئے تھے وہ بلاوجہ معزول نہیں کرتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں، "وكان لا يعزل احدا الا عن شكاة او استغاثه" یعنی حضرت عثمانؓ کبھی کسی کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ یہیم اس قسم کے حالات پیش آتے گئے کہ حضرت عثمانؓ ان کی معزولی کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا مصر کی فتح کے بعد سے برابر عمرو بن العاصؓ ہی یہاں کے حکمران رہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے حصہ کا جو سعید مصر کے نام سے موسوم ہے، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو دالی بنایا تھا، لیکن یہ تقرر بھی عمرو بن العاصؓ پر بار تھا اور وہ مصر میں کسی کو بھی اپنے سوانہ دیکھنا چاہتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کی ہیبت سے عبد اللہؓ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے، آپ کی وفات کے بعد ہی حضرت عثمانؓ سے عبد اللہؓ کی معزولی کی درخواست کی، لیکن آپ نے قبول نہ کی۔

"مصر نہایت زرخیر ملک ہے، لیکن عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں اس کی زرخیزی کے تناسب سے خراج نہ ملتا تھا، اور حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی شکایت چلی آئی تھی، حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں ان کی ایک سخت خط بھی لکھا تھا، یہ خط اور اس کا جواب مقریزی میں موجود ہے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی یہ شکایت برابرقائم رہی، انہوں نے بھی ان کو لکھا، مگر عمرو بن العاصؓ نے صاف جواب دیا کہ "گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی"، اس جواب پر حضرت عثمانؓ نے خراج کا عہدہ ان سے نکال کر عبد اللہ بن سعد کے متعلق کر دیا، عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن سعدؓ کا تعلق سعید مصر ہی سے بمشکل برداشت کیے ہوئے تھے، اس انتظامی تغیر نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیئے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربار خلافت میں شکایات بھیجنے لگے، عبد اللہ بن سعد لکھتے تھے کہ عمرو بن العاصؓ خراج کی وصولی میں رخنہ انداز ہوتے ہیں اور عمرو بن العاصؓ لکھتے کہ عبد اللہؓ جنگی تدبیروں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اس لئے یہ دو عملی عرصہ تک نہ چل سکی، اور حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر سے معزول کر کے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو مستقل دالی بنادیا، یہ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے، لیکن کتاب الولاۃ اور حسن المحاضرہ کی روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ اسکندریہ کی بغاوت سے پہلے ہی معزول ہو چکے تھے، اور ان ہی کی معزولی سے اسکندریہ والوں میں بغاوت کا حوصلہ پیدا ہوا تھا اور بغاوت برپا ہونے کے بعد پھر حضرت عثمانؓ کو مجبور ہو کر ان کو اس کے فرو کرنے پر مامور کرنا

بڑا، جب وہ بغاوت کا خاتمہ کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو امارت جنگ کے عہدہ بحال کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ”سینگ میں پکڑوں اور دودھ دوسرا دوں“، اس روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ کی معزولی کا واقعہ ۲۵ھ میں پیش آیا عمرو بن العاصؓ اپنی معزولی پر حضرت عثمانؓ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب معزولی کے بعد مصر سے مدینہ آئے اور حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی باتوں کا ٹھیک جواب بھی نہ دیتے تھے، جس وقت ان کی حضرت عثمانؓ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی، اس وقت یہ لبادہ پہنے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا اس لبادہ میں کیا بھرا ہے، جواب دیا، عمرو بن العاصؓ، حضرت عثمانؓ نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ روئی ہے یا اور کوئی چیز؟ پھر پوچھا تم نے عبداللہ بن سعد کو مصر میں کس حالت میں چھوڑا، کہا جس حال میں آپ چاہتے تھے، پوچھا اس کا کیا مطلب، کہا اپنے نفس کے لئے قوی اور خدا کے لئے ضعیف فرمایا میں نے ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی، جواب دیا آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار ڈالا، اس وقت عبداللہ بن سعد کا بھیجا ہوا خراج پہنچ چکا، اور اس کی تعداد عمرو بن العاصؓ کے زمانہ کے خراج سے بہت زیادہ تھی، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا۔ انہوں نے کہا ”ہاں لیکن بچے بھوکے رہ جائیں گے، مگر عمرو بن العاصؓ معزولی کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کے اسی طرح خیر خواہ رہے، جس طرح معزولی کے قبل تھے، چنانچہ جب مصر سے باغیوں کا گروہ چلا اور حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاصؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہوں نے اپنے سابق اثر سے کام لے کر ان کو واپس کیا، اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمانؓ کی طرف سے صفائی پیش کی۔

حضرت عثمانؓ کو جب کبھی مشکلات پیش آتی تھیں تو عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کرتے تھے، یہ نہایت خیر خواہی سے مشورہ دیتے تھے، سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیے تو آپ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، اس کے ایک رکن عمرو بن العاصؓ بھی تھے، تمام اراکین سے مشورہ کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ سے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی، انہوں نے کہا آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں، گرفت کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں، عمرؓ سے زیادہ آپ نے لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرو ابو بکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلئے، اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجئے۔

عہد علیٰ و معاویہ..... معزولی کے بعد عمرو بن العاصؓ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر فلسطین میں اقامت اختیار کر لی تھی اور کبھی مدینہ آ جاتے تھے، حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت مدینہ میں موجود تھے، لیکن جب دیکھا کہ فتنہ و فساد کے شعلے قابو سے باہر ہو گئے یہ کہہ کر کہ عثمانؓ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا، اس کو خدا ذلیل کرے گا، جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے اور خود شام چلے گئے، مگر دل برابر ان میں لگا رہا ہر آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ کبریٰ پیش آیا، پھر جنگ جمل کا ہنگامہ ہوا، مگر انہوں نے دائرہ عزلت سے باہر قدم نہیں نکالا۔

پھر جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں اختلاف شروع ہوا اور حضرت علیؓ نے جریر بن عبد اللہ بجلي کو بیعت کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا اور یہ مطالبہ کیا کہ بیعت کرو، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو معاویہؓ نے اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا، عتبہ بن ابی سفیان نے رائے دی کہ عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ لو، عمرو بن العاصؓ اس وقت فلسطین میں تھے، بلا کر آئے، معاویہؓ نے کہا اس وقت کئی مہمیں درپیش ہیں، محمد بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گئے ہیں، قیصر روم علیحدہ چڑھائی پر آمادہ ہے تیسرا اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں، قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، علیؓ کا معاملہ ایسا بہت اہم ہے، مسلمان کبھی بھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے، معاویہؓ نے کہا وہ عثمانؓ کے قتل میں معاون تھے، امت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن تم کو سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں تمہارے مقصد کے حصول کے لئے خواہ مخواہ کیوں تمہاری مدد کروں، امیر معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو، عمرو بن العاصؓ نے کہا ”مصر“، معاویہؓ نے کہا تم مصر چاہتے ہو اور مصر کی طرح عراق سے کم نہیں ہے، عمرؓ نے کہا ہاں، لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے، جب علیؓ کو تم مغلوب کر چکے ہو گئے اور دنیا تمہارے زیر نگیں ہوگی، اس گفتگو کے بعد عمرو بن العاصؓ اپنی قیام گاہ پر چلے گئے، عتبہ نے معاویہؓ سے پھر اصرار کیا کہ مصر دے کر کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے، ان کے اصرار پر معاویہؓ راضی ہو گئے، اور دوسرے دن صبح کو عمرو بن العاصؓ سے مصر دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔ ۳

عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ پہلے عمائد شام کے دلوں میں یہ بٹھا دو کہ حضرت عثمانؓ کی

شہادت میں علیؑ کا ہاتھ تھا، پھر ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو، ورنہ کامیابی ناممکن ہے، اور سب سے پہلے شریح بن سبط کندی کو جو شام کے بااثر آدمی ہیں، یقین دلا کر اپنا ہم خیال بناؤ، غرض امیر معاویہؓ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیروں سے عماد شام کو یقین دلایا کہ عثمانؓ کے خون بے گناہی سے علیؑ کا ہاتھ بھی رکتا ہے، شریح بن سبط کو پورا یقین ہو گیا اور انہوں نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف ابھارنا شروع کیا، اور معاویہؓ نے خلیفہ مظلوم کے خون آلود پیراہن اور حضرت ناکہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگا دی، لوگ آتے تھے، اور یہ المناک نظارہ دیکھ دیکھ کر روتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کریں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھویں گے۔

اس کے بعد طرفین نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور عمرو بن العاصؓ شام کی فوج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور وہ المناک جنگ شروع ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ کا سلسلہ مدتوں رہا، آخری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب عمرو بن العاصؓ کو یقین ہو گیا کہ اب شامی ہیں زیادہ دیر تک میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تو یہ تدبیر کہ نیزوں پر قرآن آویزاں کر کے اعلان کرادیا کہ کتاب اللہ سے جو فیصلہ ہو جائے اس پر ہم راضی ہیں قرآن پاک کے اٹھتے ہی کو فیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت علیؑ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ محض فریب ہے لیکن کسی نے نہ سنا، جب اختلاف کا خطرہ بڑھا تو آپؐ بھی چاروں چار آمادہ ہو گئے۔ دوسرے دن امیر معاویہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ حکیم کا طریقہ کیا ہوگا، انہوں نے کہا ایک حکم تمہارا ہوا اور ایک ہمارا، دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ دونوں کے لئے واجب التسلیم ہوگا، غرض عمرو بن العاصؓ شامیوں کی جانب سے اور ابو موسیٰؓ کو فیوں کی جانب سے حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا، ”حکمین اختلاف امت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی رو سے عدل و انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کر دیں گے، وہ طرفین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ مانے گا اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے اگر درمیان میں کوئی مر گیا تو اس فریق کو دوسرا حکم مقرر کرنے کا اختیار ہوگا“ اس ثالثی کے بعد دونوں نے اپنی اپنی فوجیں بنائیں اور عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰؓ اشعریؓ سے تبادلہ خیالات شروع ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن العاصؓ: آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔

ابو موسیٰؓ: بیشک۔

عمرو بن العاصؓ: آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ معاویہؓ ان کے طرفدار ہیں۔

ابو موسیٰؓ: یہ بھی صحیح ہے۔

عمرو بن العاصؓ: ایسی صورت میں قرآن کا یہ حکم ہے: ”وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلَاهُ

سلطاناً فلا یسرف فی القتل انه کان منصوراً“ اس کے علاوہ سباً بھی وہ قریشی ہیں، ہاں سا یقین اولین میں نہیں ہیں، یہ کوئی ایسا مانع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان میں اور بہت سے اوصاف موجود ہیں، انہوں نے خلیفہ مظلوم کی حمایت کی حسن تدبیر اور حسن سیاست میں یگانہ ہیں، ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی اور آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔

ابوموسیٰ: عمرو بن العاصؓ! خدا کا خوف کرو، تم نے معاویہ کے جو فضائل بیان کیے، ان میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہیں، جو ان کو خلافت کا مستحق بناتے ہوں اگر محض شرافت پر استحقاق خلافت کا انحصار ہوتا تو آل ابرہہ ان سے زیادہ مستحق ہوتے خلافت محض اہل دین اور صاحب فضل افراد کا حق ہے، اگر شرف کی بنیاد پر میں کسی کو خلافت دیتا تو سب سے زیادہ علیؓ مستحق تھے اور تمہاری یہ دلیل کہ انہوں نے عثمانؓ کے خون کے بدلہ کا بار اٹھایا ہے، ایسی نہیں ہے جس سے ان کو مہاجرین اولین پر فضیلت حاصل ہو سکے، تم مانتے ہو تو مانو، لیکن میں کسی حالت میں اس کو نہیں مانتا، رہی یہ طمع کہ معاویہؓ کے نزدیک میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی یا ان سے مجھ کو مالی فائدہ ہوگا تو یہ مجھ کو کوئی اثر نہیں ڈال سکتی، خدا کے معاملہ میں رشوت ستانی گوارا نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو عمرو بن الخطابؓ کا نام زندہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ: اگر آپ ابن عمرؓ پر راضی ہیں تو میرے لڑکے میں کیا خرابی ہے، اس کے فضائل سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ابوموسیٰ: تمہارا لڑکا یقیناً بہت سچا ہے، مگر تم نے اس کو اس فتنہ میں مبتلا کر کے محفوظ نہ چھوڑا۔ عمرو بن العاصؓ! خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے خود کھائے دوسرے سے لوگوں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ: مسلمانوں نے بڑی جنگ و جدل کے بعد یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے، خدا، اب دوبارہ ان کو فتنہ میں نہ ڈالو۔

غرض دونوں باہمی تبادلہ خیالات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت عمرؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے نئے سرے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے کہ یہ کشت و خون کسی طرح بند ہو، چنانچہ مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں فریقین جمع ہوئے، جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور آنحضرت ﷺ کے مقرب صحابی ہیں، اس لئے پہلے آپ فیصلہ سنائیے، ابوموسیٰؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں، کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیے بغیر امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اس لئے میں نے ان دونوں کو معزول کیا، اب آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کو خلافت کا اہل سمجھیں اس کو اپنا خلیفہ بنالیں، ابوموسیٰؓ کے فیصلہ سنانے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔

”آپ لوگوں نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا، انہوں نے علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا، میں بھی علیؑ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں۔“

عمر و بن العاصؓ کے اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا، ابو موسیٰؓ نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں، لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابو موسیٰؓ کو اونٹ پر بٹھا کر روانہ کر دیا اور عمرو بن العاصؓ بھی ہٹ گئے۔

مصر پر حملہ اس فیصلہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے مصر لینے کے لئے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے خط و کتابت شروع کی، یہ دونوں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر اور حضرت علیؑ کے مخالف تھے، اس لئے دونوں ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، اسکے بعد عمرو بن العاصؓ چھ ہزار فوج لے کر روانہ ہو گئے، اس وقت محمد بن ابی بکر حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو خط لکھا کہ مصر والے تمہارے مخالف ہیں، لڑائی میں ایک شخص بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا، لہذا تم مصر چھوڑ دو، میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا، محمد نے یہ خط حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا محمد بن ابی بکر نے عمرو بن العاصؓ کو مقابلہ کی اطلاع دے دی، عمرو بن العاصؓ دو ہزار آدمی لے کر بڑھے، محمد بھی میدان میں آئے اور ایک خونریز مقابلہ کے بعد مصری فوج قوت بازو کٹنا نہ مارے گئے، ان کا گرناتھا کہ مصریوں کے پاؤں اکٹڑ گئے، عمرو بن العاصؓ محمد بن ابی بکر کی طرف بڑھے، مگر وہ شکست کے آثار دیکھ کر پہلے نکل گئے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف آدمی دوڑائے اور وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اس وقت بہت پیاسے تھے لیکن شامیوں نے پانی تک نہ دیا اور وہ تشنہ لب قتل کر دیئے گئے، اور مصر پر عمرو بن العاصؓ کا قبضہ ہو گیا۔

عمرو بن العاصؓ پر قاتلانہ حملہ نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام سے ان کے بقیہ افراد میں انتقام کا جذبہ بہت ترقی کر گیا تھا، اس لئے ابن جهم، برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکر سمیعی نے مشورہ کیا کہ سارا فساد علیؑ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے ہے اس لئے ان کا قصہ پاک کر دینا چاہیے، چنانچہ ایک مقررہ شب کو تینوں نے تینوں اشخاص پر خفیہ حملہ کیا، ابن جهم نے حضرت علیؑ کو شہید کیا، برک بن عبد اللہ نے معاویہؓ پر حملہ کیا، مگر زخم اوچھا لگا، اس لئے بچ گئے، عمرو بن بکر، عمرو بن العاصؓ پر متعین تھا، مگر اتفاق سے اس دن عمرو بن العاصؓ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لئے ان کے بجائے خارجہ بن حذافہ نماز پڑھانے نکلے، عمرو نے ان ہی کو عمرو بن العاصؓ سمجھ کر قتل کر دیا۔

مصر کی گورنری مصر اور شام پر امیر معاویہؓ کے مستقل قبضہ کے بعد ان میں عمرو بن العاصؓ میں مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہو گئی، مگر معاویہؓ نے درمیان میں پڑ کر صلح

کرا دی، اور معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو چند شرائط کے ساتھ مصر کا والی بنا دیا، ان شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ معاویہ کے اطاعت گزار رہیں گے، مزید توثیق کے لئے عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر شاہدوں سے دستخط لئے گئے۔

وفات..... عمرو بن العاصؓ بہ اختلاف روایت ۳۳ھ یا ۳۴ھ یا ۳۵ھ میں مصری میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے، عمر کافی پا چکے تھے، زندگی کی زیادہ امید نہ تھی اس لئے مرض الموت میں اپنی گذشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے۔

ابن عباسؓ عیادت کو آئے، سلام کے بعد پوچھا ابو عبد اللہ! کیا حال ہے؟ جواب دیا ”کیا پوچھتے ہو، دنیا بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا، اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اسے بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا، مگر اب مہینق کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں اے بھتیجے مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں“، ابن عباسؓ نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں، اب وہ بھتیجا بوڑھا ہو کر آپکا بھائی ہو گیا ہے اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کے لئے تیار ہوں، مفیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے عمرو بن العاصؓ نے کہا اس وقت ۸۰ برس سے کچھ اور میری عمر ہے، اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے، خدایا یہ ابن عباسؓ مجھ کو تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کے راضی ہو جا، ابن عباسؓ نے کہا ابو عبد اللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے، عمرو بن العاصؓ نے کہا ابن عباسؓ تم کو کیا ہو گیا ہے، جو بات میں کہتا ہوں تم اس کا الٹا کہتے ہو،

ابن شمامہ مہری کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ کے مرض الموت میں ہم انکی عیادت کو گئے وہ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے، ان کے بیٹے عبد اللہ نے دلاسا دیا کہ بابا کیا آپ کو آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں بتا رہے ہیں دی ہیں؟ جواب دیا ”میرے پاس افضل ترین دولت ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی شہادت ہے، مجھ پر زندگی کے تین دور گزرے ہیں، ایک وہ دور تھا جس میں آنحضرت ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا اور میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر دوں، اگر اس حالت میں مرجاتا تو میرے لئے دوزخ یقینی تھی، پھر اللہ عز و جل نے میرے دل میں اسلام ڈالا میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کروں گا، آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے سمیٹ لیا“ فرمایا عمرو بن العاصؓ ”تم کو کیا ہو گیا، میں نے عرض کی ”میں ایک شرط چاہتا ہوں“ فرمایا وہ کوئی شرط ہے، میں نے عرض کیا ”میری مغفرت ہو جائے، فرمایا عمرو بن العاصؓ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے پہلے تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے، ہجرت اپنے پہلے کے گناہوں کو

مناد جی ہے، حج اپنے پہلے کے گناہوں کو گرا دیتا ہے، اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ رسول ﷺ سے زیادہ نہ میرا کوئی محبوب رہا اور نہ ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ باقی رہا، آپ کی انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے آپ کو نظر بھر نہیں دیکھ سکتا تھا، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو نہیں بتا سکتا کہ میں نے نظر بھر کبھی دیکھا ہی نہیں اگر اس حالت میں مر جاتا تو جنت کی کیا امید تھی، پھر تیسرا دور آیا، جس میں میں نے مختلف قسم کے اعمال کیے، اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہو گا جب میں مر جاؤں تو نوہ کر نیوالیاں میرے ساتھ نہ جائیں، نہ جنازہ کے پیچھے آگ جائے، دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالی جائے، دفن کرنے کے بعد اتنی دیر قبر کے پاس رہتا جب تک جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو جائے، تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ غور کر لوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دوں“۔

موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ جواب ملا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے، ہماری عزت کرتے تھے ہم کو دل کھول کر لیتے دیتے تھے یہ سلوک کرتے تھے وہ کرتے تھے، کہا میں یہ سلوک اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھ کو موت سے بچاؤ گے، یہ موت سامنے کھڑی ہوئی کام تمام کرنا چاہتی ہے، اس کو کسی طرح سے میرے سامنے سے دور کرو، یہ عجب فرمائش سن کر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے، کچھ دیر کے بعد بولے، ابا عبد اللہ! خدا کی قسم ہم کو آپ سے ایسی فضول بات سننے کی امید نہ تھی آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے، عمرو بن العاصؓ نے کہا میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی تھی کہ تم موت کے مقابلہ میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے، کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا، افسوس ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ، ”انسان کی محافظہ خود اس کی موت ہے“، خدا یا میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں، کہ غالب آ جاؤں، اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد اپنے صاحبزادہ سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے نہلا کر کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا، تیسری مرتبہ کا فوراً میز پانی سے غسل دینا اور کپڑے سے خشک کرنا، کفنائے وقت ازار کس کر باندھنا کہ میں محاصم ہوں گا، جنازہ درمیانی چال سے لے چلنا، لوگھل کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں، اور پچھلا حصہ بنی آدم کے چلنے کے لئے ہے، قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا، پھر دعا میں مصروف ہو گئے کہ الہا تو نے حکم دیا، میں نے عدول حکمی کی تو نے ممانعت کی، میں نے نافرمانی کی، میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں، ہاں لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ یہی کہتے کہتے جان، جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیم سوال ۳۳: بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور معظم میں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد..... دولہ کے تھے، عبداللہ اور محمد، دونوں خولہ بنت حذہ کے لپٹن سے تھے۔
فضل و کمال..... اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ کی عمر کا زیادہ حصہ میدان جنگ میں گزرا، اس لئے سرچشمہ علم و عرفان سے فائدہ اٹھانے کا موقع کم ملا، پھر کبھی علم کی دولت سے بالکل تہی دامن نہ تھے۔

قرآۃ قرآن..... قرآن مجید بہت سے فنون کا مجموعہ، اس کی قرائت بھی مستقل فن ہے، عمرو بن العاصؓ کو قرآن سے خاص ذوق تھا، اور قرآن بہت صاف و واضح پڑھتے تھے۔
علم حدیث اور اس کی اشاعت..... اگرچہ عمرو بن العاصؓ کو لڑائیوں کی شرکت کی وجہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا، تاہم جو لحاظ بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، اور اقوال نبوی ﷺ کی خاصی تعداد ان کے حصے میں آئی، ان کی مرویات کی تعداد ۳۹ ہے، ان میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں، ۳ حدیث کے اس سرمایہ کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا، آپ کے مستفیدین کی تعداد بھی کافی ہے، ان میں آپ کے صاحبزادہ، عبداللہ، غلام ابو قیس اور قیس بن ابی حازم، ابو عثمان نہدی، علی بن رباح نخعی، عبدالرحمن بن شامہ، عروہ بن زبیر، محمد بن کعب، عمارہ بن حزمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تعلیم و تلقین..... عمرو بن العاصؓ جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیم و تلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے، چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہو کر نو مسلموں کو تعلیم دیتے تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب دنیا طلبی کی ہوس زیادہ ہو گئی تھی، اس وقت لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور ان کو اسوہ نبوی کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے، علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عمرو بن العاصؓ منبر پر تقریر کر رہے تھے کہ ”آج تم لوگوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے، تم ایک طرف راغب ہو رہے ہو، اور دنیا کی تمنا کرتے ہو، حالانکہ رسول ﷺ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔“

علم اجتہاد..... تمام مسائل میں علی الترتیب قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے، لیکن ان دونوں سے رہ نمائی نہ ہوتی اور ان کے حل کرنے کا کوئی تیسرا ذریعہ نہ ہوتا تو اجتہاد سے کام لیتے، سریہ ذات السلاسل میں ایک شب نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، جاڑا سخت تھا، نہانے میں بیماری کا

خطرہ تھا، اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی، چنانچہ اس موقع پر انہوں نے غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کر لیا کہ پانی نہ ملنے یا بیماری کے خطرہ کی صورت میں تیمم جائز ہو جاتا ہے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی، واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ! تم نے خیانت کی حالت میں نماز پڑھ لی، عرض کی یا رسول رات بہت ٹھنڈی تھی، نہانے کی صورت میں ہلاکت کا خوف تھا، اس موقع پر مجھ کو قرآن کی یہ آیت یاد آ گئی کہ لا تغفلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رجباً، اس لئے میں نے تیمم کر لیا، آنحضرت ﷺ انہیں کر خاموش ہو گئے۔

ادب و انشا..... ادب و انشا میں ذوق سلیم پایا تھا، اپنے عہد کے بہترین انشا پردازوں میں تھے، اختصار، جامعیت اور بدیع تشبیہات ان کی انشا پردازی کی خصوصیات تھیں، تاریخ کی کتابوں میں ان کی ادبیت کی بہت سی مثالیں ہیں، بعض نمونے یہ ہیں، مشہور عام الرمادہ میں یعنی جس سال عرب میں قحط پڑا تھا، عمرو بن العاصؓ کو مصر سے غلہ بھیجنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ

جب تم اور تمہارے ساتھی شکم سیر ہوں تو تم اس کی پروا نہیں کرتے کہ میں اور میرے ساتھ ہلاک ہو جاؤں، المدد، المدد! انہوں نے فوراً جواب دیا۔

لبیک، لبیک، میں اتنا بڑا اونٹوں کا قافلہ بھیجتا ہوں کہ اس کا اگلا سرا آپ کے پاس ہے، اور پچھلا سرا میرے پاس۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کی معزولی کا واقعہ اور گزر چکا ہے، معزولی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ مصر کے خراج کی رقم کم وصول ہوئی تھی، جب ان کی جگہ عبد اللہ بن ابی سرح کا تقرر ہوا تو ان کی شکایت جاتی رہی، چنانچہ مصر سے واپسی کے بعد اس بارہ میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

عثمانؓ: تم عبد اللہ بن ابی سرح کو کس حال میں چھوڑ آئے۔

عمروؓ: جیسا آپ چاہتے تھے۔

عثمانؓ: وہ کیا

عمروؓ: اپنے نفس کے لئے قوی اور خدا کے لئے کمزور۔

عثمانؓ: میں نے تو ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔

عمروؓ: تو آپ نے ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔

عثمانؓ: دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا (یعنی خراج زیادہ وصول ہوا)

عمروؓ: لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

اسی طریقہ سے جب امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے قبرس پر حملہ کی اجازت مانگی، تو حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ سے سمندر کے حالات پوچھ بھیجے، انہوں نے جواب لکھا

انسی دایت خلقتا عظیمایر کبہ خلق صغیر کدود علی عود، ان

مال غرق و ان بخا برق،

میں نے ایک بڑی مخلوق (سمندر) دیکھی جس پر چھوٹی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے جیسے لکڑی پر کیزا لکڑی ذرا بھی پلٹا کھائے تو کیزا ڈوب جائے، اور اگر صحیح سلامت نکل جائے تو خوفزدہ اور ہراساں رہ جائے۔

حلیہ..... پستہ قد، فربہ اندام، بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے، ایک مرتبہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوٹے کے پر کی طرح کالے ہو گئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا، ابا عبد الرحمن! یہ کیا؟ عرض کی امیر المؤمنین! میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو آپ کسی قابل شمار کریں، اس کے بعد پھر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا،

اخلاق و عادات..... عمرو بن العاصؓ کو اعتلا و آزمائش کے مختلف دوروں سے گزرنا پڑا اور ان میں وہ ایک صحابی رسولؐ کی حیثیت سے اپنا دامن نہ بچا سکے اور اس قسم کی بعض لغزشیں سرزد ہو گئیں جو ایک صحابی کے مرتبہ سے فروتر ہیں، تاہم وہ بارگاہ نبویؐ کے جلیس اور آپؐ کی صحبت یافتہ تھے، اس لئے ان لغزشوں کے باوجود آپؐ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کیے جاسکتے جو فیضان نبوتؐ نے تمام صحابہ کرامؓ میں پیدا کر دیئے تھے، اسی لئے ایک دقیقہ رس نگاہ ان کے دامن عفاف میں خفیف بد نما دھبوں کے ساتھ وہ خلاقی نقوش بھی دیکھتی ہے، جن سے ہر صحابی گل بدامن تھا۔

قوت ایمان..... قوت ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے، اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے، عمرو بن العاصؓ کی ایمانی قوت کا خود زبان رسالت ﷺ نے اعتراف کیا کہ اسلم الناس و امن عمرو بن العاصؓ، ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابنا العاص مومنان یعنی ہشام و عمرو، آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی واقعات سے بھی پوری تصدیق ہے، ایک مرتبہ عمرو بن العاصؓ کو آنحضرت ﷺ نے بلا بھیجا کہ وہ لباس بدل کر اور ہتھیار لگا کر آئیں، یہ حسب الحکم حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ وضو فرما رہے تھے نظر اٹھا کر دیکھا پھر نظر نیچی کر کے فرمایا کہ میں تم کو امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ تم محفوظ رہو گے اور مال غنیمت بھی ہاتھ آئے گا، اس سے تم کو بھی وافر حصہ ملے گا، عرض کیا یا رسول میں مال کی طمع میں اسلام نہیں لایا، بلکہ اس کو دلی رغبت کے ساتھ قبول کیا، فرمایا مال صالح مرد صالح کے لیے بہتر ہے، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا، عمرو بن العاصؓ

قریش کے صالح افراد میں ہیں، عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمر بن العاصؓ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔

حق پسندی..... اگرچہ بعض سیاسی امور میں عمرو بن العاصؓ اپنا دامن لغزش سے نہ بچا سکے لیکن وہ حق پرست تھے، ایک دن خانہ کعبہ کے سایہ دیوار کے تلے بیٹھے لوگوں کو حدیث سنارہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے خلوص دل سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہئے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا تو اس کی گردن اڑا دینی چاہئے، عبدالرحمن بن عبد رب کعبہ (اس حدیث کے راوی) نے کہا کہ خدا آپ کو خوش رکھے، کیا یہ حدیث آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہے، عمرو بن العاصؓ نے اپنے کانوں اور قلب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی، اس پر عبدالرحمن نے کہا کہ تمہارے ابن عم معاویہ ہم لوگوں کو ناجائز طور پر ایک دوسرے کے مال کھانے اور جانیں ضائع کرنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ یا ایہا الذین امنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم و لا تقتلوا انفسکم انا اللہ کان بکم وحیما، یہ سن کر عمرو بن العاصؓ چپ ہو گئے، اور کہا کہ جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، اس کو مانو اور جس میں ہوتی ہو، اس کو نہ مانو۔

خود آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق بارہا تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے، ایک موقع پر فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح لوگوں میں ہیں، ۳ اور ان کی خدمات کی بنا پر ان سے محبت فرماتے تھے، حسن روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصلت نہیں ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو، یہ بولے اس کی سعادت میں کس کو شک ہو سکتا ہے، کہا، آنحضرت ﷺ آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔

تدبیر و سیاست..... عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عمرو بن العاصؓ کا شمار ان مخصوص اشخاص میں تھا جو سارے عرب میں مدبر مانتے جاتے تھے، ۵ ان کی اصابت رائے کا خود آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو، لا فاروق انظمت جیسامدبر کہتا تھا کہ عمرو بن العاصؓ حکومت کے لئے موزوں ہیں اور جب کسی خام کا راور ضعیف رائے کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے کہ اس شخص اور عمرو بن العاصؓ کا خالق ایک

۱ کنز العمال جلد ۶ فضائل عمرو بن العاصؓ

۲ مسلم جلد ۳ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر،

۳ اصحاب جلد ۵ ص ۳،

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۰۳،

۵ تہذیب المعجم ج ۸ ص ۵۷ و استیعاب و اسد الغابہ وغیرہ

۶ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶

ہے، اسی مدبیر و شجاعت کی بنا پر آنحضرت ﷺ اکثر بڑی مہمیں ان ہی کے سپرد فرماتے تھے، اور بعض مرتبہ ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ پر امیر بناتے تھے، جنگ صفین میں امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں سپرد الناحیہ تھے، لیکن محض عمرو بن العاصؓ کی مدد پر نے دفعہ ہوا کا رخ بدل دیا، اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ان کی سیاست کا کرشمہ تھا، ان کی زندگی کا ہر صفحہ مدبیر و سیاست سے لبریز ہے، مغیرہ بن شعبہ مدبیر و سیاست میں ان کا جواب تھے، اس لٹیک بھی کبھی دونوں میں چشمک ہو جایا کرتی تھی، امیر معاویہؓ نے ان کو مصر کی حکومت پر مامور کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا، مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر تم نے اپنے کوشیروں کے جڑے کے درمیان دے دیا، امیر معاویہؓ نے یہ بھی خطرہ محسوس کیا، چنانچہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کیا، عمرو بن العاصؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ تم نے ایسے شخص کو کوفہ کی حکومت سپرد کی ہے کہ اگر وہ خراج کھا جائے تو تم وصول بھی نہیں کر سکتے، مغیرہ واقعی تنگ دست رہا کرتے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ کی سمجھ میں آ گیا، چنانچہ انہوں نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امامت کے فرائض باقی رکھے، مغیرہؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے، انہوں نے کہا نہیں بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔ ۳

جہاد فی سبیل اللہ..... عمرو بن العاصؓ کے صحیفہ حیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے، مقام مغازی میں مشہور مجاہد خالد بن ولید کے دوش بدوش رہے، ان کا خود بیان ہے کہ ”ابتدائے اسلام سے آنحضرت ﷺ نے کسی کو مغازی میں میرے اور خالد کے برابر نہیں کیا، ہم شام اور مصر اور طرابلس وغیرہ کے فتوحات کی تفصیل اور پگنڈر چکی ہے مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا، فوراً ان کی تلوار میان سے نکل آتی تھی، ایک مرتبہ کسی سبب سے ایک بیک لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا اور عام بھگدڑ مچ گئی، صرف حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام سالم مسجد میں تلوار چھپائے کھڑے رہے، عمرو بن العاصؓ نے دیکھا تو یہ بھی تلوار لگا کر ان کے پاس کھڑے ہو گئے، یہ عام سراپسنگی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسول کی پناہ میں کیوں نہیں آئے اور عمرو بن العاصؓ اور سالم کیوں نہ نمونہ بنایا۔ ۵

صدقات و خیرات..... خدا کی راہ میں بہت فراخ دلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے، جس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک نے بارہا کہا ہے کہ علقمہ بن رستم بلوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ میں عمرو بن العاصؓ کو بحرین بھیجا اور خود ایک دوسرے سریہ میں نکلے، ہم لوگ بھی ہر کام تھے، آپ پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی، بیدار ہوئے تو فرمایا کہ خدا

عمر و پر رحم کرے، یہ دعاسن کر ہم میں سے ہر شخص اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے، دوبارہ پھر آنکھ جھپک گئی، پھر ہوشیار ہو کر فرمایا خدا عمرو پر رحم کرے، جب تیسری مرتبہ آپ نے فقرہ کو دہرایا تو ہم لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھا آپ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے، فرمایا عمرو بن العاصؓ ہم لوگوں نے سب پوچھا، فرمایا کہ مجھ کو وہ وقت یاد آ گیا، جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا، تو وہ بہت دافر صدقہ لاتے تھے، اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو تو کہتے خدا نے دیا، ایک موقع پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا خدا یا عمرو بن العاصؓ کی مغفرت فرما، میں نے جب ان کو صدقہ کے لیے بلایا تھا تو وہ صدقہ لائے تھے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ

نام و نسب خالد نام، ابوسلیمان کنیت، سیف اللہ، لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن ولید ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، ماں کا نام لبانہ تھا، یہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے قریبی عزیز تھے۔

خاندانی حالات خالد کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا، اور ظہور اسلام کے وقت خالد اس عہدہ پر ممتاز تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا، اس کے سردار خالد ہی تھے، غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ آئے۔ اسلام ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے، جو عمرو بن العاصؓ کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۸ھ اور ۸ھ کے درمیان ہے، عمرو بن العاصؓ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آگئے اور اس کے لئے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیردای غرض سے مدینہ کا رہ نور دن نظر آیا، یہ خالد بن ولید تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جا رہے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے، بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، یہ شخص آنحضرت ﷺ یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک؟

چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے، اور پہلے خالد بن ولیدؓ اور پھر عمرو بن العاصؓ مشرف باسلام ہوئے۔ ۱۲ھ ہجرت قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ مکہ لوٹ آئے، مگر خالد بن ولیدؓ نے مدینہ میں ہی مستقل قیام اختیار کر لیا۔

۱۔ عقد الفرید جلد ۲، ۲۔ استیعاب جلد اول ص ۱۵۰

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد، المسانف مع اہل العرب

۴۔ تفصیل کے لیے دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۸

غزوات..... جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت خالدؓ اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز تھے، اسلام کے بعد بھی آنحضرت ﷺ نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا، اس سے فتوحات اسلام میں بڑی مدد ملی، جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لئے سخت ترین خطرہ بن گئے، چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھرتی رہی۔

غزوہ موتہ..... اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوہ موتہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام، کے سلسلہ میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصری کے پاس بھیجا تھا، یہ بزرگ خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرحبیل ابن عمرو غسانی نے شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا، چنانچہ آپ نے اس کے انتقام کے لئے ۲ ہزار کی جمعیت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ کی، ۲ اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفران کی جگہ لیں، اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ قائم مقامی کریں، چنانچہ اسی ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا، آخر میں خالدؓ نے علم سنبھالا، مگر مسلسل تین افسروں کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے، اس لئے دوبارہ شکست تو نہ دے سکے، مگر خالدؓ اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچا لائے، اسی جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو ”سیف اللہ“ کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔

فتح مکہ..... فتح مکہ میں مینہ کے افسر تھے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، روسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے، صرف چند مشرک خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کدا کی جانب سے لیکر آئیں، چنانچہ یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں مشرکوں کو ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر باری شروع کر دی، خالدؓ نے بھی جوابی حملہ کیا، اس میں چند مشرک مارے گئے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، تو آپ نے باز پرس کی، انہوں نے کہا کہ ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی، آپ نے فرمایا خیر مرضی الہی بہتر ہے۔

غزوہ حنین..... فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف و ہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے آنحضرت ﷺ کو خبر آئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے

مختلف حصے تھے، بنو سلیم کا قبیلہ مقدمہ الجیش تھا، اس کی کمان خالدؓ کے ہاتھ تھی، اپنا چنچ اس جنگ میں وہ نہایت شجاعت و شہامت سے لڑے اور بہت سے وارجسم پر کھائے، آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، زحموں کو دم کیا اور خالدؓ جلد شفا پایا ہو گئے۔
طائف..... حنین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج بڑھ کر طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گزرے اسنے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیئے، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، مسلمانوں نے بھی مدافعت نہ کی، اس فوج کا مقدمہ الجیش بھی خالد کی ماتحتی میں تھا۔ ۳

تبوک..... ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمہ الجیش بلقا، تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ آپ ۳۰ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے، لیکن خبر غلط تھی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم احتیاطاً دو دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا، اس نواح کے عربی النسل عیسائی روسا قیصر روم کے ماتحت تھے، ان ہی کے ذریعہ سے رومی ریشہ دو انیاں کیا کرتے تھے، اس لئے ان کا مطیع کرنا ضروری تھا، چنانچہ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی، صرف دو مہینے لگا کر رئیس اکیدر بن عبد الملک باقی رہ گیا، آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا، اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا، مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ سا بھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے، خالدؓ نے ایک کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا، یہاں آ کر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی، اور آپ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔ ۱

سریہ بنو جذیمہ..... اسی سنہ میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو تین سو مہاجرین و انصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے قبول کر لی، مگر تا واقعیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ”اسلمنا“ کے یعنی ہم اسلام لائے ”صبا نا“ کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے، مشرکین سے وہ مسلمانوں کو ”صابی“ بے دین کہتے ہوئے سنتے تھے، اس لئے انہوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا، حضرت خالدؓ اسکو نہ سمجھ سکے، اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم

۱ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۸

۲ ابن القایہ جلد ۲ ص ۱۰۳

۳ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴

۴ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴

۵ زیلعی ج ۳ ص ۸۶

۶ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۰

دے دیا، بہت سے مہاجرین و انصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہت سے لوگ مارے گئے، آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے طبری ظاہر کر دی کہ خدایا! میں خالدؓ کے اس فعل سے بری ہوں، پھر حضرت علیؓ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، انہوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا، ۱۲ اور کتوں تک کا خون بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۳

سریہ ہجران اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ھ میں حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں بنو عبد المدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا، چونکہ ایک مرتبہ خالدؓ کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور سے ہدایت فرمادی کہ محض اسلام کی دعوت دینا لکوار نہ اٹھانا، حضرت خالدؓ نے اس کی پوری پابندی کی، اور میدان جنگ کے سپاہی دفعہ مبلغ اسلام کے قالب میں آ گئے اور ان کی کوشش سے بنو عبد المدان نے اسلام قبول کر لیا، اور سیف اللہ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، آپ نے سب کو طلب فرمایا، چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدار جمال نبویؐ سے فیضیاب ہو کر واپس گئے ۱۱ھ

سریہ یمن اسی سن میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ یمن روانہ کیا، اسی سریہ میں دوسری جانب سے حضرت خالدؓ گوروانہ فرمایا، اور حکم دیا کہ جب دونوں ملیں تو امارت علیؓ کے متعلق رہے گی، ۱۵ھ اور چلتے چلتے یہ ہدایت فرمادی کہ جنگ کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو، البتہ اگر یمن والے پیش قدمی کریں تو تم مدافعت کر سکتے ہو، چنانچہ ان لوگوں نے یمن پہنچ کر اسلام پیش کیا، لیکن اس کا جواب تیر اور پھر سے ملا، اس وقت مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور یمنی پسپا ہوئے، مگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی، بلکہ دوبارہ پھر اسلام پیش کیا گیا، اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ اس کو قبول کر لیا۔

سریہ عزی عزی قریش و کنانہ کا صنم کدہ تھا، جس کی یہ لوگ بڑی عظمت کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا، انہوں نے اس کی تعمیل کی، آپ نے پوچھا تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا، عرض کی نہیں، فرمایا پھر جاؤ، اس گرانے کا اعتبار نہیں، چنانچہ وہ دوبارہ واپس گئے، اس مرتبہ یہاں ایک بھیا تک شکل کی عورت نکلی، ۱۶ خالدؓ نے اس کا کام تمام

۱۔ بخاری کتاب المغازی باب سریہ بنو جذیمہ

۱۲ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۷

۱۳ الحدائق ج ۲ ص ۱۰۶

۱۴ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۲

۱۵ زرکانی ج ۳ ص ۱۱۶

۱۶ یحییٰ عورتیں صنم کدوں میں بد اخلاقیوں کی بنیاد دیتی تھیں۔

کر کے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، فرمایا ہاں جاؤ، اب تم نے کام پورا کیا۔
مدعیان نبوت کا استیصال عہد صدیقی میں جب مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے
استیصال کے لئے فوجیں روانہ کیں گئیں تو خالدِ طلحہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے، انہوں نے اس کا
بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان و انصار کو قتل اور اس کے قوت و بازو عینیہ بن حصین کو
۳۰ آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے یابجولان دربار خلافت میں حاضر کیا۔

یمامہ میں شریک بن حسن مشہور کذاب مسلمہ سے برسر پیکار تھے، خالدِ طلحہ سے فارغ ہو
کر ان کی مدد کو بڑھے، راستہ میں مجاہد ملا، اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا ان کو شکست دے کر
مجاہد کو گرفتار کر کے یمامہ پہنچے اور مسلمہ حضرت حمزہؓ کے مشہور قاتل وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔
مرتدین کی سرکوبی مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر مکررین زکوٰۃ اور مرتدین کی طر
ف بڑھے اور سب سے پہلے اسد و غطفالہا سے نبرد آزما ہوئے، ان میں کچھ جان سے مارے
گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، جو باقی بچے وہ تائب ہو گئے، ان معرکوں کے علاوہ ارتہاد کے سلسلہ
میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں خالد پیش پیش تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں

ان الفتوح فی اہل الرادة کلھا کانت لخالد بن ولید وغیرہ

یعنی ارتہاد میں جتنی فتوح ہوئیں وہ خالد بن ولید وغیرہ کا کارنامہ ہے

عراق پر فوج کشی اور اس کے اسباب جزیرۃ العرب اس عہد کی دو عظیم
الشان سلطنتوں کے درمیان لہرا ہوا تھا، ایک طرف شام میں رومی چھائے ہوئے تھے، دوسری
طرف عراق پر کیانی خاندان قابض تھا، یہ دو سلطنتیں ہمیشہ عربوں کی آزادی سلب کرنے کی فکر
میں رہتی تھیں، عرب پر تسلط جمانے کی کوشش کی، یمن کے حمیری خاندان کا خاتمہ ایرانیوں کے
ہاتھوں ہوا گو حمیری برائے نام حکمران رہے، مگر اس کا سیاہ سپید تمام تر ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا،
بحرین اور عمان بھی ان کے زیر اثر تھے، ان کے علاوہ مختلف اوقات میں عرب کے سولہ مقامات
ایرانی مرزبانوں کے قبضہ میں رہ چکے تھے، عراقی لخمی خاندان کو بھی ایرانیوں ہی نے مٹایا
ایرانیوں کا یہ اقتدار ظہور اسلام کے وقت تک باقی تھا، چنانچہ جنگ ذی قار میں جب ایرانیوں
نے عربوں سے شکست کھائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج عرب نے عہم سے اپنا منصفانہ بدلہ
لیا ہے

یہی حال قیصری حکومت کا تھا، جب جب اس کو موقع ملتا تھا، شام کی جانب سرزمین عرب

میں قدم بڑھائی رہی، شام میں جو عرب خاندان آباد تھے، ان پر آل بطنہ قیصر کی جانب سے حکومت کرتے تھے، گو آل بطنہ عربی النسل تھے، لیکن ان کا تقرر قیصری حکومت کرتی تھی، یا حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں کے اشارے سے عرب کی مرکزیت توڑنے کے لئے یمن کو فتح کر کے صنعاء میں ایک کعبہ بنایا کہ خانہ کعبہ کے پجاری تقسیم ہو جائیں۔

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے، تو ان دونوں سلطنتوں کے لئے عرب کا سوال اور زیادہ اہم ہو گیا، اگر پہلے ملک گیری کی ہوس تھی تو اب عربوں سے سیاسی خطرہ نظر آ رہا تھا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے خسرو پر دیز کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے چاک کر ڈالا اور بولا ”میرا غلام مجھ کو یوں لکھتا ہے“ اور فوراً آپ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا، اس طرح شریل بن عمرو نے جو قیصر کی جانب سے بھری کا حاکم تھا، آنحضرت ﷺ کے قاصد کو قتل کر دیا، غرض ان حالات میں عرب کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اب عربوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے، تاہم حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت تک کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ لیکن وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانی حکومت کا تختہ مشق بننے چلے آ رہے تھے انتقام کے جذبات سے لبریز تھے، چنانچہ عہد صدیقی میں جب ایران میں بد نظمی پیدا ہوئی اور ایرانیوں نے کسری بن ہرمز کی لڑکی کو ایران کے تخت پر بٹھایا تو ان قبائل کے جذبات انتقام دفعہ بھڑک گئے، اور قنی ابن حارث شیبانی نے اپنا جھالے کر عراق عجم کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی، لیکن بغیر خلیفہ وقت کی سرپرستی کے کامیابی مشکل تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ سے باضابطہ اجازت حاصل کی، آپ نے خالد بن ولید کو ان کی مدد پر مامور کیا اور شرف امارت بھی عطا کیا۔

عراق کی فوج کشی..... چنانچہ حضرت خالدؓ قنہ ارتداد کی مہموں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے اور مقام نباج میں ٹہنی سے مل گئے اور بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ایلمہ کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط آ کر ملتے تھے، چنانچہ یہاں کا حاکم ہرمزان ہی راستوں سے دونوں مقام پر حملہ کیا کرتا تھا، ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فوراً اردشیر کو دربار ایران اطلاع بھیجی اور خود مقابلہ کے لئے بڑھا، کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے اپنے کوزنجیروں میں جکڑ لیا تھا، کہ پاؤں نہ اکھڑنے پائیں، لیکن قعقاع بن عمر کی شجاعت نے زنجیر آہن کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ایرانیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

جنگ مزار..... ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ایرانیوں کی امدادی فوج کو جو قارن بن قریاس کی ماتحتی میں ہرمز کی مدد کو آرہی تھی، مزار میں ہرمز کے قتل اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی، اس لئے قارن نے اسی جگہ اپنی فوج کی تنظیم کی اور شکست خوردہ فوج کے سردار قباز اور انوشجان کو امیر العسکر بنا کر نہر کے قریب پڑاؤ ڈالا، خالد کو اطلاع ہوئی، تو وہ فوج لے کر مزار کی طرف بڑھے، لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، معقل نے قارن کو اور عاصم نے نوشجان کو اور عدی نے قباز کو ختم کیا، اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ تیس ہزار ایرانی کام آئے، یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو نہر میں ڈوب کر مرے۔

جنگ کسکر..... جنگ مزار کے انجام کی خبر ایران پہنچی تو اردشیر نے اندرزغر اور بہمن کو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اندرزغر مدائن اور کسکر ہوتا ہوا دلچہ پہنچا، حیرہ اور کسکر کے تمام وہابی اور اس پاس کے عرب بھی ایرانیوں کی حمایت میں اپنی اپنی فوجیں لے کر آندرزغر کے قریب آکر خیمہ زن ہوئے، اس درمیان میں بہمن بھی پہنچ گیا، خالد کو خبر ملی تو سوید بن مقرن کو ایک دستہ پرہامور کر کے ضروری ہدایات دے کر پیچھے چھوڑا اور خود بڑھ کر مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور ساحل کی قربت سے فائدہ اٹھا کر شبی زمین میں تھوڑی فوج چھپا دی، کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ نکل کر حملہ آور ہو جائے اس انتظام سے فراغت کے بعد جنگ چھڑ گئی، دیر تک گھمسان کارن پڑتا رہا، جب فریقین تھکنے لگے، تو مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے اس اچانک حملے نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، مگر وہ جدھر بھاگتے تھے، مسلمان سامنے تھے اس لئے جو سپاہی جہاں تھا وہیں ختم ہو گیا، اندرزغر نکل بھاگا، لیکن پیاس کی شدت سے وہ مر گیا، جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔

جنگ الیس..... گذشتہ جنگ میں عربی النسل عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کی حمایت میں مارے گئے تھے، اس لئے جنگ کسکر کے بعد یہ لوگ پورے طور سے ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے اردشیر نے بہمن کو عربی قبائل سے مل جانے کا حکم دیا، چنانچہ بہمن الیس کی طرف بڑھا اور یہاں کے حاکم جاپان کو یہ ہدایت دے کر کہ میری واپسی تک جنگ شروع نہ کرنا، الیس روانہ کر دیا، اور خود اردشیر کے پاس مشورہ کے لئے چلا گیا، وہاں سے لوٹا تو باقی عربی قبائل اور عربی چھاؤنی کی ایرانی سپاہ اکٹھا ہو چکی تھی، اس درمیان میں خالد بھی پہنچ گئے ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی، دیر تک آشت و خون کا سلسلہ جاری رہا، خالد نے مہادی کراوی کہ لڑائی روک کر لوگوں کو صرف کرفار کرو، چنانچہ مسلمان دارو گیر میں مصروف ہو گئے، اور لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کر کے نہر

کے کنارے قتل کرنا شروع کر دیا، اور ایرانی بری طرح مفتوح ہوئے۔
 ایسے فراغت کے بعد خالدؓ مغیشیا کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندے
 مسلمانوں کا رخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے، اس لئے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔
 مغیشیا..... مغیشیا کے قریب ہی حیرہ تھا، یہاں کے حاکم آزاد بہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان
 مغیشیا کی طرف بڑھیں گے، اس لئے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے لڑکے خالدؓ کو روکنے
 کے لئے آگے بھیج دیا، اور پیچھے سے خود مدد کے لیے پہنچا، مغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات
 تھی، آزاد بہ کے لڑکے نے اس کا بند باندھ دیا، اس سے مسلمانوں کی کشتیاں رک گئیں اور
 ملاحوں نے جواب دیا کہ ایرانیوں نے نہر کا رخ پھیر دیا ہے اس لئے کشتیاں نہیں چل سکتیں،
 مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے اور گھوڑوں پر ابن آزاد بہ کی طرف بڑھے، فرات کے دہانہ پر
 دونوں کا مقابلہ ہوا، ابن آزاد بہ مارا گیا اور فوج بھی تباہ ہوئی۔^{۱۱}

حیرہ کی صلح..... اس کے بعد دریا کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے، لیکن ان کے
 پہنچنے کے قبل آزاد بہ حیرہ چھوڑ چکا تھا، مسلمان مقام غرینین میں ٹھہر گئے، حیرہ میں جو لوگ باقی رہ
 گئے تھے، وہ اس عرصہ میں قلعہ بند ہو گئے، خالدؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا، پہلے صلح کی گفت و شنید
 ہوتی رہی، لیکن بے نتیجہ رہی، ایرانیوں نے قلعہ کے اوپر سے سنگباری شروع کر دی، مسلمانوں
 نے پیچھے ہٹ کے تیروں سے جواب دیا اور قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی کر دیں، جب شہری
 آبادی محاصرہ سے گھبرا گئی، تو قسیسون اور راہبوں نے قلعہ والوں سے فریاد کی کہ اس خونریزی کی
 ساری ذمہ داری تم پر ہے، اس کو بند کرو، آخر میں جب قلعہ والوں نے بھی عاجز ہو کر خالدؓ سے صلح
 کی گفتگو کر کے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ خراج پر صلح کر لی اور خالدؓ نے ایک مفصل صلح نامہ لکھ کر
 حوالہ کیا،^{۱۲}

ملکحات حیرہ..... حیرہ کی صلح کے بعد اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں نے بھی
 جو حیرہ کے شرائط کی منتظر تھیں، ۲۰ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی، حیرہ اور ملکحات حیرہ کی کامل تسخیر کے
 بعد خالدؓ نے محافظین سرحد میں سے ضرار بن آذر، ضرار بن خطاب قعقاع ابن عمرو، شنی بن حارثہ
 اور عتبہ بن شماس افسران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا، یہ لوگ ساحل تک بڑھتے
 ہوئے چلے گئے۔

ابنار کی تسخیر..... اس وقت گوادو شیر مرچکا تھا، اور ایرانیوں میں اندرونی اختلافات کا طوفان

۱۱ ابن خلدون جلد ۲ ص ۸۰ طبری ج ۴ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴.

۱۲ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۸

۱۳ طبری جلد ۵ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴.

۱۴ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۱

برپا تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں سب متحد تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں، و سکان اہل فارس بموت اردشیر مختلفین فی الملک مجتمعین علی قتال خالد متساندین، یعنی اردشیر کی موت کی وجہ سے بادشاہت کے بارے میں ایرانیوں میں اختلاف تھا، لیکن خالد سے جنگ کے بارے میں سب متحد اور ایک دوسرے کے معاون تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فرخزاد کو عثمان حکومت سپرد کر دی تھی، اور ان کی فوجیں عین التمر، انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، اس لئے خالد حیرہ کے بعد انبار کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے، چنانچہ ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی، ایرانی قلعہ کے اندر سے تیرباری کر رہے تھے، اس لئے مسلمانوں کا جوابی حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، خالد نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ آنکھوں پر تاک تاک کر تیر مارو، اس مذہب سے دن بھر میں ایک ہزار آنکھیں بیکار کر دیں، اس مصیبت نے انبار کے باشندوں کو گھبرا دیا اور فوج بدحواس ہو گئی، شیرزاد ایرانی سپہ سالار نے یہ صورت دیکھ کر صلح کا پیام دیا، لیکن شرائط ایسے پیش کیے کہ خالد ان کو منظور نہ کر سکے، اور خندق کا جو حصہ زیادہ تنگ تھا اسے بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے پاٹ دیا، اور مسلمان اس پر سے اتر کے قلعہ تک پہنچ گئے اور ایرانی سٹ کر قلعہ کے اندر ہو گئے، مگر وہ آنکھوں کی نشانہ بازی سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے، مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اور ہمت چھوٹ گئی اور شیرزاد نے بہمن کو فوج کی حالت جتا کر صلح پر آمادہ کر لیا، اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی، اس کے بعد انبار کے باشندوں نے صلح کی خواہش کی، چنانچہ پہلے بوافوج والوں پھر اہل کلوازی نے صلح کر لی۔

عین التمر خالد انبار کی مہم میں مصروف تھے، کہ بہرام چوہین کا لڑکا مہران مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عین التمر پہنچ گیا، عربی قبائل میں نمر، تغلب اور ایاد، عقد بن عقد کے ساتھ علیحدہ مقابلہ پر آمادہ تھے، اس لئے خالد نے انبار کے بعد عین التمر کی طرف بڑھے، ایرانیوں نے ایرانی سپاہ قلعوں میں محفوظ کر دی اور عربی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھا کر ان پر جاسوس متعین کر دیئے۔ کہ اگر ان میں تو میں عصیت نظر آئے تو فوراً تدارک ہو سکے، بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے، ان کو بواب دیا کہ ان ہی کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انہیں آپس میں کٹانا چاہیے، عقد مقدم کرنے میں اپنی فوج مرتب کر رہا تھا کہ خالد پہنچ گئے، اور اس کو گرفتار کر لیا، اس کی فوج نے سردار کی گرفتاری سے گھبرا کر میدان جنگ چھوڑ دیا، جو بچ گئے وہ گرفتار ہوئے، خالد ان کی قوم فروشی پر بہت مشتعل تھے، اس لئے پہلے عقد کا کام تمام کر دیا، پھر سب کی گردنیں اڑا دیں، مہران کو عربوں کی حالت کی خبر ملی، تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ

گیا، لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچتے تو پھر اس کی ہمت بندھی اور ایرانی قلعہ بند ہو گئے، خالد سیدھے قلعہ تک بڑھتے چلے گئے، ایرانیوں نے نکل کر مقابلہ کیا اور تھوڑے مقابلہ کے بعد قلعہ میں داخل ہو گئے، مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا، بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن خالد نے انکار کر دیا، اور بڑے شمشیر قلعہ فتح کیا، لیکن فتح کے بعد پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمول خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔

دومۃ الجندل میں ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں، چنانچہ عہد رسالت میں بھی اسی قسم کی ایک سازش ہوئی تھی، اس لئے غزوہ دومۃ الجندل ہوا تھا، عہد صدیقی میں پھر اس کا ظہور ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے اس کے تذکرہ کے لئے عیاض بن غنم کو روانہ کیا، لیکن کلب، غسان اور تنوخ کی قبائل متحد تھے، اس لئے عیاض کے لئے تنہا ان سب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا، انہوں نے خالدؓ کو مدد کے لئے بلا بھیجا، وہ عراق کی مہم چھوڑ کر عیاض کی مدد کو چلے آئے اس وقت یہاں دو حکمران تھے، اکیدر اور جودی، اکیدر کو خالد عہد رسالت میں مطیع کر چکے تھے، اس لئے خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر وہ خوف سے جودی کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا، اور جب جودی جنگ کے لیے بالکل آمادہ ہو گیا تو اکیدر دومۃ الجندل چھوڑ کر ہٹ گیا، مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا، اس لئے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، خالدؓ اور عیاض نے دوستوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا، جودی کی فوج میں متعدد افسر تھے، خود جودی، ولیدہ کلبی، ابن رومانس، ابن اسہم اور ابن حدو جان ان سب نے متحدہ حملہ کیا، جودی اور ولیدہ گرفتار ہوئے، باقی فوج قلعہ میں گھس گئی، مگر قلعہ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی، اس فوج کا ایک حصہ باہر رہ گیا، اگر مسلمان چاہتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکتا، لیکن حضرت عائشہؓ نے بنو کلب کو امان دے دی، یہ اور خالدؓ نے جودی کو قتل کر دیا، اور قلعہ کا بھانک اکھاڑ کے اندر گھس گئے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

جنگ حصید و خنافس حضرت خالدؓ نے عراق چھوڑ کر شام چلے آنے کے بعد جزیرہ کے عربوں نے ایرانیوں کو عراق کی واپسی پر توجہ دلائی، وہ ان کا اشارہ پاتے ہی آمادہ ہو گئے اور زرمہر اور وزہ نے خنافس اور حصید کی طرف فوجیں بڑھا دیں، زبرتاق بن بدر حاکم ابنار نے قعقاع حاکم حیرہ کو اطلاع دی، انہوں نے ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے اسی وقت الگ الگ فوجیں اعب بن قد، اور عروہ بن جعد کی قیادت میں دونوں مقاموں پر روانہ کر دیں، ان دونوں نے بڑھ کر ریف میں ان کو روک دیا، روز بہ روز زرمہر یہاں عربوں کا انتظار کر رہے تھے، کہ خالدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے اور امرؤ القیس بن کلبی نے اطلاع بھیجی کہ ہذیل

بن عمرانؑ میں اور ربیعہ بن خبیثؑ اور بشرؑ میں، روز بہ روز زرمہر کی امداد کے لئے فوجیں لئے پڑے ہیں یہ خبر سن کر خالدؓ نے عیاض کو حیرہ میں چھوڑا اور خود قعقاع اور ابولیلیٰ کی مدد کو خنافس روانہ ہو گئے، یہ دونوں عین انحر میں تھے، خالدؓ ہمیں آکر ان سے ملے، اور قعقاع خود بڑھے، روز بہ روز زرمہر سے مدد طلب کی، وہ مدد لے کر پہنچا، حید میں دونوں کا مقابلہ ہوا، زرمہر اور روز بہ دونوں مارے گئے اور ان کی فوج ہٹ کر خنافس میں جمع ہو گئی، ابولیلیٰ تعاقب کرتے ہوئے خنافس پہنچے، تو ایرانی خنافس چھوڑ کر مصیخ چلے گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، انہوں نے قعقاع، ابولیلیٰ اور عردہ کو ایک خاص مقام پر شب میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی معینہ شب میں وہاں پہنچ گئے اور سب نے مل کر متحدہ شب خون مارا، ایرانی بالکل بے خبر تھے، اس لئے مدافعت بھی نہ کر سکے اور سب کے سب مارے گئے۔

جنگ ثنی و بشر..... ربیعہ بن خبیثؑ اور بشرؑ میں بدستور فوجیں لئے پڑا تھا، مصیخ کے بعد خالدؓ نے قعقاع اور ابولیلیٰ کو ثنی پر شیخون مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک مقرر شب کو تینوں نے مل کر تین سمتوں سے حملہ کیا، صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا اور کل فوج کھیت رہی، ہذیل ثنی سے بھاگ کر بشر پہنچا یہاں بھی عربوں کا ایک جتھا موجود تھا، خالدؓ اس کو صاف کرتے ہوئے رضاب پہنچے، یہاں عقبہ کا لڑکا بالال مسلمانوں کا منتظر تھا، مگر خالدؓ کے آتے دیکھ کر یہ بھاگ نکلا۔

جنگ فرائض..... اور خالدؓ رضاب ہوتے ہوئے فرائض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے اور انہوں نے ایرانیوں کی چھاؤنی اور تغلب وایاد (عرب) سے مدد مانگ بھیجی، ان کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا، فوراً آمادہ ہو گئے، اور اب مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے ہو گیا، اس لئے خالدؓ نے بھی نہایت اہتمام سے اسلامی فوج کو ازسرنو منظم کیا، فرات کے ایک جانب مسلمان تھے، اور دوسری جانب اتحادی اتحادیوں نے پیام دیا کہ یا تم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو، خالدؓ نے ان کو بڑھنے کا موقع دیا، اور فرات کے اس پار لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان نہایت پامردی سے لڑے اور اتحادیوں کی فوجیں پسپا ہونے لگیں، خالدؓ کی لاکار پر مسلمان شہسواروں نے گھیر گھیر کر مارنا شروع کیا، اتحادی دو طرف سے گھرے ہوئے تھے پیچھے ہٹتے تھے تو فرات کا لقمہ بنتے تھے، اور آگے بڑھتے تھے، تو تلوار سامنے تھی، اسی کشمکش میں سب کے سب کام آ گئے، فتح کے دس دن بعد تک مسلمان یہاں مقیم رہے، اس کے بعد حیرہ لوٹ گئے، اس معرکہ کے بعد عراق کی پیش قدمی رک گئی، اور خالدؓ خفیج کو چلے گئے۔

فتوحات شام..... اوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں کا

ایرانیوں اور رومیوں سے خبر دانا گزیرا مرتھا، اس لئے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی، اور ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، خالد عراق کی مہم سر کر چکے تھے، کہ دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ عراق چھوڑ کر شام میں اسلامی فوجوں سے مل جائیں، اس حکم کے مطابق حج سے واپس ہونے کے بعد عراق کا انتظام شنی کے سپرد کر کے، شام روانہ ہو گئے اور راستہ میں حدرداز، ارک، سوی، حوارین، قسطنطین، مرج، رہط وغیرہ سے نہلتے ہوئے شام پہنچے اور پہلے بصری کی طرف بڑھے۔

بصری..... یہاں اسلامی فوجیں پہلے سے ان کا منظر تھیں، اس لئے خالدؓ نے آتے ہی بصری کے بطریق پر حملہ کر کے پسا کر دیا اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ اس کے عوض میں جزیہ دیں گے،

اجنادین..... اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر قل نے ان کے مقابلہ کے لئے الگ الگ دستے بھیجے تھے، تاکہ ایک مرکز پر جمع نہ ہوں لیکن فلسطین کی مہم عمرو بن العاصؓ کے متعلق تھی بصری کے بعد تدارق اور قبلا، نے اجنادین (فلسطین) میں اپنی فوجیں ٹھہرائیں، خالدؓ اور ابو عبیدہ بصری سے فارغ ہو کر عمرو بن العاصؓ کی مدد کو پہنچے، ۱۳ھ میں مقام اجنادین میں دونوں کا مقابلہ ہوا، تدارق اور قبلا، دونوں مارے گئے۔

دمشق..... اجنادین کے بعد دمشق کی طرف بڑھے، امیر فوج ابو عبیدہؓ نے تین سبتوں سے اس کا محاصرہ کیا، ایک سبت پر خالدؓ مامور ہوئے تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں ایک دن دمشق کے پادری کے گھر لڑکا پیدا ہوا، اس کے جشن میں دمشق کے بے فکرے شہر میں پی کر ایسے بدست ہو کر سوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی، خالدؓ دوران جنگ میں اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغ رسانی میں لگے رہتے تھے، ۱۳ھ ان کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی، چنانچہ فوج کی یہ ہدایت دے کر تکبیر کی آواز سنتے ہی شہر پناہ کے پھاٹک پر حملہ کر دینا، چند آدمیوں کے ساتھ کند ڈال کر شہر پناہ کی دیوار کے اس پار اتر گئے اور پھاٹک کے چوکیدار کو قتل اور اس کا قتل توڑ کر تکبیر کا نعرہ لگایا تکبیر کی آواز سنتے ہی فوج ریلے کر کے اندر داخل ہو گئی، دمشق والے ابھی تک غافل سو رہے تھے اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گئے اور ابو عبیدہؓ سے صلح کی درخواست کر کے شہر پناہ کے تمام دروازے کھول دیئے، ایک طرف سے خالدؓ فاتحانہ داخل ہوئے، اور دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ وسط شہر میں دونوں سے ملاقات ہوئی، ۱۴ھ کو نصف حصہ بزور شمشیر فتح ہوا، لیکن شرائط سب مصالحانہ رکھے گئے۔ ۱۵ھ

فصل..... دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا، اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، سقلا رومی فوج میں فوجیں لے کر خیمہ زن ہوا، اس لئے مسلمان دمشق کے بعد ادھر بڑھے، مقدمہ انجیش خالد کی کمان میں تھا، اس معرکہ میں بھی رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

دمشق کا دوسرا معرکہ..... فصل کے بعد ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے، یوحنا کے کینسہ کی وجہ سے یہ مقام بھی رومیوں کا ایک اہم مرکز تھا، ہر قل کو خبر ہوئی تو اس نے تو ذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا، اس نے دمشق کے مغربی سمت مرج روم میں پڑاؤ ڈال دیا، مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری سمت ٹھہرے، اس درمیان میں رومیوں کی ایک فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی، اس لئے خالدؓ تو ذر کے مقابلہ کو بڑھے اور ابو عبیدہؓ شنس کے، تو ذر نے مقابلہ نہیں کیا، بلکہ دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا، خالدؓ بھی عقب سے اس کے ساتھ ہو گئے، دمشق میں یزید بن ابوسفیان موجود تھے، وہ شنس کی آمد کی خبر سن کر اس کے روکنے کو نکلے دمشق کے باہر دونوں میں سخت معرکہ ہوا، ابھی جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ پیچھے سے خالدؓ پہنچ گئے، اور ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے یزید نے مل کر رومیوں کو پامال کر دیا، اور معدودے چند کے علاوہ کوئی رومی باقی نہ بچا۔

حمص..... ابو عبیدہؓ نے شیرز، معرہ حمص، اور لاذقیہ وغیرہ کو لے کر بعلبک اور حمص فتح کیا۔ یرموک..... ان پیہم شکستوں نے رومیوں میں آگ لگا دی اور دولاکھ کا نڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آیا، ۲۲ رومی سپہ سالار ماہان اس کو لے کر یرموک کے میدان میں اترا اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں منتشر تھے، یہ سب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور طرفین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، رومیوں کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گوشہ نشین راہب و نسیمین اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل کر مذہب کا واسطہ دلا کر رومیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے، خالدؓ نے جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے فوج کو جدید طرز سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کر کے سب پر الگ الگ افسر مقرر کیے اور جہاد پر نہایت ولولہ انگیز تقریر کی، اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے، خالدؓ غضب ناک ہو کر بولے فتح و شکست تعداد کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے، اگر میرے گھوڑے کے سم درست ہوتے تو میں اس سے دوئی تعداد کی پرواہ نہ کرتا۔ ۳

ضروری انتظامات کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اور قنستاح بن عمرو کو حملہ کا حکم دیدیا اور یرموک کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا، عین اس حالت میں عیسائی رومی فوج سے نکل کر اسلامی

لشکر میں آگیا اور خالدؓ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لئے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا، خالدؓ نے کہا یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں مشرف باسلام ہو گیا۔

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، مسلمان افسروں نے غیر معمولی شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا، آخر رومیوں نے شکست کھائی کہ پھر ان کی اتنی بڑی تعداد نہ فراہم ہو سکی۔ حاضر..... ریموک کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو قنسرین کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہو گئے، مقام حاضر میں خالدؓ کو میناس رومی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملا، خالدؓ نے اس کو شکست دی، اہل حاضر نے ایمان کی درخواست کی اور کہا ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی، اسلئے ہم کو ایمان دی جائے، خالدؓ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی۔

قنسرین..... حاضر سے قنسرین پہنچے، اہل قنسرین پہلے جنگ کے ارادہ سے قلعہ بند ہو گئے پھر اہل حمص کے انجام پر غور کر کے صلح کی درخواست کی، خالدؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیئے جائیں، قنسرین کے بعد ہر قل بالکل مایوس ہو گیا، اور شام پر آخری نگاہ ڈال کر قسطنطنیہ چلا گیا، چلتے وقت یہ حسرت انگیز الفاظ اس کی زبان پر تھے ”اے شام! تجھ کو آخری سلام ہے، اب میں تجھ سے جدا ہوتا ہوں، افسوس اس سرزمین میں جس پر میں نے حکمرانی کی ہے، اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکوں گا۔“

بیت المقدس..... قنسرین کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا، عیسائی اس شرط سے بلا جنگ حوالہ کرنے کو آمادہ ہو گئے کہ خود امیر لمونین اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے صلح نامہ لکھنے کے لئے شام کا سفر کیا اور تمام افسران فوج کو جابیہ میں طلب کیا خالدؓ بھی آئے، ان کا دستہ دیباوحریر میں ملبوس تھا، حضرت عمرؓ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر پڑے اور کنکریاں مار کر فرمایا تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں، ”ان لوگوں نے اسلحہ دکھا کر کہا کہ لیکن سپہ گری کا جو ہر نہیں گیا ہے،“ فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں۔

حمص کی بغاوت..... کچھ عرصہ میں حمص کے باشندے باغی ہو گئے، لیکن ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کی بروقت توجہ سے بہت جلد بغاوت فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔ معزولی..... اسی کچھ میں حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو معزول کر دیا، معزولی کے سنہ میں مورخین کا بیان مختلف ہے، عام شہرت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معزول کیا تھا، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، صحیح روایت یہ ہے کہ کچھ عرصہ میں یعنی خلافت فاروقی کے ۵ سال بعد

معزول ہوئے، ابن اشیر کی بھی یہی تحقیق ہے، وہ لکھتے ہیں، فی هذه السنة وهي سنة سبعة عشر عزل خالد بن وليد یعنی سب سے اچھے میں خالد بن ولید معزول کیے گئے، ان کی معزولی کا سبب یہ ہے کہ خالد فوجی آدمی تھے، ان کا مزاج تند تھا، اس لئے ہر معاملہ میں خود رائی سے کام لیتے تھے، اور بارگاہ خلافت سے استصواب ضروری نہیں سمجھتے تھے، فوجی اخراجات کا حساب و کتاب بھی نہیں سمجھتے تھے، عراق کی پیش قدمی میں روکنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی مرضی کے خلاف بغیر ان کی اجازت کے خفیہ حج کو چلے گئے، ان کا یہ طرز عمل حضرت ابوبکرؓ کو ناگوار ہوا، اور آپ نے تنبیہ کی انہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو، انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو میری موجودہ حالت پر چھوڑ دیجئے تو کام کر سکتا ہوں، ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں، اسی زمانہ سے حضرت عمرؓ ان سے برہم رہتے تھے، اور بار بار حضرت ابوبکرؓ کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ جواب دیتے کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا، جس کو خدا نے بے نیام کیا ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی خالدؓ نے یہ روش نہ چھوڑی، لیکن انہوں نے بھی فوراً معزول نہیں کیا، بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، چنانچہ پھر ایک مرتبہ لکھا کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو ایک بکری بھی نہ دیا کرو، مگر خالدؓ نے کوئی اثر نہیں لیا اور حضرت عمرؓ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ کو دے چکے تھے۔ ج

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر ہے، جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالدؓ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افسروں کے لئے نمونہ نہ بن سکتے تھے چنانچہ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے، اشعث بن قیس کو دس ہزار انعام یکمشت دیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو ابو عبیدہؓ بن جراح کے پاس حکم بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے، اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، اس لئے دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں، یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابو عبیدہؓ کو ملا، انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا، تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا، کہا اپنے مال سے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا فرمان سنا کہ معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور علامہ گردن میں ڈال دیا، خالدؓ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان سنا اور مانا، اور ابھی میں اپنے افسروں کے

احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔

اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے دبدبہ اور خالدؓ کی حق پرستی، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے، معزولی کے بعد دربار خلافت سے طلبی ہوئی، چنانچہ خالدؓ حمص سے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملہ میں زیادتی سے کام لیا ہے، حضرت عمرؓ نے سوال کیا ”تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی“ جواب دیا، مال غنیمت کے حصوں سے، اگر میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو آپ لے لیجئے، حضرت عمرؓ نے فوراً حساب کرایا، کل ۲۰ ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں جمع کرادیے اور فرمایا کہ ”خالدؓ اب بھی میرے دل میں تمہاری وہی عزت و محبت ہے“ اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرا دیا کہ میں نے خالدؓ کو خیانت کے جرم یا غصہ وغیرہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ محض اس لئے معزول کیا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر نہیں ہے۔

مذکورہ بالا فتوحات کے علاوہ خالدؓ دوسری مہموں میں بھی شریک ہو کر واد شجاعت دیتے رہے، لیکن ان میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی، اس لئے ان کی تفصیل قلم انداز کی جانی ہے۔

گورنری..... حضرت عمرؓ نے بمصالح خالدؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لئے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا، چنانچہ معزولی کے بعد رہا، حران، آمد، اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔

وفات..... گورنری سے استعفا دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دن بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی، بعض لوگ آپ کی وفات حمص میں بتاتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ آپ کے جنازہ میں شریک تھے، ۲۲ھ اور ۲۳ھ میں انہوں نے شام کا کوئی سفر نہیں کیا، آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذرہ میں کھرام برپا تھا۔

اولاد..... اواد کی تعداد کی تفصیل نہیں ملتی، صرف دولڑکوں، مہاجر اور عبدالرحمن کا نام ملتا ہے دونوں میں باپ کی شجاعت کا اثر تھا، چنانچہ مہاجر بن خالدؓ نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا، ۵۱ھ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں

۱ ابن اثیر ص ۴۱۸، ۲ ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۹،

۳ تدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷،

۴ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ اور تدرک حاکم ج ۳ ص ۲۹۷،

۵ اقیاب جلد ۱ ص ۲۷۶

سونا نجدی سرداروں کو دے دیا، اور ہم لوگوں کو بالکل نظر انداز فرما دیا، آپؐ نے فرمایا کہ ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیتا ہوں، یہ سن کر نجدیوں کے گروہ سے ایک شخص نے کہا کہ محمدؐ خدا سے ڈر! آپؐ نے فرمایا، اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ خالدؓ کو اس گستاخی پر غصہ آ گیا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپؐ نے روک دیا۔

آثار نبویؐ سے تبریک..... وہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرف انتساب حاصل ہوتا وہاں نہ عقیدت سمجھتے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوائے تھے، جس کو پہن کر میدان جنگ میں جاتے تھے، یہ موک کے معرکہ میں یہ ٹوپی گر گئی تھی، حضرت خالدؓ بہت پریشان ہوئے اور آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد ملی۔

جہاد فی سبیل اللہ..... حضرت خالدؓ کی کتاب زندگی کا سب سے جلی عنوان اور سب سے روشن باب جہاد فی سبیل اللہ ہے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گزرا، غزوات نبویؐ اور عراق و شام کی فتوحات کے حالات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ان کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں ان کو دربار نبویؐ سے سیف اللہ کا لقب ملا تقریباً سو اسوڑائیوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو، ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں، اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے، جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو، آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ میری ساری زندگی میدان جنگ میں گزری اور آج میں بستر مرگ پر چانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کے جان دے رہا ہوں، خدا نے آپؐ کے قدموں میں وہ برکت دی تھی جدھر رخ کیا کبھی ناکام واپس نہ لوئے، خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا فتحیاب ہوا، اس قول کی صداقت پر ان کے کارنامے شاہد ہیں، آنحضرت ﷺ کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب انکے ہاتھ میں علم آ جاتا تو آپؐ مطمئن ہو جاتے چنانچہ غزوہ موتہ میں جب حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا تو آنحضرت ﷺ نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا نور گرمایا، بے چونکہ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا، اس لئے ان کے پاس سامان حرب کافی تھا، جسکو انہوں نے اسلام لانے کے بعد راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا مدح کرنا..... آنحضرت ﷺ حضرت خالدؓ کی ان جان فروشوں اور قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے، اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا کرتے، فتح مکہ کے موقع پر جب کہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے ایک گھاٹی کی طرف خالدؓ بھی نمودار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا، دیکھو کون ہے، انہوں نے عرض کی خالد بن ولیدؓ فرمایا کہ یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے یا خود بھی قدر دانی فرماتے تھے، اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ خالدؓ کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے، جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو ابن جہیل، خالدؓ اور عباسؓ نے دیئے سے انکار کیا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا، تو فرمایا کہ "ابن جہیل فقیر تھا، خدا نے اس کو دولت مند کیا، یہ اس کا بدلہ ہے"، لیکن خالدؓ ابن ولیدؓ پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، انہوں نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے پھر ان پر زکوٰۃ کیسی، رہا عباسؓ کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے۔

مزاج..... ان کی پوری زندگی سپاہیانہ تھی، اس لئے مزاج میں حرارت اور تیزی تھی، ذرا سی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے، عمار بن یاسرؓ کے ساتھ سخت کلامی کا واقعہ اوپر گزر چکا وہ اسی طرح بنو جذیمہ کے معاملہ میں (جن پر آپؐ نے مشرک کبھ کر حملہ کر دیا) جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے اعتراض کیا تو بہت برہم ہوئے۔

حق پرستی..... لیکن اس تند مزاجی کے باوجود ہٹ دھرمی نہ تھی اور حق بات کو قبول کرنے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں عار نہ کرتے تھے، معزول کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ مجمع نام میں اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے نو پی اتار لی جاتی ہے، عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے، اور آپؐ دم نہیں مارتے اور جب ان کی وجہ پر ابو عبیدہؓ سپہ سالار مقرر ہوتے ہیں تو یہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔

اشاعت اسلام..... اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے خالدؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور آپؐ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے، فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرا یا بھیجے ان میں سے متعدد سریے ان کی سرکردگی میں کیے گئے،

اور بنو جذیمہ، بنو عبدالمدان نجرانی ان ہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے، اور اہل یمن کیا سلام میں حضرت علیؑ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں فتنہ روم میں طلحہ کی جماعت بنو ہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ ان ہی کی کوششوں سے اسلام لائے، ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ آپ کے ہاتھ مشرف باسلام ہوئے جنگ یرموک میں قیصر روم کے سفیر جارج کے قبول اسلام کا واقعہ اور گزر چکا ہے۔ ۲۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

نام و نسب مغیرہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن عوف بن قیس۔
اسلام غزوہ خندق کے سال ۵ھ میں شرف باسلام ہوئے، اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔

غزوات اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ قیام لیا، غزوہ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نکلے، قریش اس میں مزاحم ہوئے اور ان کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقیفی گھٹلو کے لئے آیا، اور عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دوران گفتگو میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا، مسلمان اس گستاخانہ طریقہ تنقیط کے عادی نہ تھے، مغیرہؓ جو اس وقت ہتھیار لگائے، آنحضرت ﷺ کی پشت کی جانب کھڑے تھے، یہ انداز گفتگو ناگوار ہوا، وہ ہر مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے جاتے تھے۔ آخر میں ضبط نہ ہو۔ کا، ڈانٹ کر کہا، خبردار ہاتھ قابو میں رکھو عروہ نے پہچان کر کہا او دغا باز میں نے تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی، ہج

حدیبیہ کے بعد متعدد غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ایک خاص سر یہ میں ان کو اور ابوسفیان کو طائف بھیجا تھا، اس میں انہوں نے نہایت بہادری سے دشمنوں کو شکست دی تھی۔ ہج

آخری سعادت آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے، جب لوگ جسد مبارک کو قبر انور میں رکھ کر نکلے تو انہوں نے عمداً قبر میں اپنی انگوٹھی گرا دی، حضرت علیؓ نے کہا نکال لو، انہوں نے قبر میں اتر کر قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا اور جب مٹی گرائی جانے لگی اس وقت قبر سے نکلے، انہوں نے قصداً اس لئے انگوٹھی گرائی تاکہ یہ شرف ان کے ساتھ مخصوص ہو جائے کہ وہ ذات نبوی سے سب سے آخری جدا ہونے والے ہیں، چنانچہ ہمیشہ لوگوں سے فخر یہ کہا کرتے کہ میں تم سب میں آنحضرت ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔ ہج

۱۔ الحدائق النبویہ ص ۲۰۲، ۲۔ التبیان ص ۲۵۸

۳۔ زاد المعاد ص ۱۰۱، ۴۔ چند آدمیوں کو مل کر وہ تمہارے مسودہ ثقیفی نے ان کی ریت اڑی تھی، یہ واقعہ بخاری کتاب التہجد ص ۱۰۱، ۵۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱، ۶۔ ہجرت انبیاء ص ۱۰۱، ۷۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱، ۸۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱

۹۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱، ۱۰۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱، ۱۱۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱

عہد صدیقی آنحضرت ﷺ کے بعد یحییٰ بن کے عہد کی اکثر معرکے آرائیوں میں شریک رہے اور بڑے بڑے کار نمایاں کیے، سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے اہل بحیرہ کی طرف گئے، پھر یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔

عہد فاروقی فتنہ ارتداد کے فرد ہونے کے بعد عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، بویب کی تسخیر کے بعد جب مسلمان قادیسیہ کی طرف بڑھے اور رستم نے مصالحت کے لئے مسلمان سفراء بلائے تو کئی سفراء بھیجے گئے، آخر میں یہ خدمت مغیرہؓ کے سپرد ہوئی۔

سفارت ایرانیوں نے اسلامی سفیر پر عرب ڈالنے کے لئے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا تھا، تمام افسران فوج دیبا و حریر کے بیش قیمت ملبوسات زیب تن کیے تھے رستم زرنگار تاج سر پر رکھے تخت پر بیٹھا تھا، دربار میں کار چوبی کا فرش تھا، مغیرہؓ پہنچے تو بلا کسی جھجک کے سیدھے رستم کے تخت پر جا کر بیٹھے، ان کا اس دلیری سے رستم کے پہلو پہ پہلو بیٹھ جانا درباریوں کو ناگوار گذرا، انہوں نے ہاتھ پکڑ کے نیچے بٹھا دیا، مغیرہؓ نے کہا ”ہم عرب ہیں، ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بنے اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں، ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، تم نے ہم کو خود بلایا ہے، ہم اپنی غرض سے نہیں آئے ہیں، پھر تمہارا یہ سلوک کہاں مناسب ہے، اگر تم لوگوں کا یہی حال رہا تو بہت جلد نیست و نابود ہو جاؤ گے، بقائے سلطنت کی یہ شکل نہیں ہے“ ایرانی اس مساوات سے نا آشنا تھے، یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے، رستم بھی نادم ہوا، بولا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے اور حسن تلافی کے طور پر ان کے ترکش سے تیر نکال کر مذاق کے لہجہ میں کہا کہ ان تنکوں سے کیا ہوگا، کہا چنگاری کی لوگو چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے، پھر اس نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہاری تلوار کس قدر بوسیدہ ہے، کہا نیام بوسیدہ ہے لیکن دھارتیز ہے اس کے بعد اٹل معاملہ پر گفتگو شروع ہوئی، رستم نے اپنی قوت کی شوکت و عظمت سطوت و جبروت اور عربوں کی حقارت کم مائیگی کا تذکرہ کر کے کہا کہ گو تمہاری جیسی نام چیز قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تاہم اگر تم لوٹ جاؤ تو تمہاری فوج اور سردار فوج کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیا جائے گا، مغیرہؓ نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم کو جزیہ نہیں منظور ہے تو تلوار تمہارا فیصلہ کرے گی، رستم یہ سخت جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا، بولا کہ آفتاب سے پہلے تمہاری فوج کو تہ بالا کر دوں گا، اس گفتگو کے بعد مغیرہؓ واپس چلے آئے، اور قادیسیہ کی مشہور جنگ میں بھی یہ شریک تھے۔ ۳

عراق پر فوج کشی ۱۹ھ میں، قوس اور اصفہان والوں نے یزدگرد سے خط و کتابت کر کے مسلمانوں کے خلاف ساٹھ ہزار فوج جمع کی اور مردان شاہ و فرش کا دیوانی لہراتا ہوا نکلا

حضرت عمار بن یاسرؓ نے دربار خلافت میں اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے خود نکلنے کا قصد کیا، لیکن پھر نظام خلافت کے اختلال کے خیال سے ارادہ سنج کر دیا اور امرائے کوفہ و بصرہ کے نام فرمان جاری کیے کہ وہ اپنی اپنی فوج لے کر نہادند کی طرف بڑھیں اور نعمان بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے ہدایت کر دی کہ اگر تم شہید ہو تو حذیفہ بن یمان تمہاری قائم مقامی کریں اگر وہ بھی شہید ہوں تو جریر بن عبد اللہ بکلی جگہ میں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہؓ علم سنبھالیں۔

دوسری سفارت..... جب اسلامی لشکر نہادند کے قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دوبارہ مصالحت کی گفتگو کے لئے ایک سفیر طلب کیا، مغیرہؓ اس خدمت کو ایک مرتبہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے چکے تھے، اس لئے دوبارہ ان ہی کا انتخاب ہوا، یہ سفیر بن کے گئے تو دربار کا وہی رنگ دیکھا، مروان شاہ سر پر تاج زر نگار رکھے طائلی تخت پر بیٹھا تھا، درباری چپ دراست چمکدار تلواریں لگائے، جن پر آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی، کھڑے تھے، مغیرہؓ نے کوئی توجہ نہ کی اور سیدھے گھستے ہوئے چلے گئے، راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، کہا سفر کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی، مروان شاہ نے کہا کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بد بخت، فاقہ مست اور جس قوم دنیا میں نہیں ہے، میری سیاہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں میدان میں تڑپتی نظر آئیں گی، انہوں نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا کہ بیشک جیسا تمہارا خیال ہے، ایک زمانہ میں ہم ویسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسولؐ نے ہماری کاپاپٹ دی اب ہر طرف ہمارے لئے میدان صاف ہے اور بغیر تمہارا تاج و تخت چھینے اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے جب تک ”میدان جنگ میں ہماری لاشیں نہ تڑپیں“، غرض یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور طرفین میں لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، مغیرہؓ میسرہ کے افسر مقرر ہوئے، نہادند کے معرکہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمان بن مقرن ایسے سخت زخمی ہوئے کہ پھر جان بر نہ ہو سکے، لیکن مسلمانوں کے شہادت و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر ایرانیوں کو شکست ہوئی، اختتام جنگ کے بعد معقل، نعمان کی خبر لینے گئے، سانس کی آمد و شد باقی تھی، لیکن نگاہ جواب دے چکی تھی، پوچھا کون، معقل نے بتایا، پوچھا جنگ کا کیا نتیجہ رہا، عرض کی خدا نے کامیاب کیا، فرمایا الحمد للہ، حر کو اطلاع دو، اور یہ مرثدہ سننے کے بعد طائر روح پرواز کر گیا۔

نہادند کے بعد ایران پر عام فوج کشی ہوئی، ہر حصہ پر الگ الگ فوجیں بھیجی گئیں، ہمدان

کی مہم مغیرہ کے سپرد ہوئی، انہوں نے نہایت بہادری سے اس کو سر کیا، پھر اہل ایران کی درخواست پر صلح کر لی گئی۔

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے نئے انتظامات کیے، باقاعدہ ایک دفتر کھولا، جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والوں کے وظیفے اور وثیقے ملتے تھے اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا اس کی ایجاد کا سہرا مغیرہؓ کے سر ہے، کچھ دنوں کے بعد ایک جرم کے الزام میں، ماخوذ ہوئے، لیکن شہادت سے یہ الزام ثابت نہ ہو سکا، حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے کہ ایک صحابی کا دامن معصیت کی آلودگی سے پاک نکلا، تاہم سیاسی مصالح کے لحاظ سے بصرہ سے تبادلہ کر کے عمار بن یاسرؓ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا، حضرت عمرؓ کی وفات تک یہاں کے گورنر رہے اور جدید عثمانی انتظامات میں معزول کر دیئے گئے۔

عہد معاویہ اس کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیر میں اختلافات ہوئے تو ابتدا میں مغیرہؓ جناب امیرؓ کے حامی و طرفدار تھے، چنانچہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر آپؓ اپنی خلافت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں تو طلحہؓ وزیرؓ کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے اور امیر معاویہؓ کو ان کے قدیم عہدہ پر واپس کیجئے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد پھر جو خیال میں آئے وہ کیجئے گا، لیکن جناب امیرؓ نے جواب دیا کہ طلحہؓ وزیرؓ کے بارے میں غور کروں گا، لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک نہ ان کو کہیں کا امیر بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مددوں کا، مغیرہؓ اس جواب سے بدظن ہو گئے، ۱۳ امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے بیعت لے لی، یہاں اب مغیرہؓ معاویہؓ کے ساتھ تھے، اور علیؓ الاعلان جناب امیرؓ کی مخالفت شروع کر دی، مجمع عام میں آپؓ کے خلاف تقریر کرتے اور لوگوں کو آپؓ کی مخالفت پر ابھارتے تھے۔ ۱۵

مغیرہ کی حمایت نے امیر معاویہؓ کو بڑی قیمتی مدد پہنچائی بڑی بڑی اہم گھٹیاں انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیں، امیر معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے نازک آگئے تھے کہ اگر مغیرہؓ کا تدبر نہ ہوتا تو امیر معاویہؓ کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا، زیادہ دہاکہ عرب میں تھا اور حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا والی تھا، یہ امیر معاویہؓ کا سخت ترین

۱۱- التماس به ۳۹، دستورک جدید ۳۴۸.

مع فتوح البلدان باب: روى ص ٤٣٨، ٤٣٩.

۴۱ اصحاب جبر و قهر ۲۳۶

۳۱ استیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹.

در مستدرک جلد ۴۵،

دشمن تھا، حضرت حسنؑ کی دست برداری کے بعد گوا میر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہو گئے، لیکن زیاد ان کی خلافت نہیں تسلیم کرتا تھا، امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ارطاط کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کی سختیاں بے کار ثابت ہوئیں، اور مغیرہ بن شعبہ نے اپنے تدبیر سے زیاد کو امیر معاویہؓ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا۔

کوفہ کی گورنری..... ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ نے مغیرہؓ کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کوفہ کا عامل بنایا، ۴۲ھ میں خارجیوں نے بڑا سخت فتنہ برپا کیا، مغیرہؓ نے نہایت ہوشیاری اور سرعت سے اس کو فرو کیا اور خارجیوں کا ایک سرغنہ مستورد مارا گیا، غرض مغیرہؓ نے امیر معاویہؓ کی خلافت استوار کرنے میں پورا زور صرف کیا۔

وفات..... ۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی، اسی میں انتقال کیا، وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔

حلیہ..... سر بڑا، بال بھورے، لب پیوستہ، بازو فراخ اور شانہ کشادہ تھے۔

اولاد..... وفات کے وقت ۱۳ اولادیں چھوڑیں، عروہ، حمزہ، عقیار۔

فضل و کمال..... مغیرہؓ بن شعبہؓ گوا ایک مدبر اور فوجی شخص تھے، تاہم ان کو مذہبی علوم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، اور اپنے زمرہ میں علمی حیثیت سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ان کی ۱۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں، ۵ تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے تینوں لڑکے عروہ، حمزہ، عقیار اور عام لوگوں میں حمیرہ بن وحیہ، مسور بن مخرمہ، قیس بن ابی حازم، مسروق بن احنف، نافع بن حمیرہ بن مطعم، عروہ بن زبیر اور عمر بن وہب قابل ذکر ہیں۔

گو مغیرہؓ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے، لیکن ان کی عظمت و وقار کا علم و افتا کی مسند کے بجائے سیاست کی خارزار وادیوں میں گڑا تھا اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا، عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے وہ عرب کے ممتاز مدبرین میں تھے، ان کا شمار ”وہابہ عرب“ میں تھا، اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کے سبب سے ”مغیرہ الرائے“ کہلاتے تھے، بے اسی وصف کی بناء پر حضرت عمرؓ کے عہد میں بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے۔

قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ میں غرضہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا، وہ اس تدبیر و سیاست کے آدمی تھے کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور

چالاکی کے گزرتا دھواں ہو تو مغیرہ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے، اہم امور کی کتھلیاں سلجھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، جب کسی معاملہ میں رائے قائم کرتے تو اسی میں مفر کی صورت نکلتی۔

ان کی تدبیر و سیاست کے بعض واقعات نہایت دلچسپ ہیں، عموماً اس قسم کے حکام کو رعایا پسند نہیں کرتی، مغیرہ بھی ان ہی میں تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو بحرین کا گورنر بنایا تھا، یہاں کی رعایا نے ان کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا، معزولی کے بعد چلتے چلتے رعایا نے ایک بڑی چوٹ یہ لگائی کہ ان کی آئندہ واپسی کے خطرہ روکنے کے لئے یہاں کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے دربار خلافت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہؓ نے سرکاری محاصل سے خیانت کر کے ہمارے پاس جمع کرائی تھی، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے باز پرس کی، معاملہ بہت نازک تھا، رقم موجود تھی سینکڑوں شاہد تھے، کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی، لیکن انہوں نے دماغی توازن قائم رکھا، اور نہایت اطمینان کے ساتھ کہا میں نے دو لاکھ جمع کیے تھے ایک لاکھ اس نے دبا لیا یہ سن کر زمیندار بہت گھبرایا اور حلف لے کر اپنی صفائی پیش کی، ورنہ ان کو دو لاکھ بیت المال میں داخل کرنا پڑتے تھے، مگر یہ واقعہ مغیرہؓ کو بدنام کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اس تحقیقات سے غلط ثابت ہوا، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، تم نے دو لاکھ کا کیوں اقرار کیا، بولے انہوں نے تہمت لگائی تھی، اور اس کے سوا بدلہ لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص

نام و نسب خالد نام، ابو سعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، نانہالی تعلق ثقیف سے تھا۔ اسلام حضرت خالدؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب چند بندگان خدا کے سوا ساری دنیا تو حید کی آواز سے نا آشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ یہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں ڈھکیل رہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشان نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”خدا کی قسم یہ خواب حقیقت ہے، اور اس کو حضرت ابو بکرؓ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مشرف باسلام ہو گے، اس لئے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچا لے گا، چنانچہ خالدؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ نے فرمایا بلا شرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اور ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو، جو تمہارے نفع اور نقصان کی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ اس سے بھی لاعلم ہیں، کہ ان کی پرستش کے دعویداروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی۔ ۳

آزمائش اور استقامت اسلام لانے کے بعد گھر والوں سے چھپ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوت اسلام میں مصروف ہو گئے، والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لئے بھیجا، اور ان کو گرفتار کر کے لے گئے، پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا، یہاں جواب صاف تھا کہ جان جائے لیکن محمد ﷺ کا مذہب نہیں چھوٹ سکتا، اس جواب پر پہلے زبرد تو بیخ شروع ہوئی، جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زرد کو ب کی نوبت آئی اور اس بے دردی سے

مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی لکڑے ٹکڑے چوگنی، جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی تم نے محمد ﷺ کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے معبودوں اور ان کے آباء و اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہو، مگر اس مار کے بعد بھی اس بادہ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ ”خدا کی قسم! جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہی اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں“ جب سنگدل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو، عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان سے گفتگو نہ کرے چنانچہ یہ کئی دن تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلے رہے، پوچھتے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطراف مکہ میں روپوش ہو گئے۔

ہجرت حبشہ..... جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیمہ یا ہمینہ اور بھائی عمرو کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے یہیں ان کا صاحبزادہ سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔

ہجرت مدینہ اور غزوات..... غزوہ خیبر کے زمانہ میں حبشہ سے مدینہ آئے، گو یہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا، اس کے بعد عمرہ القضاء فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک وغیرہ سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

ابتدائی غزوات بدر واحد وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اس محرومی پر ہمیشہ متاسف رہے، آنحضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ بدر کے شرف سے محروم رہے، آپ نے جواب دیا کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک ہجرت کا شرف حاصل ہو اور تم کو دو کا۔

مدینہ کا قیام..... مدینہ آنے کے بعد سے آنحضرت ﷺ نے مراسلات کا عہدہ ان کے متعلق کر دیا تھا، اور وہ تحریری نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتے تھے، ۹ھ میں نبوت ثقیف کا جو وفد آیا تھا، اس کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گفتگو کی خدمت ان ہی نے انجام دی تھی، اور وفد کے شرف باسلام ہونے کے بعد معاہدہ بھی ان ہی نے تحریر کیا تھا۔

یمین کی گورنری..... حضرت خالدؓ کے کنبہ بھر میں حکومت کی صلاحیت تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے تینوں بھائیوں کو حکومت کے عہدوں پر ممتاز کیا تھا، آبان کو بحرین پر، عمرو کو تیار، پر اور خالد کو یمین پر مامور کیا، یہ تینوں تاحیات نبوی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کی وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ بھیجنا چاہا اور فرمایا کہ تم لوگ آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ عامل ہو، تم سے زیادہ کون اس عہدہ کا مستحق

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲، ق ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷،

ہو سکتا ہے، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم ابی احمہ کی اولاد ہیں، آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔!

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت میں تاخیر خالدؓ کو ابتدا میں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت سے اختلاف تھا، چنانچہ دو مہینہ تک بیعت نہ کی اور حضرت طلحہ اور عثمانؓ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں نے غیروں کی خلافت کس طرح ٹھنڈے دل سے قبول کر لی، حضرت ابو بکرؓ نے تو کوئی باز پرس نہیں کی، لیکن حضرت عمرؓ بہت برہم ہوئے، مگر پھر خالدؓ نے دو مہینے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی روک تھام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، مشہور رمرتہ عمرو بن عبد کرب زبیدی کو جو اسود خسی کے حلقہ میں تھا، زخمی کیا، اور اس کی تلوار اور گھوڑا چھین لیا، مگر وہ بچ کر بھاگ گیا، یہ فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ نے ان کو فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار بنایا لیکن حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا کہ جس شخص نے بیعت میں لیت دھل کی ہو وہ ہرگز اعتماد کے لائق نہیں، پھر وہ کوئی ایسے نبرد آزما بھی نہیں کہ فوجی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے، حضرت ابو بکرؓ پہلے مترود ہوئے لیکن آخر میں حضرت عمرؓ کے اصرار سے مجبور ہو گئے، تاہم معزول نہیں کیا، لیکن سپہ سالاری کے عہدہ سے تنزل کر کے تمام کی امدادی فوج کے دست کا امیر بنادیا اور ان کی جگہ پر یزید بن ابی سفیان کا تقرر کیا اور خالدؓ کو یہ ہدایتیں دے کر تمام روانہ کیا کہ راستہ میں ان مسلمانوں کو جو پہلے ارتداد کی شورش میں نہ شریک ہوئے ہوں ساتھ لے لینا، اور بغیر میرا حکم ملے ہوئے خود حملہ کی ابتداء نہ کرنا، رومیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت عربی قبائل کو لے کر مختلف اطراف میں چھاپے مارنا شروع کر دیئے، خالدؓ نے دوبار خلافت میں اطلاع بھیجی، وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا، لیکن خالدؓ کے بڑھتے بڑھتے رومی منتشر ہو گئے اور عربی قبائل جو ان کے ساتھ ہو گئے تھے، پھر اسلام لے آئے، خالدؓ نے دوبارہ اطلاع بھیجی آپ نے حکم دیا کہ ابھی پیش قدمی جاری رکھو، مگر اس طرح کے دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکیں اس حکم کے مطابق یہ آگے بڑھے، باہان رومی مقابلہ کو نکلا، لیکن شکست کھائی، انہوں نے اس کی اطلاع دوبار خلافت میں بھیجی، نیز مزید امدادی فوج طلب کی۔

اسی دوران میں عام لشکر کشی ہوئی، مکر مد واکلاہ اور ولید خالدؓ کی مدد کے لئے بھیجے گئے ان کے پہنچتے ہی خالدؓ رومیوں کے مقابلہ میں نکلے، باہان بطریق رومی اپنی فوج کو دمشق کی طرف ہٹالے گیا، لیکن یہ برابر بڑھتے ہوئے چلے گئے اور دمشق رو اقصیٰ کے درمیان خیمہ زن ہوئے

بابان کا مسلح دستہ تاک میں لگا ہوا تھا اس نے ہر چہار طرف سے تاکہ بندی کر دی اور خود حملہ کرنے کے لئے بڑھا، راستہ میں خالدؓ کے صاحبزادے سعیدؓ ملے ان کو گھیر کر شہید کر دیا، خالدؓ کو خبر ہوئی تو وہ ایسے سرا سیمہ ہوئے کہ پیش قدمی روک کر پیچھے ہٹ آئے، اور عکرمہؓ نے ہوشیاری کے ساتھ بابان کو ان کے تعاقب سے روک دیا اور خالدؓ و المروہؓ میں آکر مقیم ہو گئے، پھر کچھ دنوں کے بعد مدینہ گئے، حضرت ابو بکرؓ نے ان کی کمزوری پر مناسب تنبیہ کی اور فرمایا واقعی عمرؓ اور علیؓ ان کا زیادہ تجربہ رکھتے تھے، کاش میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا، اب اس کے بعد برابر لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے اور گذشتہ کمزوری کی تلافی میں بڑے جوش سے لڑتے تھے، چنانچہ خل، دمشق وغیرہ میں بڑی جانبازی دکھائی۔

شہادت خل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے مرج صفر کا رخ کیا، اسی درمیان میں خالدؓ نے ام حکیم سے عقد کر لیا اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کا قصد کیا، بیوی نے کہا اس معرکہ کے بعد اطمینان سے ملنا زیادہ بہتر ہے، انہوں نے جواب دیا میرا دل کہتا ہے کہ اس لڑائی میں جام شہادت پیوں گا، غرض مرج صفر ہی میں بیوی سے ملاقات کی اور صبح کو احباب کی دعوت کی، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آ گئے، ایک رومی نے مبارز طلبی کی، خالدؓ مقابلہ کے لئے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہو گئے، ان کی عروس کا یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ جرح فزع اور سوگ نشینی کے بجائے شوہر کے خون کے انتقام کیلئے انھہ کھڑی ہوئی اور مردوں کے دوش بدوش لڑ کر سات رومیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ ۱

اولاد خالد کے امیر یا ہمینہ بنت خلف کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں، سعید اور امہ یا ام خالد، سعید خالد کی زندگی میں شہید ہو گئے تھے، امہ حضرت زبیرؓ بن عوام سے بیاہی تھیں۔ خاتم نبوی خالدؓ کی انگوٹھی کا نقش بھی محمد رسول اللہ ﷺ تھا یہ انگوٹھی آنحضرت ﷺ نے ان سے لے لی تھی، جو ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہی۔ ۲

فضل و کمال عرب کے عام دستور کے خلاف ان کو لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل تھی چنانچہ یمن والوں کو جو امان نامہ آنحضرت ﷺ نے دیا تھا، اس کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔ ۳

حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ

نام و نسب..... شرحبیل نام، ابو عبد اللہ، کنیت، والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن یہ شرحبیل کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے، اور ان کی ماں حسنہ نے سفیان انصاری سے شادی کر لی تھی اس لئے شرحبیل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے شرحبیل بن حسنہ مشہور ہوئے، نسب نامہ یہ ہے، شرحبیل بن عبد اللہ بن مطاع بن عبد اللہ بن غطریف بن عبد العزیٰ بن جثامہ ابن مالک بن ملازم بن مالک بن رہم سعد بن یشکر بن مبشر بن غوث بن مرفیہ، ان کے انساب میں اختلاف ہے، بعض کندی بتاتے ہیں اور بعض تمیمی۔

اسلام و ہجرت..... شرحبیلؓ دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، اور پہلے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور ماں کے تعلق سے بنی زریق میں قیام پذیر ہوئے، ہجرت سے لے کر آنحضرت ﷺ کی وفات تک کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، کیونکہ بڑا زمانہ حبشہ کے قیام میں صرف ہو چکا تھا، ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی میں صوبہ اردن پر مامور تھے۔

بصری کا معرکہ..... چنانچہ اس سلسلہ کے سب سے پہلے معرکہ بصری میں افسر تھے، آغاز جنگ کے قبل میں اور بصری کے حاکم رومانس میں گفت و شنید بھی ہوئی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، اور یہ فوج مرتب کر کے آگے بڑھ رہے تھے، کہ خالدؓ پہنچ گئے ان کے آنے کے بعد یہ سپہ سالار اعظم ہوئے، اور ان ہی کی سپہ سالاری میں اہل بصری نے جزیہ قبول کیا۔

اجنادین..... بصری کے بعد رومی اجنادین میں جمع ہوئے، خالدؓ مقابلہ کو بڑھے، شرحبیلؓ بھی کچھ دور جا کر ان سے مل گئے اور دونوں مل کر رومیوں سے معرکہ آرا ہوئے، اور ایک خونریز جنگ کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے۔

دمشق..... دمشق کی پیدل فوج کے کمان دار تھے، اور اس کے محاصرہ میں یہ باب قراویش پر متعین تھے، اور فتح تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

فحل..... دمشق کے بعد جب مسلمان فحل ہوتے ہوئے بیسان کی طرف بڑھنے والے تھے،

لیکن درمیان میں پانی کی وجہ سے فحل میں رک گئے تھے، اس وقت بھی شرحبیلؓ ساتھ تھے، اور ان کے احتیاط کی بنا پر مسلمان ایک خطرناک صورت حال سے بچ گئے، رومیوں نے دریا کا بند تو لگا دیا تھا، اس لئے فحل اور بیسان کے درمیان پانی پانی ہو گیا تھا، مسلمان فحل سے آگے نہ بڑھ سکے اور وہیں مقیم ہو گئے، شرحبیلؓ اس نازک موقع پر رات بھر جاگتے رہے۔ کہ مبادا رومی عقبہ سے حملہ آور نہ ہو جائیں، ان کی یہ پیش بینی اور احتیاط بہت کام آئی، رومی واقعی ایک دن اچانک پشت سے آگئے، لیکن شرحبیلؓ ہوشیار تھے، اس لئے رومیوں کو شکست ہوئی۔

بیسان..... فحل کے بعد شرحبیلؓ اور عمرو بن العاصؓ بیسان کی طرف بڑھے، بیسان والے فحل کا انجام دیکھ چکے تھے، اس لئے پہلے سے قلعہ بند تھے، شرحبیلؓ نے پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، ایک دن دو چار آدمی نکلے وہ مارے گئے آخر میں مجبور ہو کر دمشق کے شرائط پر صلح کر لی، طبریہ والوں نے بیسان کا حال دیکھ کر ابوالاعور سے خواہش ظاہر کی کہ اس کو شرحبیلؓ سے ملنے کی اجازت دی جائے، انہوں نے اجازت دے دی چنانچہ اس نے ان سے مل کر بیسان کے شرائط پر صلح کر لی۔

صوبہ اردن اور اس کی آبادیاں..... اس کے بعد شرحبیلؓ بن حسنہ نے صوبہ اردن کے تمام شہر نہایت آسانی سے فتح کر لئے اور ان کو لینے میں کوئی زیادہ خونریزی نہیں ہوئی، تقریباً تمام مفتوحہ علاقہ میں دمشق کے شرائط پر صلح ہوئی، اردن کے شہروں میں صوبہ، ایتق، جرش بیت راس، قدس، جولان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یرموک..... یرموک کی مہم میں جب مسلمان شام کے مختلف حصوں سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئے تو شرحبیلؓ بھی آئے اور یزید بن ابی سفیان ایک جگہ ٹھہرے خالدؓ سپہ سالار تھے انہوں نے جدید طریقہ پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے ہر حصہ پر الگ الگ افسر مقرر کیے، چنانچہ میمنہ اور میسرہ کے حصہ پر عمرو بن العاصؓ اور شرحبیلؓ متعین تھے، میدان جنگ رومیوں کے ابتدائی حملہ میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکٹڑ گئے اور بہت سے مسلمان میدان جنگ سے باہر نکل آئے اس وقت بھی شرحبیلؓ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہایت جانفروشی سے لڑے اور اخیر تک داد شجاعت دیتے رہے۔

وفات..... ۱۸ھ میں ابھی اسلامی فوجیں شام میں برسرِ پیکار تھیں کہ عراق، شام اور مصر میں طاعون کی وبا پھیلی، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ فوجیں دبائی مقامات سے ہٹا کر

۱۔ اس واقعہ میں روایات مختلف ہیں،

۲۔ طبری ص ۲۱۵۸،

۳۔ فتوح البلدان لابن اریق ص ۱۲۲،

۴۔ طبری ج ۴ ص ۲۰۱۹،

محفوظ علاقوں میں بھیج دی جائیں، لیکن شرییلؒ بڑے متوکل شخص تھے، انہوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ نادان ہیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ طاعون خدا کی رحمت اور انبیاء کی دعا ہے، اس کے قبل صالحین نے اسی میں وفات پائی ت اس لئے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے، اچنانچہ یہ کسی طرح نہ ہنے اور اسی نامراد وبا میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور گزشتہ صلیکائے امت بے جا ملے۔ ۲۔

فضل و کمال گوان کی ساری زندگی جہاد کے میدان میں گزری، تاہم احادیث نبوی سے تہی دامن نہ تھے، جعفر بن ربیعہ اور عبدالرحمن الاشعری نے ان سے روایت کی ہے۔ ۳۔

حضرت خبابؓ بن ارت

نام و نسب خباب نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب بن ارت بن جندلہ ابن سعد بن حزمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔

اسلام حضرت خبابؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارم کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اسی لئے ”سادس الاسلام“ کہلاتے ہیں۔

ابتلا و آزمائش ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، تنگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خبابؓ نے اس کے متعلق پرواہ نہ کی اور بھاگ دہل اپنے اسلام کا اظہار کیا، یہ غلام تھے ان کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے کفار نے ان کو مشق ستم بنالیا، اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، ننگی پیٹھ دھکتے ہوئے انکاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلٹا اور وہ اس وقت تک ان انکاروں پر کباب ہوتے رہتے جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی، لیکن اس سختی کے باوجود زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی، رحمۃ للعالمین اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے، لیکن ان کا آقا اتنا سنگدل تھا کہ وہ ان کے لئے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کر سکا، اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سرداغا، یعنی انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میرے لئے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائیے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے، آپ نے دعا فرمائی کہ ”خدایا! خباب کی مدد کرو“۔

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا، یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑ دوں گے، اس وقت تک نہیں مل سکتا، یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مر کر دوبارہ زندہ

ہو گئے، میں محمد ﷺ سے الگ نہیں ہو سکتا وہ کہتا اچھا میں مرکز پھر زندہ ہوں گا، اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، اس وقت تمہارا قرض دوں گا، (اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریف تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی) اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

افرايت الذی کفر بايتنا و قال لاوتین مالا و ولدا، اطلع الغیب ام
اتخذ عند الرحمن عهدا، کلا سنکتب ما یقول و نمد له من العذاب
مدا، و نرثه ما یقول و یاتینا فردا (مربوہ صفحہ ۴۸۹)

اے محمد! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہمارے آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، کیا اس کو غیب کی خبر ہو گئی، یا اس خدا کے رحمن سے عہد لیا ہے، ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں تاخیر دیتے چلے جائیں گے اور جو چھوہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تمہارے سامنے لایا جائے گا۔

ہجرت و مواخات..... خواب مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ہجرت بھی تکلیف و مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خاصہ لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور خراش بن صمر غلام تمیم کے درمیان مواخات کرادی۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔ خلافت فاروقی..... حضرت عمرؓ ان کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے گدھے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے، خواب نے پوچھا امیر المومنین! وہ کون؟ فرمایا بلال! آپ نے عرض کیا، وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہو سکتے ہیں، مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے، لیکن میرا پوچھنے والا، سوائے خدا کے کوئی نہ تھا، اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنے مصائب کی داستان سنائی۔

علامت و وفات..... ۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ ﷺ سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور

کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے فرمانے لگے، آہ! حذرہ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھنکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، آخر میں سر ڈھانک کر اذخر (ایک قسم کی گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابو عبد اللہ تم کو خوش ہونا چاہیے، کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے، یہ سن کر رقت طاری ہو گئی، فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے، مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔

وصیت اور وفات کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے لیکن انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ بیرون شہر دفن کرنا، اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا، آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی وفات کے وقت بہتر ۷۲ سال کی عمر تھی، حضرت علیؓ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے، خواب کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی، ۱۲ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۳۷ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۹ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعہ معاش زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک کمواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے، اسلام کا ابتدائی زمانہ بہت عسرت میں بسر ہوا، لیکن کچھ دنوں کے بعد خدا نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہیں رہی، وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔

فضل و کمال خواب کو آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کی لائمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ساری رات نماز پڑھی، یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آپ کو پوچھا، فدیت بابی و امی یا رسول اللہ، رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی، فرمایا وہ نیم ور جا کی نماز تھی، میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی، دو مقبول ہوئیں اور ایک نام مقبول ایک دعا یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس

۱۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۸ حضرت حمزہؓ کی عقیقہ کا واقعہ بخاری کتاب المغازی اور مسند ابن فضال ج ۵ ص ۱۰۹، میں

عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گزشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے، یہ دونوں دعائیں تو قبول ہو گئیں لیکن تیسری قبول نہیں ہوئی۔

ان کی مردیات کی مجموعی تعداد ۳۳ ہے، ان میں سے ۳ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں، ۲ صحابہؓ اور تابعینؒ میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور ابوامامہ باہلی، ابو معمر، عبداللہ بن شثیر، قیس ابن ابی حازم، ہسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیسؓ وغیرہ۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ

نام و نسب..... سنان نام، ابولایس کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، سنان بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن قشیر بن حزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم اقصیٰ۔

اسلام و ہجرت..... ارباب سیران کے زمانہ اسلام کے بارے میں خاموش ہیں، مگر اس قدر مسلم ہے کہ ۶ھ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کا شرف حاصل کیا اکثر مہاجرین نے مع بال بچوں کے ہجرت کی تھی، لیکن سلمہ نے راہ خدا میں بال بچوں کو بھی چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی۔ غزوات..... مدینہ آنے کے بعد قریب قریب تمام غزوات میں شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور خلعت امتیاز حاصل کیا، صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بیعت رضوان کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں سے موت پر بیعت لینا شروع کی تو سلمہ نے تین مرتبہ بیعت کی، پہلی مرتبہ سب سے اول جماعت کے ساتھ بیعت کر چکے تھے، دوبارہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا سلمہ! بیعت کرو، عرض کیا یا رسول اللہ! جاں نثار پہلے ہی بیعت کر چکا ہے، فرمایا کیا ہرج ہے دوبارہ سہی، اس وقت سلمہ نہتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک ڈھال عنایت فرمائی، تیسری مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ سلمہ! بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی یا رسول اللہ! دو مرتبہ بیعت کر چکا ہوں، فرمایا تیسری مرتبہ سہی، چنانچہ انہوں نے سہ بارہ بیعت کی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا سلمہ! ڈھال کیا کی؟ عرض کی کہ میرے چچا بالکل خالی ہاتھ تھے، ان کو دے دی، آپ نے ہنس کر فرمایا، تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے کہ اس نے دعا کی کہ خدایا! مجھ کو ایسا دوست دے جو مجھ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو، ابھی بیعت کا سلسلہ جاری تھا کہ اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی اور لوگ مطمئن ہو کر ایک دوسرے سے ملنے چلنے لگے، سلمہ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ رہے، اتنے میں چار مشرکین آئے اور ان کے قریب بیٹھ کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب ان کو ناگوار ہوئیں، یہ اٹھ کر دوسرے درخت کے نیچے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد چاروں ہتھیار اتار کر اطمینان سے یہ لیٹ گئے، ابھی لیٹے ہی تھے کہ کسی نے نعرہ لگایا، مہاجرین دوڑنا! بن زہم قتل کر دیئے گئے آوازن کر سلمہ نے ہتھیار سنبھال لئے اور مشرکوں کی

طرف لپکے، یہ سب سو رہے تھے، سلمہؓ نے ان کے اسلحہ پر قبضہ کر کے ان سے کہا خیر اسی میں ہے کہ سیدھے میرے ساتھ چلے چلو، خدا کی قسم! جس نے سر اٹھایا، اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا، چنانچہ ان سب کو کشاں کشاں لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، ان کے چچا عامر بھی ستر (۷۰) اکہتر (۷۱) مشرک گرفتار کر کے لائے تھے، لیکن رحمت عالم نے سب کو چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و هو الذی کف ابديہم عنکم و ابديکم عنہم بطن مکة من بعد

ان اظفرکم علیہم (فتح ۳)

اور وہ خدا ہی تھا، جس نے جین مکہ میں تم کو کافروں پر فتیاب کرنے کے بعد ان

کے ہاتھوں کو تھمت اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا۔

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ سے واپسی میں ایک پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہوا، مشرکین کی نیت کچھ بد تھی، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہو گئی اور پڑاؤ کی نگرانی کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ آپ نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کی جو پہاڑ پر چڑھ کر نگرانی کرے، سلمہؓ نے یہ سعادت حاصل کی اور رات بھر میں کئی مرتبہ پہاڑی پر چڑھ کر آہٹ لیتے رہے۔ غزوہ ذی قردہ..... آنحضرت ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قردہ کی چراگاہ میں چرتے تھے، ان کو بنو غطفان ہنکا لے گئے، سلمہؓ بن اکوع طلوع فجر کے قبل گھر سے نکلے، تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے غلام نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے اونٹ لٹ گئے پوچھا کس نے لوٹا، کہا بنو غطفان نے یہ سن کر آپ نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک آواز گونج گئی اور تن تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے، وہ پانی کی تلاش کر رہے تھے کہ سلمہؓ پہنچ گئے، یہ بڑے قادر انداز تھے، تاک تاک کر تیر برساتا شروع کر دیئے، تیر برساتے جاتے تھے اور یہ بڑ پڑھتے جاتے تھے۔

انساب الاکوع

البرم یوم الرضیع

میں اکوع کا بیٹا ہوں آج کا دن تخت جنگ کا دن ہے

اور اس قدر تیر باری کی کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا، اور بدحواسی میں اپنی چادریں بھی چھوڑ گئے، اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے، سلمہؓ نے عرض کیا، یا رسول! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا ہے، اگر ابھی ان کا تعاقب کیا جائے تو مل جائیں گے، لیکن رحمت عالم نے فرمایا کہ قابو پانے کے بعد درگزر کرو۔

خیبر..... اس بعد ہی خیبر کی مہم میں داد شجاعت دی، فتح خیبر کے بعد اس شان سے لوٹے کہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے۔

غزوہ ثقیف و ہوازن..... خیبر کے بعد غزوہ ثقیف و ہوازن میں شریک ہوئے اس غزوہ کے دوران میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس کو باندھ کر مسلمان کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا، اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا جائزہ لیا اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا، اس طرح اچانک آنے اور فوراً چلے جانے سے مسلمانوں کو جاسوسی کا شبہ ہوا، ایک شخص نے اس کا تعاقب کیا، سلمہؓ نے بھی پیچھا کیا، اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا، اور نگوار کا ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں وہ ڈھیر ہو گیا اور ایک سواری پر قبضہ کر کے واپس ہوئے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا، اس شخص کو کس نے قتل کیا، لوگوں نے عرض کیا سلمہؓ نے، فرمایا تو مقتول کا سب سامان ان کا ہے۔

سریہ مکنی کلاب..... ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابو بکرؓ کی امارت میں بنو فزارہ کی طرف بھیجا، اس میں سلمہؓ بھی تھے، انہوں نے تنہا سات خانوادوں کو تہ تیغ کیا، جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان کی عورتوں کو گرفتار کر لیا، ان میں ایک لڑکی نہایت حسین تھی، اسے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سلمہؓ کو دے دیا، وہ جب اسے لے کر مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، سلمہ! یہ لڑکی میرے حوالہ کر دو، عرض کی یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک اس کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور لڑکی لا کر حاضر کر دی، آنحضرت ﷺ نے اس کو مکہ بھیج کر اس کے بدلہ میں ان چند مسلمانوں کو آزاد کر لیا جو کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔

غزوات کی مجموعی تعداد..... اسلئے کے بعد بیشتر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۴ غزوات میں انہوں نے شرکت کی، ان میں سے سات میں آنحضرت ﷺ کی ہر کابی کا شرف حاصل ہوا اور سات وہ تھے جو آنحضرت ﷺ نے مختلف اطراف میں بھیجے اور مستدرک کی روایت کے مطابق ان غزوات کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔

وفات..... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے برابر مدینہ میں رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں سکونت اختیار کر لی، وہاں شادی کی اور اولادیں ہوئیں بروایت بخاری ۱۷ھ میں پھر مدینہ واپس ہوئے، واپسی کے دو ہی چاروں کے بعد وفات پائی اور گھوم پھر کر بالآخر دیار حبیب کی خاک کا پیوند ہوئے۔

فضل و کمال..... حضرت سلمہؓ شرف محبت سے بھی فیضیاب تھے، اور غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا اور حاشیہ نشینان بارگاہ نبوت سے بھی استفادہ کرتے تھے، چنانچہ رسول ﷺ کے علاوہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور سلمہؓ سے بھی روایتیں کی ہیں، اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۷۷ تک پہنچ جاتی ہے جن میں سے ۱۶ متفق علیہ ہیں، اور ۵ میں بخاری اور ۹ میں امام مسلم منفرد ہیں، ان کے روات میں ایسا بن سلمہ، یزید بن عیینہ، عبد الرحمن بن عبد اللہ اور محمد بن حنفیہ قابل ذکر ہیں۔ ۲

انفاق فی سبیل اللہ..... خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت فیاض تھے، جو شخص خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا اس کو کبھی ناکام نہ واپس کرتے اور فرماتے کہ جو شخص راہ خدا میں نہیں دے گا، پھر کس میں دے گا، لیکن خدا کا واسطہ دے کر مانگنے کو برا سمجھتے تھے اس میں الحاف ہے۔ ۳ صدقات سے اجتناب..... مگر اپنی ذات کے لئے صدقہ کا مال حرام سمجھتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا شائبہ بھی ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے، چنانچہ اپنی صدقہ کی کوئی چیز دوبارہ قیمت خریدنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ۴

شدت احتیاط..... تمام ادا و انوائی میں احتیاط کا یہی حال تھا، چنانچہ بعض ایسے کھیل جن میں جوئے کی مشابہت کا شائبہ نکلتا تھا اپنے بچوں کو نہ کھیلنے دیتے تھے۔ ۵ شجاعت..... شجاعت و بہادری خصوصاً پیدل تیز دوڑنے میں تمام صحابہ میں ممتاز تھے صاحب اصابہ لکھتے ہیں کان من الشجعان و یسوق الفرس عدو، یعنی وہ بہادروں میں سے ایک تھے، اور دوڑ میں گھوڑوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان سے آگے بڑھ جاتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہتر سواروں میں ابو قحافہؓ اور بہتر پیادوں میں سلمہ بن اکوعؓ ہیں، اس تعریف کے بعد آپ کو دو حصے دیئے، سوار کا الگ اور پیدل کا الگ۔ ۶

حضرت ابن ام مکتومؓ

نام و نسب حضرت ابن ام مکتوم کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کا اصلی نام بالکل چھپ گیا چنانچہ ارباب سیر نے ان کے مختلف نام لکھے ہیں، بعض عبد اللہ کہتے ہیں اور بعض عمرو بتاتے ہیں، باپ کا نام فیس تھا، لیکن ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن قیس بن زائد بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عدی ابن معیص بن عامر بن لوئی القرشی، ماں کا نام عاتکہ تھا، نانہالی حجرہ عاتکہ بنت عبد اللہ ابن عمنکہ بن عامر بن مخزوم ہے۔

اسلام ابتدائے بعثت میں سرزمین مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، ابن ام مکتومؓ کو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے، مگر چشم دلوا تھی، اس لئے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور ذات نبویؐ سے ایک خاص قرب و اختصاص حاصل ہو گیا، چنانچہ اکثر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے مکہ کے مغرور امراء اور روساء بھی مجلس نبویؐ میں آیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں، آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے روساء دعوت قبول کر لیں، اس لئے آپ ان کی خاطر داری کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ روسائے قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتومؓ آ گئے، اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کر دیئے آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لئے ناگوار ہوئی کہ اس سے روسائے قریش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے تکدر پیدا ہوتا، اس لئے ابن مکتومؓ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلہ گفتگو جاری رکھا، آنحضرت ﷺ کا طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوت اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عَسَىٰ وَتَوَلَّىٰ، اِنْ جَاءَ هَ الْاَعْمٰی، و مَا یَدْرِیْکَ لَعَلَّہُ بَزَکِی، او
بِذَکَرٍ فَتَنْفَعُہُ الذِّکْرٰی اَمَا مِنْ اَسْتَفْنٰی فَانْتَ لَہُ تَصَدٰی وَ مَا عَلَیْکَ الْا
بَزَکِی وَ اَمَا مِنْ جَانِکَ یَسْمَعِی وَ هُوَ یَخْشٰی فَانْتَ عَنْہُ نَلْہٰی۔ (۱۰۱)

محمد جب تمہارے پاس تاہینا آیا تو تم ترش رو ہوئے اور منہ موز لیا اور تم کیا جانو
کہ عجب نہیں وہ تمہاری تعلیم سے پاک ہو جائے یا نصیحت سنے اور اسکو وہ نصیحت

فائدہ بخشے، لیکن جو شخص بے توجہی کرتا ہے اس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ درست نہ ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور جو تمہارے پاس خدا کے ڈر سے دڑتا ہوا آتا ہے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتومؓ کا لحاظ رکھتے تھے، اور کاشانہ نبوی میں ان کی بڑی خاطر مدارات ہوتی تھی، حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو لیموں اور شہد کھلایا کرتی تھیں کہ نزول آیت کے بعد یہ ابن ام مکتومؓ کا روزینہ تھا۔ ہجرت..... اذان ہجرت کے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی، آپ کی ہجرت کے بعد موزنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے، رمضان میں ان کی اذان اختتام سحر کا اعلان ہوتی تھی، اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کر دیتے تھے۔

غزوات..... ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابن ام مکتومؓ اپنی مجبوری کے باعث جہاد کی شرکت سے معذور رہا کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(نساء: ۹۵)

یعنی وہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے تھے وہ رتبہ میں مجاہدین

فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ کا تب وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کو لکھانے لگے تو ابن ام مکتومؓ بھی پہنچ گئے اور عرض گزار ہوئے یا رسول اگر مجھ کو جہاد کرنے کی قدرت ہوتی اور اس کے لائق ہوتا تو میں بھی شرف جہاد حاصل کرتا ان کی یہ پر حسرت آرزو بارگاہ خداوندی میں اتنی پسند ہوئی کہ وحی الہی نے ان کو اور ان کے جیسے تمام مجبور اشخاص کو حکم کے ذریعہ سے

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولَى الصُّورِ وَ

الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ (نساء: ۹۵)

یعنی ضرور سیدہ لوگوں کے علاوہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ مرتبہ

میں ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔

مستثنیٰ کر دیا، اور تمام مجبور اشخاص پر سے شرکت جہاد کا فرض ساقط ہو گیا، لیکن اس حکم

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۳

۲۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۰

۳۔ بخاری کتاب الاذان باب اذان قبل الفجر

۴۔ بخاری کتاب التفسیر باب لا يستوي القاعدون

سے ان کا ولولہ جہاد کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا، چنانچہ نابینا ہونے کے باوجود کبھی کبھی جنگ میں شریک ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو علم دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو، میں نابینا ہوں، اس لئے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اللہ اللہ یہ جوش فدائیت و جاں نثاری کہ ظاہری آنکھیں بے نور ہیں، ایک قدم چلنا مشکل ہے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ میں کٹنے کے لئے رگ جاں تڑپ رہی ہے، درحقیقت یہی وہ کمال اخلاص تھا، جس نے ذات خداوندی کو متوجہ کر لیا تھا، اور یہی ولولہ تھا جس نے اسلام کی قوت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا تھا۔

گو حضرت ابن ام مکتومؓ اپنی معذوری کے باعث اکثر جہاد کے شرف سے محروم رہتے تھے، لیکن اس سے بڑھ کر شرف یہ حاصل ہوتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس اکابر مہاجرین و انصار کے ساتھ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو ابن ام مکتومؓ کو جو معذوری کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہتے تھے، امامت کی نیابت کا شرف عطا فرماتے تھے، چنانچہ غزوہ ابوار، ابواط، ذوالعسیر، جبینہ، سوتی، غطفان، حراء، الاسد، نجران، ذات الرقاق وغیرہ میں ان کو یہ جلیل القدر منصب عطا ہوا، بدر میں بھی کچھ دنوں اس منصب کے حامل رہے لیکن چند روز کے بعد یہ شرف ابولبابہ کی جانب منتقل ہو گیا، مجموعی حیثیت سے ان کو ۱۳ مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ وفات آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے خلافت فاروقی کے اختتام تک ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں، صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں علم بلند کیے، زورہ بکتر لگائے میدان کارزار میں کھڑے تھے، واقدی کے بیان کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، لیکن زبیر بن بکار کی روایت کی رو سے قادسیہ میں شہادت پائی، یہ اکثر ارباب سیر اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

جماعت کی حاضری نابینا تھے، مسجد نبوی سے گھر دور تھا، راستہ میں جھاڑیاں پڑتی تھیں کوئی راہ نما بھی نہ تھا، ان تمام دشواریوں کے باوجود ابن ام مکتومؓ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی، لیکن اذان اور اقامت کی آواز ان کے گھر تک جاتی تھی، اس لئے آپ نے اجازت نہ دی، چنانچہ اسی حالت میں چھڑی سے نٹو لٹے نٹو لٹے مسجد آتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ان کو رہنماد دیا تھا۔

فضل و کمال حضرت ابن ام مکتومؓ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز تو یہی ہے کہ ان کو

۱۔ اسباب و انتساب ترجمہ ابن ام مکتوم

۲۔ الحدائق جلد ۲ ص ۱۳

۳۔ تہذیب الکمال ص ۲۸۹

۴۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۵۶ و اسد جلد ۲ ص ۱۸۸

۵۔ ابن سعد حوالہ مذکور

۱۳ مرتبہ رسول اللہ کی نیابت کا اعزاز ملا، جس میں وہ مسجد نبوی کی امامت کرتے تھے، اس کے علاوہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور مدینہ آنے کے بعد لوگوں کو قرأت سکھاتے تھے، آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے احادیث سے بھی ان کا دامن خالی نہ تھا، چنانچہ ان سے انس اور زر بن حبیش نے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت بریدہ بن حصیبؓ

نام و نسب..... بریدہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے کہ بریدہ بن حصیب بن عبد اللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلمان بن اسلم السلمی۔

اسلام..... بریدہ عین زمانہ ہجرت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب مرکز نبوت مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن میں مدینہ میں منتقل ہونے لگا اور کوکہ نبویؐ غنیم پہنچا تو یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اسلام پیش کیا بریدہ نے بلا پس و پیش قبول کر لیا، ان کے ساتھ بنو اسلم کے ۸۰ خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، پھر کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔

ہجرت اور غزوات..... بدر واحد کے معرکہ کے ان کے وطن کے قیام کے زمانہ میں ختم ہو چکے تھے، غالباً ۶ھ یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا، اور سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا، ۳ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا، اس میں یہ پیش پیش تھے، چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا پہلے دن ابو بکرؓ نے علم لیا، لیکن فتح نہ کر سکے، دوسرے دن پھر یہی ہوا، لوگ بہت تھک چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا، جس کو خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ فتح کر کے لوٹے گا، لوگ بہت خوش ہوئے کہ کل یہ مہم سر ہوگی، دوسرے دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ کر علم منگوایا، لوگ اپنی اپنی صفوں میں تھے، پھر علیؓ کو طلب فرمایا، ان کو آشوب چشم کی شکایت تھی، آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگا کر علم مرحمت فرمایا اور ان ہی کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی، اس میں بھی یہ ہمراہ تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آنحضرت ﷺ نے کئی نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔ ۵ھ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں جو سریہ یمن بھیجا تھا، بریدہ بھی

اس میں ساتھ تھے، بعد کو پھر اسی مقام پر حضرت علیؑ کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ایک جماعت بھیجی گئی اور پوری فوج کی امارت حضرت علیؑ کو تفویض ہوئی جنگ کے بعد آپ نے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی خمس میں اپنے لئے مخصوص کر لی، حضرت بریدہؓ کو یہ بات پسند نہ آئی، انہوں نے لوٹ کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے سن کر فرمایا بریدہؓ کیا تم کو علیؑ سے کینہ ہے، انہوں نے صفائی سے اس کا اقرار کیا، فرمایا، ان سے کینہ نہ رکھو، ان کو خمس میں اس سے زیادہ کا حق ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا بریدہؓ! کیا مومنین پر میرا حق خود ان کی ذات سے مقدم نہیں ہے، عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا! جس کا میں مولی ہوں علیؑ بھی اس کا مولی ہے، حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سن کر میری ساری شکایت حضرت علیؑ سے جاتی رہی اور ان سے اتنی محبت ہو گئی جو کسی دوسرے سے نہیں تھی۔ ۳۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جس قدر غزوات بھی ہوئے، بریدہؓ تقریباً سب میں شریک تھے، ان کے غزوات کی مجموعی تعداد سولہ ہے، آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں اسامہ کی زیر سرکردگی جو سریہ شام بھیجا تھا، اس میں بھی یہ شریک اور سریہ کے علمبردار تھے۔ ۴۔
آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر دیار حبیب میں رہے، آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ آباد ہوا تو دوسرے صحابہ کے ساتھ یہاں منتقل ہو گئے اور یہیں مستقل گھر بنا لیا۔ ۵۔

ان کی رگ رگ میں جہاد کا خون دوڑتا تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ زندگی کا مزہ گھوڑے کدانے میں ہے، بے اسی جذبہ و ولولہ کی بنا پر خلفاء کے زمانہ میں بھی مجاہدانہ شریک ہوتے تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی، اس میں آپ کی تلوار نے اپنے جوہر دکھائے۔

مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، چنانچہ شیخین کے بعد جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ شدت احتیاط کی بنا پر ان لوگوں کے بارے میں جو اس میں شریک تھے کوئی رائے بھی نہ قائم کرتے تھے، ایک شخص نے حضرت علیؑ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے ان کے سامنے

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ باب ۱۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ۳۵۰

۲۔ مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۳۴۵

۳۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ۳۵۰

۴۔ بخاری کتاب المغازی باب ۱۱ میں فرمایا: ۳۵۰

۵۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۶

۶۔ ابن سعد ج ۲ ص ۲۶

ان بزرگوں کا تذکرہ کیا، بریدہؓ فوراً قبلہ رو ہو کر دست بدعا ہو گئے کہ خدایا! علیؑ کی مغفرت فرما، عثمانؓ کی مغفرت فرما اور زبیرؓ کی مغفرت فرما پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھ کو میرا قاتل معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا حاشا میں قاتل کیوں ہونے لگا، اس استفسار سے میرا یہ مقصد تھا، فرمایا ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ چاہے گا تو ان کی نیکیوں کے بدلہ میں بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی غلطیوں کی سزا میں عذاب دے گا۔

وفات یزید کے عہد حکومت میں ۶۳ھ میں وفات پائی، دولہ کے یادگار چھوڑے، عبد اللہ اور سلیمان۔

فضل و کمال فضل و کمال کے اعتبار سے بھی عام صحابہ کی جماعت میں ممتاز ہیں، احادیث نبویؐ کی کافی تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ان کی مرویات کا شمار ۱۶۴ حدیثوں تک پہنچتا ہے، اس میں ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں، ۳۱ ان کی مرویات تمام تر براہ راست زبان نبوت سے منقول ہیں، ان کے علاوہ میں ان کے صاحبزادے عبد اللہ اور سلیمان اور دوسرے لوگوں میں عبد اللہ بن عوس خزاعی، شعبی اور لیث بن اسامہ قابل ذکر ہیں۔ ۳۲

عام حالات حضرت بریدہؓ کو بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی حاصل تھی، حضورؐ انور ان سے بے تکلفانہ ملتے تھے، کبھی کبھی آنحضرت ﷺ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے، ایک مرتبہ یہ کسی ضرورت سے کہیں جا رہے تھے، راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہو گئی آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔ ۳۳

حق گوئی حق گوئی ان کا خاص وصف تھا، اور وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلہ میں بھی کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے، ایک شخص بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا، بریدہؓ نے کہا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں، حضرت معاویہؓ سمجھے یہ بھی پہلے شخص کی طرح مجھے سراہیں گے، کہا شوق سے فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میں روئے زمین کے کنگر، پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا، معاویہؓ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علیؑ نہیں ہیں؟ ۵۹ (غالباً پہلا شخص حضرت علیؑ کی مذمت کر رہا تھا، اور معاویہؓ بریدہؓ کی زبان سے بھی یہی سننا چاہتے تھے)

فرمان نبویؐ پر عمل آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ایک مرتبہ جو سن لیا، وہ حرز جان بن گیا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ڈھال

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۷۶

۲ تہذیب الکمال ص ۴۷

۳ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۵۰

۵۱ احصا ص ۳۴

۳۲ تہذیب المعجم ج ۱ ص ۴۳۳

کی طرح چوڑے چوڑے اور چھوٹی آنکھ والی قوم تین مرتبہ ہنکائے گی یہاں تک کہ اس کو ہنکاتے ہنکاتے جزیرۃ العرب کے اندر محدود کر دے گی، اس کے پہلے بلہ میں جو لوگ بھاگ جائیں گے، وہ بچ جائیں گے، دوسرے بلہ میں بعض بچیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے، تیسرے بلہ میں سب کے سب اس آگ میں پڑ جائیں گے لوگوں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا ترک، پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ اپنے گھوڑوں کو مسلمانوں کی مسجدوں کے ستونوں سے باندھیں گے، اس ہولناک پشتگوئی کے بعد یریدہ ہمیشہ دو تین اونٹ زاد سفر اور پانی پینے کا برتن ساتھ رکھتے تھے کہ جیسے ہی یہ وقت آئے فوراً اس عذاب سے بھاگ نکلیں۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی

نام و نسب طفیل نام، ذوالنور لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، طفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبد اللہ بن زہران بن کعب ابن حارث بن نصر بن اذ ذر دی۔

دوس کے قبیلے سے تھے، اس لئے دوسی کہلاتے تھے، یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصہ طاقتور تھا، ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا، حضرت طفیلؓ اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھے اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

مکہ کا سفر جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ مکہ میں دعوت اسلام فرما رہے تھے، اس زمانہ میں طفیلؓ کا مکہ آنا ہوا، قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس آنے سے روکتے تھے، ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لئے ازراہ خیر خواہی تم کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، نہیں معلوم اس کی زبان میں کیا سحر ہے، جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے، ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائے، اس لئے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو، غرض ان لوگوں نے طفیلؓ کو سب قشیب و فراز سمجھا کر آنحضرت ﷺ کی ملاقات سے روک دیا طفیلؓ نے اس خیال سے کہ مبادہ آنحضرت ﷺ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، دونوں کانوں میں روٹی ٹھونس لی۔

اسلام اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گزرے، اس وقت آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، اس لئے تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوئیں اور کچھ آیتیں ان کے کان تک پہنچ گئی یہ کمڑے ہو کر سننے لگے، تو اس میں بڑی دلاوری معلوم ہوئی، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں بھی کیا وہی ہوں، میں خود اچھا شاعر ہوں، کلام کے محاسن و معائب کو سمجھ سکتا ہوں، پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں، اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بکل نہ کرنا چاہیے اور اگر ناقابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں، غرض اس طرح دل کی تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنی، یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن و فصیح کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا جب تک آنحضرت

ﷺ نماز پڑھتے رہے، طفیل گوش ہوش سے سنتے رہے، ادھر آپ نے نماز ختم کی، ادھر طفیل کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور وہ بے اختیار انہ آپ کے پیچھے پیچھے چلے، کاشانیہ اندس پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا اس خوف سے میں نے کانوں میں روٹی رکھ لی تھی کہ آپ کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں، لیکن خدا کو سنانا منظور تھا، اس لئے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی، اب آپ اپنی تعلیمات سنائیے، آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں، طفیل سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا، خدا کی قسم آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا، میں بطیب خاطر اس مذہب حق کو قبول کرتا ہوں۔

وطن کی واپسی..... اسلام لانے کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سربراہ اور وہ شخص ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوت اسلام دوں، آپ فرمائیے کہ خدا اس کا خیر میں میری مدد کرے، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اور دعا فرمائی گھر پہنچے تو والد ملنے آ گئے، کہا قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے، اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے کہا کیوں! کہا میں دین اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کا طوق غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں، اس لئے آپ سے کوئی واسطہ باقی نہیں رہا، باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی، بولے بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا، چنانچہ اسی وقت جواب دیا، جو پہلے والد کو دے چکے تھے، بیوی نے کہا میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں، مجھے بھی اس نعمت میں شریک کرو، چنانچہ ان کو بھی مشرف باسلام کیا، گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس میں آواز بے اثر رہی تو مکہ واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میرا کہنا نہیں مانتی، آپ اس کی ہدایت کے لئے دعا فرمائیے، آپ نے دعا فرمائی کہ ”خدا یا! دوس کو ہدایت دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما“ دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ نری اور آجستگی کے ساتھ جا کر اسلام کی طرف مائل کرو، چنانچہ وہ سب ارشاد نبوی دوبارہ گھر لوٹ کر تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کی دعا برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتد بہ تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔

آنحضرت کو اپنے قلعہ میں چلنے کی دعوت دینا..... دائرہ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مشرکین کا مکہ کا جو رستم بھی بڑھتا جاتا تھا، اور ذات نبوی کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو پاک نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنالیا تھا، دوس میں ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، طفیل نے آنحضرت ﷺ کو اپنے اس قلعہ میں منتقل ہو جانے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لی، لیکن یہ فخر انصار کے لئے مقدر ہو چکا

تھا، اس لئے آپ نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔

ہجرت..... اس درمیان میں آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں بھی ختم ہو گئیں، اور خیبر کی تیاریاں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیل تقریباً ۸۰ گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، لیکن آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے اس لئے یہ پورا قافلہ بھی وہیں روانہ ہو گیا۔

غزوہ..... اور یہ سب کے سب غزوہ خیبر میں شریک ہوئے اور طفیل کی خواہش پر آنحضرت ﷺ نے دوسیوں کو خیبر شکن فوج کے میمنہ پر مقرر کیا، اس کے بعد سے پھر فتح مکہ تک آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

سریہ ذوالکفین..... اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے شرف باسلام ہو چکے تھے، تاہم بدتوں کے بعد عقائد و فتنے نہیں بدل سکتے تھے، چنانچہ ذوالکفین نامی بت کا منہم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے، لیکن طفیل کا موحد دل دوس کے دامن پر شرک کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارا کر سکتا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ مجھ کو ذوالکفین گرانے کی اجازت مرحمت ہو، آپ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ کچھ دوسیوں کو لے کر گئے اور بتکدہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگا دی اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے

یا ذالکفین لست من عباد کا

میلادنا اقدم من میلاد کا

السی حشنت لنا فی فساد کا

اے دو ہاتھوں والے بت! اب میں تیرے پرستاروں میں نہیں ہوں، میری

پیدائش سے قدیم ہے، میں نے تیرے قلب میں آگ بھردی۔

غزوہ طائف..... یہاں سے لوٹتے وقت دوس کے اور چار سو آدمی مع ساز و سامان کے ساتھ ہو گئے اور سب طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ طائف میں شریک ہوئے ان کا دستہ الگ تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارا علم کون اٹھائے گا، طفیل نے عرض کی، نعمان بن ہار یہ بدتوں سے اس قبیلہ کے علمبردار ہیں، اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ رائے پسند فرمائی۔

طائف کی واپسی کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مستقل طور سے رہنے لگے اور

۱۔ مسلم جلد ۵۸ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر،

۲۔ ابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۶۷۱ و استیعاب ج ۱ ص ۲۱۸،

۳۔ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۱۷۶

۴۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۳

تاوقات نبوی آپ کے قدموں سے جدا نہ ہوئے۔

فتنہ ارتداد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور طلحہ و نجد کے فتنوں سے فراغت کے بعد

یمامہ میں شریک ہوئے، اور اچھے میں اسی میں جام شہادت پیا۔

اولاد..... اولاد میں صرف ایک لڑکے عمرو کا نام معلوم ہے، یہ بھی یمامہ کی جنگ میں شریک تھے اور یرموک کے معرکہ میں شہادت حاصل کی۔

فضل و کمال..... حضرت طفیلؓ مذہبی علوم میں کوئی مرتبہ حاصل نہ کر سکے، اس کا سبب یہ تھا

کہ وہ ابتدا میں مدینہ میں رہنے کے بجائے اپنے وطن میں اسلام کی دعوت کا فرض ادا کرتے رہے

لیکن فضل و کمال کا یہ باب بھی کچھ کم نہیں کہ آپ کی کوششوں سے قبیلہ دوس مشرف باسلام ہوا،

البتہ شاعر کی حیثیت سے ممتاز تھے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ

نام و نسب عقبہ نام، ابو عمر و کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودود بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔
حضرت عقبہؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب کوکبہ نبوی منقل ہوا تو عقبہؓ بکریاں چرا رہے تھے آپؐ کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی مجھ سے بیعت لیجئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔

عہد خلفاء غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، عہد فاروقی میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، دمشق کی فتح کا معرکہ حضرت عمرؓ کے پاس بھی لائے تھے، ۳۲ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے اور انہی کی حمایت میں لڑے، مصرف پر تسلط کے بعد انہوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا اور نماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا۔

۳۷ھ میں امیر معاویہؓ کی ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران میں معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ مسلمہ کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔
وفات زمانہ وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، بہ روایت صحیح ۵۸ھ میں وفات پائی۔
فضل و کمال علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عقبہؓ ممتاز شخصیت رکھتے تھے، قرآن حدیث فقہ، فرائض اور شاعری سب میں امتیازی پایہ تھا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں عقبہؓ فقیہ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر، فصیح اللسان، شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔

قرآن کی تلاوت سے خاصا ذوق تھا اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے، بعض سورتیں خود زبان وحی والہام سے سیکھی تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے قدموں سے چمٹ گئے کہ یا رسول اللہ مجھ کو سورہ ہود و یوسف پڑھائیے، اس ذوق و شوق نے ان کو قرآن کا قاری بنادیا تھا، ایک قرآن انہوں نے خود مرتب کیا تھا، اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۳

۲۔ ابن سعد جز ۴، قسم ۲ ص ۶۶، اصحابہ پہ تذکرہ ابن عامر

۳۔ کتاب الولاۃ کندی ص ۴۷

۴۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۶

۵۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۴۸۹

۶۔ ابن سعد جز ۴، قسم ۲ تذکرہ ابن عامر

تھی، یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا، اور اس کے اخیر میں عقبہ کے دست و قلم کی لکھی ہوئی تحریر موجود تھی، ”قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھوں سے لکھا“۔

حدیث..... احادیث نبوی سے بھی تمہی دامن نہ تھے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے ان میں سے ۷ متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں، ۱۱ گوان کے علم کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت کم ہے، لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کر کے ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے، حضرت ابو ایوبؓ صرف ایک حدیث سننے کے لئے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس گئے، حضرت ابن عباسؓ جو حمیر الامہ تھے، عقبہ سے خوشی چینی کرتے تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی، ان میں امامہ، قیس بن ابی حازم، جبیر بن نفیر، حجاج بن عبد اللہ، جنی، دھین بن عامر، ربیع بن خراش، عبد الرحمن ابن شماسہ، علی بن رباح قابل ذکر ہیں، ۱۱ فقہ میں بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔

شاعری..... مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت و شاعری میں بھی دخل تھا، خود بھی خوش گو شاعر تھے۔ ۱۱

اخلاق..... عقبہؓ کو بلند پایہ صحابی تھے، لیکن مذہبی ذمہ داری سے بہت گھبراتے تھے، وہ اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہدہ پر رہ چکے تھے، لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے لگے تھے، ابو علی ہمدانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں، اس لئے آپ نماز پڑھائیے، فرمایا نہیں! میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فرد گذاشت ہوئی تو امام مایخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔ ۱۱

حرمت رسول..... آقائے نامدار ﷺ کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوتی تھی، کان صاحب بغلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہاء۔ ۱۱

اس خدمت و رفاقت کے طفیل میں ان کو بڑے قیمتی دینی فوائد حاصل ہوتے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری اقدس کھینچ رہا تھا، آپ نے فرمایا، عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بناتا ہوں، میں

نے عرض کی ارشاد ہو، فرمایا، قل اعوذ ب الفلق اور قل اعوذ ب الناس ۱۔
احترام نبوی..... ذات نبوی کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر بیٹھنا بھی
سوء ادب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سفر میں ملو ضہ خدمت انجام دے رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ
نے سواری بٹھادی اور خود اتر کر فرمایا عقبہ! اب تم سوار ہو لو عرض کی سبحان اللہ یا رسول اللہ! میں
اور آپ کی سواری پر سوار ہوں! دوبارہ پھر آپ نے حکم دیا، انہوں نے وہی عرض کی، جب زیادہ
اصرار بڑھا تو الامرفوق الادب کے خیال سے بیٹھ گئے اور سرکارِ دو عالم ان کی جگہ سواری کھینچنے کی
خدمت انجام دینے لگے۔ ۲

عیب پوشی..... عیب پوشی عقبہ کا شیوہ تھا، کسی کی برائی کا اعلان کرنا بہت برا سمجھتے تھے ایک
مرتبہ غلام نے آکر عرض کی کہ ہمارے ہمسائے شراب پیتے ہیں، فرمایا جانے دو، کسی پر ظاہر نہ
کرنا، اس نے کہا میں محسب کو خبر کر دوں گا، فرمایا بڑے افسوس کا مقام ہے، جانے بھی دو میں
نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی، اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔ ۳
سپاہیانہ فنون سے ذوق..... سپاہیانہ فنون سے بڑی دلچسپی تھی، تیر اندازی کا بڑا ذوق تھا،
اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، ایک مرتبہ خالد بن ولیدؓ کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ
میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کر
تا ہے، اس کے بنانے والے کو، خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو،
حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تمام کھیلوں میں صرف تین کھیل جائز ہیں، تیر اندازی، گھوڑے کی تا
ویب اور اپنی بیوی سے ہنسی دل لگی کرنا، جس نے تیر اندازی سیکھ کر بھلا دی اس نے بڑی نعمت کھو
دی۔ ۴

اس دلچسپی کی بنا پر ان کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا، چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس
ستر کمانیں تھیں، دوسرے لوازم اس کے علاوہ تھے، یہ سارا ذخیرہ خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔ ۵
سادگی..... عقبہؓ کو فارغ البال تھے، غلام بھی پاس تھے، لیکن غایت سادگی کی بنا پر اپنا کام
آپ کرتے تھے۔

حضرت عمیر بن وہبؓ

نام و نسب عمیر نام، ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن وہب بن خلف ابن وہب بن حذافہ بن نجح، ماں کا نام ام خلیلہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے ام خلیلہ بنت ہاشم بن سعید بن سہم قرشی۔

قبل اسلام عمیر قریش کے سربر آورہ اور بہادر لوگوں میں تھے، قبول اسلام کے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی نکلے تھے، مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی، ابن سعد کا بیان ہے "و قد کان حو یصا علی رد فو یش عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدر"۔ لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لئے کہا کہ ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں، جو پیاس سے بھی نہیں مرتے، ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں، اس لئے ان روشن و تاباں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے، انصار نے جواب دیا، یہ خیال چھوڑ دو، اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو۔ جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہو گئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے ایک دن عمیر اور سرخیل مشرکین صفوان بن امیہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، صفوان نے کہا بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہو گئی، عمیر نے کہا بالکل سچ ہے، واللہ! لطف زندگی جاتا رہا، اگر مجھ پر قرض اور اہل و عیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمدؐ کے قتل کی کوشش کرتا صفوان یہ سن کر پھولا نہ سمایا، بولا یہ کوئی بڑی بات ہے، تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل و عیال کی پرورش بھی کروں گا اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا، اس میں ایک سم آلود تلواریں بھی تھیں اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا مدینہ پہنچے اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلواریں لئے ہوئے سیدھے آنحضرت ﷺ کی طرف چلے، حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے،

وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یا رسول اللہ! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجئے گا، فرمایا اچھا ان کو لے آؤ، حضرت عمرؓ چند اشخاص کو آنحضرت کی حفاظت کے لئے متعین کر کے خود عمیر کو لانے چلے گئے، وہ تلواریں لئے ہوئے داخل ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو ہٹا دیا، عمیرؓ نے سلام و علیک کی جگہ ”انعموا صباحا“ چاہلیت کا سلام کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ عز و جل نے تمہارے طریقہ تہیہ سے ہم کو مستغنی کر دیا اور ہمارا طریقہ تہیہ سلام متعین کیا ہے، پھر پوچھا کیسے آتا ہوا عمیرؓ نے کہا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، یہ تلواریں کیسی گلے میں آویزاں ہیں، کہا ان تلواروں کا براہو، یہ ہمارے کس کام آئیں، اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا، اس لئے لٹکی رہ گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا، سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آگئے ہو کہا صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لئے، فرمایا تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی، اس سوال پر عمیرؓ بہت گھبرائے اور کہا میں نے کیا شرط کی تھی فرمایا ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا۔ اسلام..... یہ سنتے ہی حالت بدل گئی، جس زبان سے آنحضرت ﷺ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے، اسی زبان سے بے اختیار اشہد انک رسول اللہ و اشہدان لا الہ الا اللہ نکل گیا۔ قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ، اور ان کے قیدی چھوڑ دو، چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔ ۲

مکہ کی واپسی اور اشاعت اسلام..... مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا، اور قریش سے کہتا پھرتا تھا، کہ میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناتا ہوں جس کے بعد بدر کی شکست کا غم بھول جائے گا اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا (یعنی آنحضرت ﷺ کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار کرنے نکلا تھا، وہ خود شکار ہو گیا، یعنی عمیر مسلمان ہو گئے، اس خبر سے بہت سچ و تاب کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیر سے نہ بولوں گا، اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا، تمام مشرکین نے عمیرؓ کے اسلام پر اظہار ملامت کیا، اس درمیان میں عمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر اشاعت اسلام کا فرض انجام دوں، شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے آپ نے منظور فرمایا اور عمیرؓ نے مکہ میں آکر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئی۔ ۳

ہجرت وغزوات..... مکہ میں عرصہ تک تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دیتے تھے، پھر احد کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور احد، تبوک، فتح مکہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے

ہم رکاب رہے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔
 عہد خلفاء..... آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں مہمات امور میں
 برابر شریک رہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی اور
 ابتدائی فتوحات کے بعد اسکندریہ کی تسخیر میں زیادہ دیر لگی، تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار امدادی فوج
 چار امراء کی سرکردگی میں بھیجی، ان میں ایک عمیرؓ بھی تھے، ۲ اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ حملہ کے
 وقت ان چاروں کو آگے آگے رکھنا، چنانچہ ان ہی چاروں کی کوششوں سے اسکندریہ کی مہم سر
 ہوئی، اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے متفرق چھوٹے چھوٹے مقامات کی تسخیر کے
 لئے علیحدہ علیحدہ افسر متعین کیے تھے، اس سلسلہ میں عمیرؓ نے بہت سے مقامات فتح کیے، تملیس،
 ومیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دہلہ، بیتا اور بوسیر وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ۳
 وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت زید بن خطابؓ

نام و نسب..... زید نام، ابو عبد الرحمن کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ قرشی عدوی۔

ماں کا نام اسماء تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، اسماء بنت وہب بن حبیب اسدی، آپ حضرت عمرؓ کے سوتیلے بھائی اور عمرؓ میں ان سے بڑے تھے۔

اسلام و ہجرت..... گو ابتداء میں خطابؓ کا گھر حضرت عمرؓ کو سختیوں کے باعث اسلام کی دشمنی سے تیر و تار ہو رہا تھا، لیکن حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ سے بہت پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے، اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت کی تھی، اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان میں اور معن بن عدی عجلانی میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا، پھر احد میں شریک ہوئے، غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کر دیا تھا، میدان جنگ میں ننگے بدن گئے، حضرت عمرؓ کو ان سے بڑی محبت تھی، انہوں نے قسم دلا کر اپنی زرہ پہنا دی لیکن طالب شہادت کے لئے زرہ عار تھی، تھوڑی دیر پہن کر اتار دی اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا، حضرت عمرؓ نے سب پوچھا، فرمایا تمہاری طرح مجھ کو بھی جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔

احد کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے موت پر بیعت لینا شروع کی تو فداکارانہ جانبازدوں کی فہرست میں نام لکھایا۔ اس کے علاوہ، خندق حنین اور اوطاس وغیرہ میں بھی برابر شریک رہے۔

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، اسی موقع پر آپ نے ان سے یہ حدیث بیان فرمائی تھی، کہ جو تم کھاتے پیتے ہو، وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ، اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں اور تم نہ معاف کر سکو تو فروخت کر ڈالو۔

فقہہ روہ اور شہادت..... عہد صدیقی میں فقہہ ارتداد کے استیصال کے لئے مسلمانوں کے

ساتھ نکلے اور متعدد سرکش بے دینوں کو واصل جہنم کیا۔
مشہور مرتد نہاد بن عقیقہ جس کے متعلق اس کے زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے
پیشگوئی فرمائی تھی، ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ۱۔

جنگ یمامہ میں اسلامی فوج کی علمبرداری کا منصب سپرد ہوا، بنو حنیفہ نے ایک مرتبہ اس
زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے اس سے
زید کا جوش اور بڑھ گیا، انہوں نے قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ بولوں گا جب تک دشمنوں کا
منہ نہ پھیر دوں یا خود لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں اور مسلمانوں کو لالکا را کہ آنکھیں بند کر کے،
واڑھیں داب کر دشمنوں کے قلب میں گھس جاؤں، ایک طرف لوگوں کو ابھارتے تھے، دوسری
طرف زبان بارگاہ ایزدی میں معذرت میں مصروف تھی، کہ ”خدا یا میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی
پر تیری بارگاہ میں معذرت خواہ ہوں“، اسی حالت میں عم ہلایا، اور دشمنوں کی گھنٹیں چیرتے ہوئے
گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ۳۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت سالمؓ نے علم
سنجھالا، لوگوں نے کہا سالم! تمہاری علمبرداری سے شکست کا خطرہ ہے، کہا اگر میرے سبب سے
شکست ہو تو مجھ سے بدتر حامل قرآن کون ہوگا۔ ۴۔

حضرت عمرؓ کا غم..... حضرت عمرؓ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، ان کی شہادت سے
بہت غم زدہ ہوئے اور جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زیدؓ کا تھا
، اس کو اٹھایا اور صبر کیا۔ ۵۔ اکثر فرمایا کرتے کہ باد صبا سے زیدؓ کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد آتا
زہ ہو جاتی ہے۔ ۶۔

اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی ایک معرکہ میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے
مارا گیا، متمم اپنے بھائی کا عاشق و شفیق تھا، اس حادثہ نے اس کو ایسا وارفتہ کر دیا کہ دیکھنے والوں کو
ترس آتا تھا، اسی عالم میں اپنے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بیقرار ہو جاتے
اتفاق سے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی، آپ نے فرمایا تم کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے، کہا
ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار
ہوئی ہے، آج تک نہ رکی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ رنج و الم کی آخری حد ہے، کوئی جانے والے کا

۱۔ احتیاج ج ۱ ص ۱۹۰،

۲۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۷۷،

۳۔ ایضاً ص ۲۷۷،

۴۔ ابن سعد جز ۳ ص ۲۵۳، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷،

۵۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷،

۶۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷،

اتنا غم نہیں کرتا، اس کے بعد فرمایا خدا زیدؓ کی مغفرت کرے، اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی ابن کا مرثیہ کہتا، تنہم نے کہا، امیر المومنین، اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں بھی انگباری نہ کرتا، حضرت عمرؓ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی، فرمایا کہ اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی، تسلی بھائی کے ساتھ شدید تعلق قلب کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، جس وقت حضرت زیدؓ کی شہادت کی دلخراش خبر ملی، اس وقت بجائے نالہ و شیون کرنے کے فرمایا کہ میرے بھائی دونیکوں میں مجھ سے سبقت لے گئے، مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے جام شہادت پیا۔

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، رنگ گندم گوں۔

ازواج و اولاد آپ کی دو بیویاں تھیں، لبابہ اور جمیلہ، لبابہ سے عبدالرحمن تھے اور جمیلہ سے اسماء تھیں۔

فضل و کمال آپ سے متعدد اشخاص نے حدیث روایت کی ہے۔

حضرت ابورافعؓ

نام و نسب..... نام میں بہت اختلاف ہے، زیادہ مشہور اسلام اور ابورافع کنیت ہے نسبی شرف کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آقائے دو عالمؐ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے اور حضورؐ نے یہ کہہ کر اپنے خاندان میں شامل کر لیا تھا کہ مولیٰ القوم من انفسہم، اس مرتبہ کے بعد خاندانی اور نسبی عظمت کا کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

غلامی اور آزادی..... ابتدا میں ابورافع حضرت عباسؓ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کے اسلام کی مسرت پر آزاد کر دیا۔ اسلام..... حضرت ابورافع ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پر جلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا، ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے پر قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا، آپؐ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہو گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اب میں واپس نہ جاؤں گا، آپؐ نے فرمایا میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا، چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

ابتلا و آزمائش..... لیکن بدر تک جبارہ قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا ایک دن چاہ زمزم کی چہار دیواری میں بیٹھے تیر درست کر رہے تھے، حضرت عباسؓ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آگیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا، اس کے بعد ابوسفیان آئے، ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی، بہتوں کو تیغ کر ڈالا، کچھ لوگوں کو گرفتار کیا، اس سلسلہ میں ایک واقعہ عجیب و غریب بیان کیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے، اس پر ابورافعؓ نے کہا کہ وہ فرشتے تھے، یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا، یہ غصہ جھل کر لپٹ گئے، مگر کمزور تھے، اس لئے ابولہب نے پیچ دیا اور

۱۔ ابورافعؓ جلد ۱ ص ۱۶۶

۲۔ ابن سعد ج ۲ ص ۵۱

۳۔ ابورافعؓ جلد ۱ ص ۲۷۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا، حضرت عباسؓ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا، انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں اس لئے کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔

ہجرت..... بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئے۔
غزوات..... بدر کے علاوہ احد، خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں یمن کی طرف جو سریہ بھیجا تھا، اس میں یہ بھی تھے، چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی عدم موجودگی میں سریہ کی نگرانی ان کے سپرد کی تھی۔

وفات..... حضرت علیؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں وفات پائی۔
اولاد..... وفات کے وقت ۶ اولادیں تھیں، حسن، رافع، عبید اللہ، معتمر، مغیرہ اور سلطی۔
فضل و کمال..... اسلام نے غلاموں کو ہر قسم کی ترقی کے جو مواقع عطا کیے ہیں، ابورافع اس کی بہترین مثال تھے، گو یہ غلام تھے، لیکن فضل و کمال میں آزادوں کے ہمسر تھے، ان کی ۶۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ایک میں بخاری اور ۳ میں مسلم منفرد ہیں۔

آزادی کے بعد بھی آستانہ نبویؐ کی خدمت گزاری کا فخر نہ چھوٹا اس لئے ان کو معمولات نبویؐ کے متعلق بہت معلومات تھے، اور ان کے بارے میں اکابر صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے، ابن عباسؓ ان کے پاس ایک کاتب لے کر آتے تھے اور سوال کرتے تھے، رسول ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا یہ بیان کرتے جاتے تھے، اور کاتب قلم بند کرتا جاتا۔
حلاوت..... ان کے سر چشمہ فضل و کمال سے سیراب ہونے والوں کا دائرہ خاصہ وسیع تھا چنانچہ ان کے لڑکوں میں حسن، رافع، معتمر، عبید اللہ، پوتوں میں حسن، صالح اور عام لوگوں میں عطاء بن یسار، ابو غطفان بن طریف، ابوسعید مقبری اور سلیمان بن یسار ان کے خوشہ چینیوں میں تھے۔

عام حالات..... آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابورافع کو آزاد کر دیا تھا، مگر وہ بدستور آپ کی غلامی میں گرفتار رہے، آزادی کے وقت آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں، لوگوں نے کہا آزادی میں رونے کا کیا موقع ہے، کہا آج سے ایک اجر جاتا رہا، ۹ اس کے بعد اگرچہ قانوناً آزاد ہو گئے

۲ ایضاً ص ۵۲،

۳ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۱

۴ تہذیب الکمال ص ۳۳۹،

۵ تہذیب الجہد ص ۲۹ حوالہ مذکور

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۵۱،

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸،

۳ تہذیب الجہد ص ۱۲ ص ۹۲،

۴ اصحابہ جلد ۳ ص ۲۹

۵ مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۴۴

تھے، لیکن خدمت گزاری کا شرف نہیں چھوڑا، چنانچہ سفر و غیرہ میں خیمہ یہی نصب کرتے تھے، آقائے دو عالم کے ساتھ غلامی کی نسبت بہت محبوب تھی، ہمیشہ اپنے کو آنحضرت ﷺ کا غلام کہتے تھے، عمرو بن سعید بن عاص نے مدینہ کی امارت کے زمانہ میں اپنا غلام کہلانا چاہا، لیکن یہ برابر انکار کرتے رہے، تا آنکہ سعید نے ۵۰۰ کوڑے لگا کر زبردستی اپنا غلام کہلایا۔

حضرت سعید بن عامر بن خدیجؓ

نام و نسب..... سعید نام، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن عامر بن خدیج بن سلامان بن ربیعہ بن سعد ابن نجح بن عمرو بن ہبصیص بن کعب، ماں کا نام اروی تھا، نا تہالی سلسلہ نسب یہ ہے اروی بنت ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ ۱۔
اسلام و ہجرت..... غزوہ خیبر سے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ ۲۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے اول غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، پھر تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔ ۳۔
جنگ یرموک..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابو عبیدہؓ نے یرموک کی مہم کے لئے مزید امدادی فوج طلب کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اس مہم میں انہوں نے بڑے نمایاں کارنامے دکھائے۔

حمص کی گورنری..... عباس بن غنمؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ ابن عامر کو حمص کی گورنری پر مامور کیا، ان کے عہد حکومت میں کسی نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سعید پر جنون کا اثر رہتا ہے، آپ نے ان کو تحقیق کے لئے طلب کیا، اس طلبی پر حمص کا والی اس سروسامان سے آیا کہ ہاتھ میں ایک عصا تھا، اور کھانے کے لئے ایک پیالہ حضرت عمرؓ نے پوچھا بس اس قدر سامان ہے عرض کی اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے پیالہ میں کھاتا ہوں اور عصا پزیرا راہ لٹکاتا ہوں پوچھا میں نے سنا ہے تم پر جنون کا اثر ہے ابن عامر نے اس سے انکار کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، پھر مجھ کو کیسے اطلاع ملی کہ تم پر غشی کے دورے ہوتے ہیں، کہا ہاں سچ ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ حبیب بن عدی کے مصلوب ہوتے وقت میں بھی موجود تھا اور وہ اس حالت میں قریش کے لئے بد دعا کرتے تھے اور چونکہ میں بھی قریشی ہوں، اس لئے جب یہ منظر سامنے آتا ہے تو غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس تحقیق کے بعد حضرت عمرؓ نے واپس کرنا چاہا، ابن عامر نے جانے سے انکار کیا، مگر حضرت عمرؓ نے مجبور کر کے واپس کیا۔ ۴۔

وفات..... سن وفات میں اختلاف ہے، بعض ۱۹ اور بعض ۲۱ بتاتے ہی، وفات کے وقت چالیس سال کی عمر تھی۔ ۵۔

فقر و درویشی..... ابن عامر کا زہد و تقویٰ درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا، حمص کی گورنری کے زمانہ میں اس فقیرانہ شان سے رہتے تھے، کہ ان میں اور عام مساکین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا، حضرت عمرؓ جب حمص گئے تو وہاں کے فقراء کے معاش کا انتظام کرنے کے لئے ان کی فہرست طلب کی، فہرست تیار ہو کر آئی تو منجملہ اور ناموں کے ایک نام سعید بن عامر بھی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا، یہ سعید بن عامر کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین ہمارے اور آپ کے امیر آپ نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کیا کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا، اس کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے، حضرت عمرؓ یہ زہد و ورع سن کر رونے لگے اور فوراً ایک ہزار دینار کی تھیلی ابن عامر کے پاس بھیجی کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، سعید نے اس کو دیکھتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا بیوی نے پوچھا خیریت ہے، کیا امیر المومنین کو خدا نخواستہ کوئی گزند پہنچا فرمایا اس سے زیادہ اہم حادثہ ہے، بیوی نے کہا کیا قیامت آگئی، فرمایا قیامت سے بھی زیادہ خطرناک، انہوں نے کہا آخر معاملہ کیا ہے، فرمایا دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے وہ بولیں پھر کوئی تدارک کرو، انہوں نے یہ تدارک کیا کہ پوری رقم ایک تو بڑے میں ڈال دی اور ساری رات نماز پڑھتے رہے، صبح کو جب اسلامی لشکر ادھر سے گذرا تو کل روپیہ اٹھا کر اس کی ضروریات کے لئے دے دیا۔

محکوم کی ہمدردی..... محکوموں کی ہمدردی و غمخواری آپ کا نمایاں وصف تھا، جہاں جا کم رہے وہاں کی رعایا آپ کی ہمدردی کی گرویدہ رہی شام کی رعایا آپ سے بہت خوش رہتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ شام والے تم سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں کہا میں ان کی گلہ بانی کے ساتھ ان کے غمخواری بھی کرتا ہوں، آپ نے خوش ہو کر دس ہزار کی گراں قدر رقم ان کو دینا چاہی، انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لئے کافی ہے، میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام فی سبیل اللہ کروں، حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ اس کو لے لو، واپس نہ کرو، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کچھ مال دیا تھا، میں نے بھی تمہاری طرح یہی جواب دے کر واپس کرنا چاہا تھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے خدا دے تو اس کو لے لیا کرو کہ وہ اس کا عطیہ ہے۔

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

نام و نسب عقیل نام، ابو یزید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبد مناف القرشی البہاشمی، ماں کا نام فاطمہ تھا، آپ حضرت علیؓ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔

بدر میں گرفتاری عقیل کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا، لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علیؓ الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے، چنانچہ بدر میں بادل ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ خود یہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابو جہل قتل ہو گیا، عقیل بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاجم باقی نہیں رہا عقیل کے ہاتھ مال و دولت سے خالی تھے، اس لئے حضرت عباسؓ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔

اسلام و ہجرت اور غزوات آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور ۸ھ میں باقاعدہ اسلام لا کر ہجرت کا شرف حاصل کیا اور غزوہ موتہ میں شریک ہو کر پھر مکہ واپس گئے، وہاں جا کر بیمار پڑ گئے، اس لئے فتح مکہ، طائف اور حنین میں شرکت سے معذور رہے، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں شریک ہوئے، بلکہ جب مسلمانوں کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مہاجرین و انصار کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے۔

عہد مرتضوی خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں ہمیں پتہ نہیں چلتا، حنین کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیرؓ کے اختلافات کے زمانہ میں نظر آتے ہیں، یہ گو حضرت علیؓ کے بھائی تھے، لیکن اپنی ضروریات کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ سے تعلقات رکھتے تھے، اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ عقیل مفلس، مقروض اور روپیہ کے حاجت مند تھے اور جناب امیرؓ کے یہاں یہ شے عنقا تھی، اور امیر معاویہؓ کا خزانہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوا تھا ماس لئے افلاس و ناداری نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا، امیر معاویہؓ کے پاس جانے سے پہلے

ایک مرتبہ قرض کی ادائیگی کی فکر میں حضرت علیؑ کے پاس بھی گئے تھے، انہوں نے بڑی پزیرائی کی، حسنؑ کو حکم دیا، انہوں نے لا کر کپڑے بدلائے، شام کو دسترخوان بچھا تو صرف روٹی، نمک اور ترکاری آئی، عقیلؑ نے کہا بس یہی سامان ہے حضرت علیؑ نے فرمایا، ہاں! عقیلؑ نے مطلب بیان کیا کہ میرا قرض ادا کر دو، حضرت علیؑ نے پوچھا کس قدر ہے، کہا ۴۰ ہزار آپ نے جواب دیا، میرے پاس اتنا روپیہ کہاں؟ تھوڑا صبر کیجئے جب چار ہزار میرا وظیفہ ملے گا تو آپ کو دے دوں گا، عقیلؑ نے کہا تم کو کیا دشواری! بیت المال تمہارے ہاتھ میں ہے، مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں کب تک رکھو گے، حضرت علیؑ نے فرمایا میں مسلمانوں کا امین ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ خیانت کر کے ان کا مال آپ کے حوالہ کر دوں یہ جواب سن کر عقیلؑ چلے گئے اور امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے پوچھا تم نے علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا، جواب دیا، وہ لوگ رسولؐ کے صحیح صحابی ہیں، بس صرف اس قدر کہی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں نہیں ہیں، اور تم اور تمہارا سہ ماہی ٹھیک ابوسفیان کے حواریوں کی طرح ہو، مگر اس موزانہ کے بعد بھی دوسرے دن امیر معاویہؓ نے دربار میں انہیں بلوا کر پچاس ہزار درہم دلوائے۔

عقیلؑ کے شام جانے کے بعد امیر معاویہؓ لوگوں کے سامنے ان کو مثال میں پیش کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو علیؑ کے بھائی ان کو چھوڑ کر میرا ساتھ کیوں دیتے، ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہے تھے، عقیلؑ بھی موجود تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میرا بھائی دین کے لئے بہتر ہے اور تم دنیا کے لئے، یہ دوسری بات ہے کہ میں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی، رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے لئے اس کے لئے خدا سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔

وفات..... امیر معاویہؓ کے اخیر عہد یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔
اہل و عیال..... عقیلؑ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان کی بیوی اور اولادوں کے نام یہ ہیں۔

بیوی	اولاد
ام سعید	یزید، سعید
خلیلہ	علی، محمد، رملہ
ام بنین	جعفر، اکبر، ابوسعید، احول
ام ولد	
اسماء بنت سفیان	مسلم، عبداللہ، عبدالرحمن، عبداللہ، الاصغر

ان کے علاوہ جعفر، اصغر، حمزہ، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان وغیرہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھیں۔ ۱۔

ذریعہ معاش آنحضرت ﷺ نے خیبر کی پیداوار سے ڈیڑھ سو سو سالانہ مقرر فرمایا تھا۔ ۲۔

استعداد علمی ہجرت کے بعد پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے، اس لئے صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا بہت کم موقع ملا، اسی لئے رسول کے عزیز ہونے کی حیثیت سے علم میں ان کا جو پایہ ہونا چاہیے تھا، وہ نہ پیدا ہو سکا، تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی دو چار روایتیں موجود ہیں محمد حسن بصری اور عطا آپ کے زمرہ رواۃ میں ہیں۔ ۳۔

مذہبی علوم کے علاوہ جاملی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ علم الانساب کے جو عربوں کا خاص علم تھا، بڑے ماہر تھے، ایام عرب کی داستانیں بھی ان کو از بر تھیں اور ان علوم میں لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ مسجد نبویؐ میں نماز کے بعد بیٹھتے تھے اور لوگ ان سے استفادہ ہوتے تھے۔ ۴۔

آنحضرت ﷺ کی محبت آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ابو زید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے، اسی قرابت کے سبب سے دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔ ۵۔

پابندی سنت عقیل شادی و مسرت کے موقعوں پر بھی جبکہ لوگ عموماً کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کر جاتے ہیں مسنون طریقوں کا لحاظ رکھتے تھے، ایک مرتبہ نئی شادی کی، صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان الفاظ میں تہنیت پیش کی کہ ”بالوفاء والبنین“ اگرچہ ان الفاظ میں کوئی خاص قباحت نہیں تھی، لیکن چونکہ مسنون طریقہ تہنیت موجود تھا، اس لئے کہا کہ یہ نہ کہو بلکہ، ”بارک اللہ لک و بارک اللہ علیک“ کہو کہ ہم کو اسی کا حکم ملا ہے۔ ۶۔

حضرت نوفل بن حارثؓ

نام و نسب نوفل نام، ابو حارث کنیت، نسب نامہ یہ ہے، نوفل بن حارث بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی، ماں کا نام غزیہ تھا، ناںہالی شجرہ یہ ہے، غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبد العزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر، نوفل، آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

بدر دعوت اسلام کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے عزیز قریب بھی آپ کے دشمن ہو گئے تھے، لیکن نوفل کے خون میں ہمیشہ یکساں برادرانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالت شرک میں بھی آپ سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعا و کرہا مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پر خلوص اشعار و رد زبان تھے۔

حرام علی حرب احمد انسی

اری احمد انسی قریبا و اصرہ

مجھ پر احمد سے جنگ کرنا حرام ہے وہ میرے قریبی عزیز ہیں

اسلام بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ، عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں، فرمایا جہدہ والے نیزے فدیہ میں دو، اس کے جواب میں انہوں نے آپ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

الیکم الیکم انسی لست منکم

تسرات من دین الشیوخ الا کسبر

اے دو، دو، دو، میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں، میں قریش کے بڑے

بزرگوں کے دین سے بیزار ہوں۔

شہدت علی ان النبی محمد

انسی بالہدی من ربہ و البصائر

میں نے شہادت دی ہے کہ محمد نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ ہدایت اور نصیرت الے ہیں۔

و ان رسول اللہ یدعوا الی التقی
و ان رسول اللہ لیس لشاعر
اور رسول اللہ تقویٰ کی طرف بلاتے ہیں اور رسول اللہ شاعر نہیں ہیں۔

علی ذلک احی ثلث مرقا

و النوی علیہ میتا فی المقابر

میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور

پھر اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا۔

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے، غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے، ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے لوٹنے کا ارادہ کیا، نوفلؓ نے کہا، اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہؐ سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں، اب خدا نے رسول ﷺ کو عزت دی ہے، اور ان کے ساتھی بھی زیادہ ہو گئے ہیں، ہمارے ساتھ چلے چلو، چنانچہ یہ قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔

نوفل اور عباسؓ سے قدیم تعلقات تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں مواخات کرادی اور قیام کے لیے دو مکان مرحمت فرمائے، ایک مکان رحۃ القضا میں مسجد نبویؐ کے متصل تھا اور دوسرا بازار میں تہیۃ الوداع کے راستہ پر۔^۱

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر طائف و حنین وغیرہ میں داد شجاعت دی، خصوصاً حنین میں نہایت شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اور اس وقت بھی جب مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیب ہو گئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، اس غزوہ میں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر مدد کی تھی، ۳ ہزار نیزے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے مدح فرمایا ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے مشرکوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں۔“

وفات..... حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے ایک سال ۳ ماہ بعد مدینہ میں وفات پائی حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔^۲

اولاد..... وفات کے بعد متعدد اولادیں چھوڑیں، عبد اللہ، عبد الرحمن ربیعہ، سعید، مغیرہ، نوفل کی اولاد مدینہ، بصرہ اور بغداد میں بکثرت پھیلی، عبد اللہ، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ کے

۱ ابن سعد جزو ۲، ق ۱ ص ۳۰

۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۶

۴ ابن سعد جزو ۲، ق ۱ ص ۳۱

قاضی اور سعید فقیہ تھے۔

عام حالات :

آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے، ان کو شادی کی ضرورت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے شادی کراوی، ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ابو رافع اور ابویوب کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اسکے بدلے میں صاع جو لے کر عطا کی۔

حضرت فضل بن عباسؓ

نام و نسب..... فضل نام، ابو محمد کنیت، "ہم رکاب رسول" لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، فضل ابن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ماں کا نام لہابہ تھا، آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

اسلام..... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اس زمانہ میں ان کا پورا گھر اسلام سے منور ہو چکا تھا، لیکن مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔^۱
ہجرت..... فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباس کے ساتھ ہجرت کی۔
غزوہات..... ہجرت کے بعد غزوہ فتح ہوا، سب سے پہلے اسی غزوہ میں فضل شریک ہوئے۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا، اس میں غیر معمولی جان فروشی دکھائی، اور مسلمانوں کی ابتدائی شکست میں جب فوج کا بڑا حصہ منتشر ہو گیا، ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور بدستور پیکر اقدس کے ساتھ جے رہے۔^۲

پھر حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ کی سواری پر سوار تھے، اسی دن سے "ردف رسول" یعنی ہم رکاب رسول لقب ہو گیا، اسی درمیان میں قبیلہ حنظلہ کی ایک نوجوان اور خوبصورت عورت حج کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے آئی، حج میں منہ چھپانا عورتوں کے لیے درست نہیں، اس لیے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، فضل بھی نہایت خوش رو تھے، وہ ان کی طرف گھورنے لگی اور یہ بھی اس کو دیکھنے لگے آنحضرت ﷺ بار بار ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے، مگر یہ پھر اس کی طرف رخ کر دیتے آخر میں آپ نے فرمایا، "برادر عزیز! آج کے دن جو شخص آنکھ، کان اور زبان پر قابو رکھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے" یہی جمار کے وقت آنحضرت ﷺ کی پشت پر چادر آڑ کیے ہوئے سایہ کیے کھڑے تھے۔^۳

آخری سعادت..... فضلؓ نے آنحضرت ﷺ کی آخری خدمت کی سعادت بھی حاصل کی، آپ نے مرض الموت میں جو آخری خطبہ دیا تھا، اس کے لیے دو سعادت مندوں کے

۱۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۳۷۔

۲۔ سند احمد بن فضل بن روایت ابودافع۔

۳۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۳۷۔

۴۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۳۷ تھورے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری کتاب العمر باب حج المرأة میں بھی مذکور ہے۔

۵۔ ابوداؤد ص ۹۶۔

سہارے زناخانہ سے باہر تشریف لائے تھے، ان میں سے ایک حضرت فضل تھے، اور ان ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں میں خطبہ دینے کا اعلان کرایا تھا، اسب سے آخری سعادت جسدا طہر کے غسل کی حاصل ہوئی، چنانچہ جن لوگوں نے آپؐ کو غسل دیا تھا، ان میں ایک فضل بھی تھے، وہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علیؑ نہلاتے تھے۔ ۲

وفات آپ کی وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ شام میں طاعون عمواس میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے، دوسری روایت زیادہ مستند ہے، امام بخاری نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔ ۳

حلیہ نہایت حسین و جمیل تھے۔ ۴

اہل و عیال اولاد میں صرف ام مکتوم تھیں، جن کے ساتھ بعد میں حضرت حسنؑ نے شادی کی اور ان کی طلاق کے بعد ابو موسیٰ اشعرؓ کے عقد میں آئیں۔ ۵

فضل و کمال فضل بن عباسؓ سے ۲۴ حدیثیں مروی ہیں، ان میں ۳ متفق علیہ ہیں، ۱۹ اکابر صحابہ میں ابن عباسؓ، اور ابو ہریرہؓ اور عام لوگوں میں کریمؓ بن عباس بن عبید اللہ ربیعہ بن حارث، عمیر، ابوسعید، سلیمان بن یاسر، شعبی، عطاء بن ربیع، و غیرہ نے روایتیں کی ہیں۔ ۶

۱: استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵،

۲: ایضاً،

۳: تہذیب الکمال ص ۳۰۹،

۴: اصحاب ج ۵ ص ۴۱۲،

۵: اصحاب ج ۵ ص ۴۱۲،

۶: استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵،

۷: تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۸۰

حضرت طلیب بن عمیرؓ

نام و نسب..... طلیب نام، ابو عدی کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، طلیب بن عمیر بن وہب بن عبد بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی عبد ری، آپ کی ماں اروی عبد المطلب کی لڑکی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

اسلام..... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، قبول اسلام کے بعد گھر اور ماں سے کہا ”میں خلوص دل سے اسلام لا کر محمدؐ کا پیرو ہو گیا ہوں“، ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی درازدستیوں سے بچاتی، ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے، آپ کے بھائی حمزہؓ بھی اسلام لا چکے تھے، بولیں مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں، ان کے بعد میں بھی ان ہی کی پیروی کروں گی، طلیب نے اصرار کیا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ محمدؐ کے پاس چلیے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا قرار کیجئے۔

ماں کا اسلام..... ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت ﷺ کی جانب مائل تھا، اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو گیا۔

اروی عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت و استقلال کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی امکانی مدد کرتی رہیں، نسائیت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں، مگر زبان سے جو کچھ بن پڑتا تھا، کہتی تھیں اور اپنے فرزند کو آنحضرت ﷺ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی مدد..... ابتداء اسلام میں جب آنحضرت ﷺ پر ظلم و ستم کی بجلیاں گرج گرج کر برسی تھیں، طلیبؓ آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے، مشرکین نے حضور انورؐ کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنا لیا تھا، ایک مرتبہ عوف بن صبرہؓ سہمی آپ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کر رہا تھا، طلیبؓ نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا تھا، لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی، ان نیک خاتون نے جواب دیا۔

ان طلیبان نصر ابن حالہ

واسا د فی دمد و مالہ

طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غنیمت داری کی۔

ایک مرتبہ ابوالہب بن عزیز داری کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا، حضرت تلیب سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اس کے ارادہ فاسد کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا، ان کا حقیقی ماموں تھا، جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو تلیب نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہ کیا، اس جرات پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا، لیکن ابولہب کے بھانجے تھے، اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی، انہوں نے جواب دیا کہ تلیب کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے، جس میں وہ محمد کی مدد کریں۔

ہجرت و مواخات..... کفار مکہ کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، اس لیے ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، وہاں سے مدینہ آئے عبداللہ بن سلمہ غیلانی کے مہمان ہوئے۔ جس شخص نے ظلم و ستم کی گھٹاؤں میں رسول ﷺ کی غلامیہ مدد کی وہ آزادی ملنے کے بعد کب خاموش رہ سکتا تھا، اس لیے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے معرکہ بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر حق شجاعت ادا کیا۔

وفات..... بدر کے بعد سے وفات تک کے حالات پردہ میں ہیں، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بھر جہاد میں شریک ہوتے رہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں اجنادین کی جنگ میں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں شہادت پائی، وفات کے وقت کل ۵۳ سال کی عمر تھی، اولاد کوئی نہ تھی۔

حضرت ثوبانؓ

نام و نسب..... ثوبان نام، ابو عبد اللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا، غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا، اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان کے پاس چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو اہل بیت میں شمار ہوگا، انہوں نے خدمت نبویؐ کی حاضری کو اہل خاندان پر ترجیح دی اور زندگی بھر خلوت جلوت میں آپ کے ساتھ رہے۔۱

آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد تک مدینہ ہی میں مقیم رہے، لیکن آقا کے سانحہ رحلت نے گلشن مدینہ کو خار بنادیا، اس لئے یہاں کا قیام چھوڑ کر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کر لی اور مصر کے فتوحات میں شریک ہوتے رہے، پھر رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنا لیا، اور یہیں ۵۳ھ میں وفات پائی۔۲

فضل و کمال..... ثوبان رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے اور ان کو خلوت و جلوت ہر وقت ساتھ رہنے کا موقع ملتا تھا، اس لئے قدرۃ وہ علوم نبوی سے زیادہ بہرہ ور ہوئے، چنانچہ ان سے ۱۲۷ حدیثیں مروی ہیں، وہ حفظ حدیث کے ساتھ اس کی اشاعت کا فرض بھی ادا کرتے تھے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ثوبان ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حدیثیں حفظ کیں اور اسی کے ساتھ ان کی اشاعت بھی کی۔۳

آپ کے حفظ حدیث کی بنا پر لوگ آپ سے حدیثیں سنتے تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سننے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔۴

محدثین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے چاہتے تھے، معدان بن طلحہ نے جو بلند پایہ محدث تھے، حضرت ابو درداءؓ سے ایک حدیث سنی تو ثوبان سے اس کی تصدیق کی، ۵۱ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو جماعت صاحب علم و افتاء تھی، اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔۵ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، معدان بن طلحہ، راشد بن سعد، جبیر بن نصیر، عبد الرحمن

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۳۹، مستدرک حاکم جلد ۵ ص ۴۸۱،

۲۔ اسد الغابہ جلد اول ص ۸۱، وفات کا ذکر مستدرک میں ہے،

۳۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۷۶،

۴۔ ایضاً،

۵۔ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۹۵،

۵۱ ابو داؤد ج اول ص ۳۷،

بن عتیم، ابو اوریس خولانی، آپ کے خوشہ چینیوں میں تھے۔
اخلاق و عادات..... ان کو احترام نبوی میں اتنا غلو تھا کہ غیر مسلموں سے بھی کوئی لفظ ایسا نہیں سن سکتے تھے، جس سے ذرا بھی نبوت کے احترام کو صدمہ پہنچتا ہو، ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے آکر السلام علیک یا محمدؐ! کہا تو بان بگڑ گئے اور اس زور سے اس کو دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا، اس نے سنبھل کر اس پر بھی کاسبب پوچھا بولے تو نے یا رسول اللہ! کیوں نہ کہا وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں میرا خاندانی نام محمدؐ ہے۔

نبوت کا احترام تو بڑی چیز ہے، تو بانؑ آپ کے ساتھ اپنی غلامی کی نسبت کا بھی احترام کرتے تھے، اگر کوئی شخص اس میں ذرا کمی کرتا تو متنبہ کرتے تھے، حمص کے قیام کے زمانہ میں بیمار ہوئے، یہاں کا والی عبداللہ بن قرط از دی عیادت کرنے نہیں آیا، آپ نے اس کو ایک رقعہ لکھوایا کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تمہارے یہاں ہوتا تو تم اس کی عیادت کرتے، والی کو یہ رقعہ ملا تو اس بدحواسی کے ساتھ گھر سے نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آگیا۔ اسی حالت میں آپ کے گھر پہنچا اور دیر تک بیٹھا رہا۔

پاس فرمان رسول..... آنحضرت ﷺ کے فرمان کا اس قدر لحاظ کرتے تھے، کہ جو حکم آپ نے دے دیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا اور ہر اس کام سے احتراز کرتے رہے جس میں آپ کی عدول حکمی کا کوئی خفیف سا بھی پہلو نکلتا ہو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہی کسی سے سوال نہ کرنا، اس حکم کے بعد عمر بھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال نہ دراز کیا، حتیٰ کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو خود اتر کے اٹھاتے مگر کسی کو اٹھانے کو نہ کہتے۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ

نام و نسب عمرو نام ابوخیج کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضرہ ابن عتاب ابن امراؤ القیس، ماں کا نام رملہ بنت وقیعہ تھا، یہ خاتون قبیلہ بنی حزام سے تھیں، عمرو مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کے ماں جائے بھائی تھے۔

اسلام عمرو ابتدائی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا، ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے، بعثت نبویؐ کی خبر پا کر مکہ آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ مشرکین کے معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے، اس لئے عمرو بن عبسہؓ نے خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا، آپ کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نبی ہوں، پوچھانی کیا چیز ہے؟ فرمایا مجھ کو خدا نے بھیجا ہے، پوچھا کن تعلیمات کے ساتھ؟ فرمایا صلہ رحمی، بت شکنی اور توحید کے ساتھ پوچھا کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟ فرمایا ایک غلام اور ایک آزاد نے اس وقت صدیق اکبرؐ اور سرخیل عشاق بلالؓ آپ کے ساتھ تھے، اس سوال و جواب کے بعد عرض کی، مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، فرمایا ایسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو اس وقت تم وطن واپس جاؤ، میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا۔

وطن کی واپسی غرض مشرف باسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبویؐ وطن لوٹ گئے، اور آنے جانے والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے، اتفاق سے یثرب کے کچھ اشخاص آپ کے یہاں آ گئے، ان سے پوچھا کہ جو شخص مدینہ آیا ہے، اس کا کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ لوگ جوق در جوق اس کی طرف لوٹ رہے ہیں، اس کی قوم نے تو اس کے قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، مگر قتل نہ کر سکی، اب وہ مدینہ آ گیا ہے۔

ہجرت اس خبر کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا، میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے، پھر کچھ صوم و صلوٰۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

غزوات بدر، احد، حدیبیہ اور خیبر وغیرہ کے معرکے وطن کے زمانہ قیام میں ختم ہو چکے

تھے، سب سے پہلا غزوہ جس میں ابورہم شریک ہوئے فتح مکہ ہے، طائف میں بھی شرکت کا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے، ان کا بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کے راستہ میں ایک تیر چلائے گا، اس کے لئے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا، یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے، طائف کے علاوہ اور کسی غزوہ کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

وفات زمانہ وفات صحت کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا، ار باب سیر قیاساً آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں، چنانچہ صاحب اصحابہ نے شخص اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور معاویہ کے زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتے، ان کا زمانہ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے، لیکن مسند احمد بن حنبل میں سلیم بن عامر سے روایت ہے کہ امیر معاویہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کی رو سے امیر معاویہ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ اس حساب سے حملہ کی تیاریاں کر کے چلے کہ رومیوں کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے معاہدہ ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فوراً حملہ کر دیا جائے، اس وقت حضرت عمرو بن عبسہؓ پکار تے پھرتے تھے، کہ وعدہ وفا کرو، دھوکہ نہ دو۔

اس روایت سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ تک زندہ تھے، لیکن اگر صاحب اصحابہ کا قیاس صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا، جب معاویہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، کیوں کہ اس زمانہ میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

فضل و کمال عمرو بن عبسہؓ کو کو صحبت نبویؐ سے فیضیاب ہونے کا کم موقع ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، چنانچہ مدینہ آنے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد سب سے پہلا سوال آنحضرت ﷺ سے یہی کیا کہ علمنی ما علمک اللہ آپ کو جو خدا نے سکھایا ہے، وہ تھوڑا مجھے بھی سکھائیے، اسی لئے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی ۴۸ روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں، ۵۱ اور آپ کے رواقہ کے نام حسب ذیل ہیں، عبد اللہ بن مسعود، سہیل بن سعد، ابوامامہ باہلی، محمد بن ابی طلحہ، ابو عبد اللہ مناجی، شریح بن خط و غیرہ۔

حضرت ولید بن ولیدؓ

نام و نسب ولید نام، سلسلہ نسب یہ ہے، ولید بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرظی، مشہور صحابی خالد بن ولیدؓ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔
 بدر کی شرکت اور گرفتاری بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبد اللہ بن جحش کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، دونوں بھائی خالد بن ولیدؓ اور ہشام بن ولیدؓ چھڑانے کے لئے آئے، حضرت عبد اللہ بن جحش نے چار ہزار فدیہ طلب کیا، خالدؓ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا، ہشام نے کہا تم کو کیا لاگ ہوگی، تم تو ان کے بھائی ہو نہیں، اگر عبد اللہ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چھڑاتا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ، تلوار اور خود طلب کی، مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی، اور گلو خلاصی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہو گئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، دوبارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا، جب تم کو اسلام ہی لانا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہو گئے، خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہو گئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، کہا اس وقت اس لئے اسلام نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا، تا کہ قریش کو یہ طعنہ دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔

قید محن اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے، راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دور سے بلا کشان اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا، اور عیاش بن ابی ربیعہؓ اور سلمہ بن ہشامؓ کے ساتھ طوق و سلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے، بدر کے قبل آنحضرت ﷺ عیاش اور سلمہ کے لئے دعا فرماتے تھے، بدر کے بعد جب ولید قید ہوئے تو ان کے لئے بھی دعا فرمانے لگے۔

قید سے فرار عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلنے رہے، ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے، آنحضرت ﷺ نے عیاش اور سلمہ کا حال پوچھا، عرض کیا ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں، ایک بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں، فرمایا تم واپس جاؤ، وہاں کالو ہار اسلام قبول کر چکا ہے، اس کے یہاں ٹھہر دو اور قریش سے آنکھ بچا کر خفیہ عیاش اور سلمہ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں میرے ساتھ نکل چلو،

ایک کارنامہ..... اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاش و سلمہ سے مل کر ان کو آنحضرت ﷺ کا پیام سنا دیا، یہ دونوں نکل کر ساتھ ہو گئے، قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا، مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گیا۔

عمرۃ القضاء اور خالد کا اسلام..... عمرۃ القضاء میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے خالد اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، اس لئے کہیں روپوش ہو گئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا سامنا نہ ہو، آپ نے ولیدؓ سے فرمایا اگر خالد میرے پاس آئے تو میں ان کا اعزاز و اکرام کرنا، مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان جیسے زریک و دانا شخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا، چنانچہ ولید نے خالدؓ کو خط لکھا، اس خط سے انکا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا، اور یہ میلان آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔

وفات..... وفات کے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جب مسلمہ اور ہشام کو چھڑا کر واپس ہو رہے تھے، تو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر اس قسم کے صدمات پہنچے کہ مدینہ آتے آتے انتقال کر گئے لیکن اباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ عمرۃ القضاء میں موجود تھے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔ و الصحیح انه شہد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء، ۳ اور عمرۃ القضاء ۷ کے آخر میں ہوا، اور اس روایت کی رو سے ان کا انتقال عمرۃ القضاء سے دو سال پہلے ۵ میں ماننا پڑے گا، کیونکہ ۲ کے آخر میں ایمان لائے اور اسلام کے بعد ہی بھائیوں نے قید کر دیا، جس کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی، رہائی کے بعد فوراً حضرت سلمہؓ اور ہشامؓ کو چھڑانے گئے، یہ کل مدت ۵ سے آگے نہیں بڑھتی دو سال حالت کفر کے، ڈیڑھ سال قید کے اور زیادہ سے زیادہ دو چار مہینہ سلمہؓ اور ہشامؓ کے چھڑانے وغیرہ میں صرف ہوئے ہوں گے، ان کی مجموعی مدت ۵ سے آگے نہیں بڑھتی، اس لئے یہ روایت قطعاً غلط ہے، البتہ عمرۃ القضاء کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے اور یہ مسلم ہے کہ ۸ کے اندر ہی آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔

ماں کی بیقراری..... آپ کے انتقال کے وقت آپ کی ماں زندہ تھیں، ان کے دل پر قیامت گذر گئی، یہ دل دور صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو ماتم کرنے کی مخصوص اجازت دے دی تھی، اور وہ نہایت دل و دوزلجہ میں یہ مرثیہ پڑھتی تھیں جس کا ایک شعر یہ ہے۔ ۵

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰

یا عین فابکی للولید بن الولید بن المغیرہ
 کان الولید بن الولید فنی العشیرہ
 اے آنکھو! اس ولید کی یاد پر اشکبار ہو، جو شجاعت اور بہادری میں اپنے باپ
 کی مثل خاندان کا ہیرو تھا۔
 آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کرو
 وجئت سكرة الموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيد (ق. ۲)
 اور موت کی بے ہوشی ضرور آکر رہے گی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس
 سے تو بھاگتا تھا۔

حضرت سلمہ بن ہشام

نام و نسب..... سلمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر الکحرم القرشی، ماں کا نام ضباعہ تھا، سلمہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بھائی تھے۔
اسلام، ہجرت اور شہداء..... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آ گئے، اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے، لیکن ان کو ابو جہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں، کھانا پینا بالکل بند کر دیا، مار پیٹ بھی کرتا تھا، لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی بجائی اتار دیتی، اس لئے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں، ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کچھ مدد فرماتے لیکن نماز کے بعد سلمہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا۔

رہائی اور ہجرت..... ولید کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گزر چکا ہے۔

مغازی..... بدر کا معرکہ ان کی قید کے زمانہ میں ختم ہو چکا تھا، رہائی کے بعد اور تمام لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے، غزوہ موتہ میں جن صحابہ کرام کے پیر اکھڑ گئے تھے، ان میں ایک سلمہ بھی تھے، اس ندامت میں انہوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا، جب باہر نکلتے تو لوگ ”فرار“ بھگڑا کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے، لیکن رحمۃ اللعالمین ”کرار“ حملہ آور کہہ کر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

وفات..... عہد صدیقی میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے، اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ۱۲ھ میں مرنج روم کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴۱، ۲۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۹۱، ۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲ و ابن سعد ص ۹۶، ۴۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴۰، ۵۔ اصلہ جلد ۳ ص ۱۲۰، ۶۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبدمنس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی، ماں کا نام فاختہ تھا، ناتہالی سلسلہ نسب یہ ہے، فاختہ بنت عامر بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔
اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، ہجرت ثانیہ میں مہاجرین کے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ۲

مکہ کی واپسی حبشہ سے مکہ واپس آئے، ان کے باپ تبدیل مذہب پر بہت غضبناک تھے، اس لئے قابو پانے کے بعد قید کر کے ارتداد پر مجبور کرنا شروع کر دیا، ۳ انہوں نے مصلحت وقت کے خیال سے بظاہر ان کا کہنا مان لیا، لیکن دل میں بدستور اسلام کی محبت قائم رہی۔

غزوات ہجرت عظمیٰ کے بعد مشرکین مکہ بڑے اہتمام سے مسلمانوں کا استیصال کرنے نکلے عبداللہؓ بھی اپنے والد کے ساتھ مشرکین کے گردہ میں تھے، والد مطمئن تھے کہ اطاعت شعار بیٹا کہنے میں آگیا، یہ نہ معلوم تھا کہ مذہب کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگ رہی ہیں جو موقع پاتے ہی بھڑک اٹھیں گی، چنانچہ جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئی تو عبداللہؓ موقع پا کر نکل گئے اور اسلامی فوج میں آکر شامل ہو گئے، اس وقت والد پر حقیقت حال واضح ہوئی، لیکن اب تیرکمان سے نکل چکا تھا، اس لئے خاموش رہے اور عبداللہؓ باطمینان مشرکین کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے۔ ۴

اس کے بعد احد، خندق اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں برابر شریک رہے، فتح مکہ میں جب کفار کی قوتیں ٹوٹ چکیں اور ہمتیں پست ہو گئیں اور ان کے لئے سوائے دامنِ رحمت کے کئی جائے پناہ باقی نہ رہی، عبداللہؓ کے والد کا نام بھی مجرموں کی فہرست میں تھا، اب ان کے لئے مجبور و پوشی کے کوئی چارہ نہ تھا، اس لئے گھر میں گھس کر اندر سے کواڑے بند کر لئے اور عبداللہؓ سے کہا ابھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے میری جان بخشی کراؤ، ورنہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، سعادت مند لڑکا خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ! میرے والد کو امان دے دیجئے رحمت عالم

نے فرمایا وہ خدا کی امان میں ہیں اطمینان سے گھومیں پھریں اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص ان سے ملے تو سختی سے نہ پیش آئے، خدا کی قسم، وہ صاحب عقل و شرف ہیں، ان کے جیسا زریک آدمی اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔

جنگ یمامہ اور شہادت خلافت صدیقی ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے، اور جواث کے معرکہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر کل ۳۸ سال کی تھی، اور ان کے والد سہیل زندہ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ کی شہادت پر تعزیت فرمائی اس پر انہوں نے کہا ”میں نے سنا ہے شہید اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکتا ہے، مجھ کو امید ہے کہ میرا شہید نخت جگر پہلے میری سفارش کرے گا“۔ ۲

حضرت معقیبؓ بن ابی فاطمہ دوسی

نام و نسب..... معقیبؓ نام، نسی تعلق قبیلہ ازد سے تھا اور بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں سے خیبر کے زمانہ میں مدینہ آئے۔ غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے، بعض روایتوں سے بدر اور بیعت رضوان کی شرکت کا شرف بھی ثابت ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ خیبر سے بھی پہلے مدینہ آچکے تھے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ خیبر کے بعد مدینہ آئے اور بدر و خیبر میں شریک نہیں ہوئے، ابن سعد نے بھی ان کو صحابہ کرام کے اسی زمرہ میں لکھا ہے، جو قدیم الاسلام تھے، لیکن بدر میں شریک نہیں رہے۔

عہد شیعین..... آنحضرت ﷺ کی زندگی میں خاتم رسالت ان ہی کے پاس رہتی تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ عمرؓ خاتم بردار کی حیثیت سے ان کا خاص لحاظ کرتے تھے، چنانچہ دونوں بزرگوں کے عہد میں مالیات کا صیغہ ان کے متعلق رہا، اور بیت المال میں خازن کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

حضرت عمرؓ کو ان سے بہت محبت تھی، ان کو جذام کی شکایت ہو گئی تھی حضرت عمرؓ نے علاج میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جہاں مشہور اطباء کا پتا چلتا تھا، بلا کر علاج کراتے تھے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا، آخر میں دو یمنی طبیبوں سے علاج کرایا جس سے مرض تو زائل نہیں ہوا، البتہ آئندہ بڑھنے کا خطرہ باقی نہ رہا، عموماً لوگ جذامی آدمیوں کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے اور فرماتے کہ یہ طرز عمل تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔

عہد عثمانی اور وفات..... حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا بھی وہی طرز عمل رہا اور غالباً خاتم برداری کا قدیم منصب بھی ان ہی کے سپرد تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی ان ہی کے ہاتھ سے میر معونہ میں گری تھی، اسی عہد کے آخر میں وفات پائی۔

اولاد آپ کی اولادوں میں صرف محمد بن معقیب کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔
 علمی حالت علمی حیثیت سے کوئی ممتاز شخصیت نہ تھی، تاہم نوشت و خواند میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی املاک وقف کی تو اس وقف نامہ کی کتابت ان ہی نے کی تھی، ۱۲ احادیث نبوی کے خوشہ چین بھی تھے، چنانچہ ان کی متعدد روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں دو متفق علیہ ہیں، اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ۳

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو حذیفہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن حصیص بن کعب بن لوی قرشیؓ بھی جا۔
اسلام و ہجرت عبداللہ دعوت اسلام کی ابتدا کی زمانہ میں مشرف یا سلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد عرصہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، پھر مہاجرین کے دوسرے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ۲۔

سفارت ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب و جوار کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو شہنشاہ ایران کے پاس دعوت نامہ لے جانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی کہ اس کو ایرانی گورنر متعینہ بحرین تک پہنچادیں اور وہ اس کو دربار ایران بھیج دیں، انہوں نے اسکو امیر البحرین کے پاس بحفاظت پہنچا دیا۔ ۳۔

مغازی بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، حضرت ابوسعید خدریؓ بدری بتاتے ہیں، لیکن موسیٰ بن عقبہ اور ابن تیق وغیرہ تمام اسکے مخالف ہیں۔

امارت سر یہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ماتحتوں کو ہدایت فرمادی کہ کسی بات میں ان کی عدول حکمی نہ کرنا، منزل مقصود پر پہنچ کر عبداللہ کو کسی بات پر غصہ آگیا اور مجاہدین سے کہا کیا تم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے، سب نے کہا ہاں دیا ہے، کہا اچھا! لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ دے دو اور پھاند پڑو، سب نے لکڑیاں جلائیں اور پھاند نے کو تھے کہ دفعہ کسی خیال سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اور بعض لوگوں نے کہا ہم نے آگ سے بچنے کے لئے رسول ﷺ کی پیروی کی ہے، اور پھر خود وہی آگ میں کودیں، یہ مباحثہ یہاں تک جاری رہا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اس درمیان میں ان کی آتش غضب بھی سرد پڑ گئی، واپس آ کر سب نے آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، اگر تم لوگ آگ میں گھس گئے ہوتے تو پھر کبھی نہ نکلتے، اطاعت صرف ان ہی چیزوں میں واجب ہے جس کی خدا نے اجازت دی ہے۔ ۴۔

خلفاء کا عہد..... عہد فاروقی میں فتوحات شام میں شریک تھے، سوء اتفاق سے ایک معرکہ میں رومیوں نے گرفتار کر لیا، رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے ہیں اور وہ انکار کرتا تو اس کو ایک عظیم الجثہ تانبے کی گائے کے جوف میں جس میں زیتون کا تیل کھولتا ہوتا تھا، ڈال لیتے، چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے اپنا مذہب پیش کر کے کہا، اگر تم اس کو نہیں قبول کرو گے تو تم کو گائے پر قربان کر دیا جائے گا، مگر اس سے مطلق خوفزدہ نہ ہوئے، اور قبول مذہب سے انکار کر دیا، ان جلادوں نے ان کی عبرت پذیری کے لئے ایک دوسرے مسلمان قیدی کو بلا کر عیسویت کی دعوت دی، اس نے بھی انکار کیا تو اس کو زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا وہ کشتہ حق جل بھن کر کباب ہو گیا، یہ منظر دکھا کر بولے، اگر نہیں قبول کرتے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا، لیکن جذبہ حق اس سے زیادہ آزمائش کے لئے تیار تھا، پھر انکار کر دیا، حکم ہوا ڈال دو، آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، رومیوں نے کہا آخر ذکر کرنے لگے، فرمایا میں اپنے انجام پر نہیں روتا بلکہ اپنی کم مانگی پر آنکھیں اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان خدا کی راہ میں کام آئے گی، کاش ایک جان کے بجائے میرے ہر موئے بدن میں ایک مستقل جان ہوتی تو یہ سب راہ خدا میں شمار ہوتیں، یہ قوت ایمانی دیکھ کر وہ لوگ دنگ رہ گئے اور اس شرط پر رہا کر دینے کے لئے تیار ہو گئے کہ شاہ روم کی پیشانی کو بوسہ دیں، لیکن اس پر ستار حق کالب ایک صلیب پرست کی بہتانی سے آلودہ نہیں ہو سکتا تھا اس سے انکار کیا اس انکار پر انہوں نے مال و دولت اور حسن و رعنائی کے سبز باغ دکھائے، آپ نے ان دل فریبوں کو بھی نہایت حقارت سے ٹھکرادیا، آخر میں ان سے کہا، اگر میری پیشانی کو چوم لو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیئے جائیں گے، مسلمانوں کی جان سب سے زیادہ عزیز تھی، اسلئے اس پر آمادہ ہو گئے اور ایک بوسہ کے صلہ میں اسی مسلمانوں کی گراں بہا جانیں بچ گئیں، جب واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی، بعض صحابہؓ آپ سے مزاحاً کہتے کہ تم نے ایک بے دین کی پیشانی کا بوسہ دیا، جواب دیتے ہاں چوما، لیکن اس کے بدلہ میں اسی ۸۰ مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔!

وفات..... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصر میں وفات پائی۔
نسب کی تحقیق..... ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے جلال کی حالت میں فرمایا کہ تم لوگوں کو جو پوچھنا ہو پوچھو، اس وقت جو بات پوچھو گے بتاؤں گا، آپ نے اٹھ کر پوچھا میرا باپ کون ہے، فرمایا، ابو حذیفہ! سچ آپ کی ماں نے سنا تو کہا کہ تم نے رسول سے کتنا خطرناک سوال کیا تھا، اگر خدا نخواستہ وہ کچھ اور بتاتے تو میں سب کے سامنے رسوا ہوتی، جواب دیا کہ میں نسب کی تحقیق

کرنا چاہتا تھا۔

فضل و کمال..... آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے ایک بخاری میں بھی ہے
آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو داؤد، سلیمان اور ابن یسار قائل ذکر ہیں۔

حضرت حجاجؓ بن علاط

نام و نسب حجاج نام، ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، حجاج بن علاط بن خالد بن نویرہ ابن خضر بن ہلال میں عبید بن ظفر بن سعد بن عمرو بن بہز بن عمرو القیس بن یہش بن سلیم بن منصور سلمیٰ بن۔

اسلام حجاج خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جا رہے تھے، راستہ میں ایک بھیا تک وادی میں رات ہو گئی اس لئے سب لوگ وہیں شب باش ہو گئے، حجاج سب کی پاسبانی کرنے لگے، اتنے میں کوئی شخص تلاوت کرتا سنائی دیا۔

بما معشر الجن و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات و الارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان (رحمن)
اے جن و انس کے گروہ، اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے۔

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا، انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو گئے، یہ تو وہی کلام ہے، جو محمدؐ کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے، حجاج نے اس واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آ کر مشرف باسلام ہو گئے۔
ہجرت ان کی بیوی مکہ میں رہتی تھیں اور کل مال و متاع بھی وہی تھا، اسلام لانے کے بعد کل اثاثہ مدینہ منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی، ورنہ مشرکین کا دست تظادل دراز ہو جاتا، لیکن وہ لوگ مشتبہ ہو چکے تھے، آسانی سے لانا بھی ممکن نہ تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک تدبیر کی اجازت مانگی، آپ نے مصلحت دے دی، یہ اجازت لے کر مکہ گئے قریش نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنا شروع کیے، انہوں نے کہا محمد ﷺ نے بہت سخت شکست کھائی، ان کے تمام ساتھی مارے گئے وہ خود گرفتار کر دیئے گئے ہیں اور عنقریب تم لوگوں کے سامنے لا کر قتل کیے جائیں گے، قریش کے لئے اس سے بڑھ کر مژدہ کیا ہو سکتا تھا، ان کی آن میں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی اس طرح مشرکین کو خوش کر کے کہا محمد ﷺ کا ساز و سامان فروخت ہو رہا ہے، اگر تم لوگ کوشش کرو تو آسانی سے وصول ہو سکتا ہے، سب اس ”کار خیر“ کے لئے تیار ہو گئے اور کوشش کر کے کل بقایا وصول کر دیا، اس کے بعد گھر کا کل اندوختہ لیا، حضرت عباسؓ کے

کانوں تک یہ خبر پہنچی تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود واقعہ کی تحقیق کے لئے بھی نہ آ سکے اور ایک لڑکے کی زبانی بلا بھیجا، حجاج ان کے پاس گئے، اور ان کو تخیلہ میں لے جا کر اصل واقعہ سنایا کہ میں نے روپیہ وصول ہو جانے کے لئے یہ خبر مشہور کی تھی، میں خود شرف باسلام ہو چکا ہوں، اگر اہل مکہ کو اس کی خبر ہو جاتی تو ایک جبہ بھی نہ دیتے آنحضرت ﷺ خدا کے فضل سے بالکل محفوظ ہیں، خیبر کا میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور آنحضرت ﷺ جیسی بنی اہل بیت کی خبر کی لڑکی کے ساتھ ایام عروسی بسر کر رہے ہیں، لیکن جب تک میں ان کی زد سے نہ نکل جاؤں اس وقت تک اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا، چنانچہ تین دن تک حضرت عباسؓ بالکل خاموش رہے، چوتھے دن جب اطمینان ہو گیا کہ حجاج اہل مکہ کی دسترس سے باہر ہو گئے تو کپڑے بدل کر حجاج کے مکان پر گئے، اور ان کی بیوی سے واقعہ بیان کیا، پھر مسجد میں آئے، یہاں بھی وہی تذکرہ تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح کر لیا، جیسی بنی اہل بیت کی لڑکی ان کی زوجیت میں آئی، بنی ابی حنیق سرداران یثرب کی گردنیں اڑادی گئیں اور حجاج اپنا مال و متاع لے کر روانہ ہو گئے، لوگوں نے پوچھا تم نے کس سے سنا، فرمایا حجاج سے ان لوگوں نے ان کی بیوی سے تحقیق کیا تو واقعہ سچ نکلا، اس کے پانچویں دن مدینہ سے بھی خبریں آ گئیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، حجاج قابو سے نکل چکے تھے، اس لئے خاموش ہو گئے۔

غزوات..... خیبر کے کچھ ہی دنوں پہلے شرف باسلام ہوئے، اس لئے سب سے پہلے اسی غزوہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ کے زمانہ میں مدینہ سے باہر تھے، آنحضرت ﷺ نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کو بلوا بھیجا۔

تعمیر مکان و مسجد..... حجاج جو دولت مند تھے، اور اپنا کل اثاثہ مکہ سے لے آئے تھے چنانچہ مدینہ میں اپنا ذاتی مکان بنوایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔

وفات..... وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ عہد فاروقی کی ابتدا میں وفات پائی اور دوسری یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے، لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے، جنگ جمل میں یہ خود نہیں بلکہ ان کے لڑکے معرض قتل ہوئے تھے۔

تمول..... حجاج تمام صحابہ میں مال و دولت سے ممتاز تھے، اور بنو سلیم کی کانیں ان ہی کی ملکیت میں تھیں۔

اولاد..... حجاج کے متعدد اولادیں تھیں، ایک معرض جو جنگ جمل میں کام آئے اور دوسرے غمر، یہ اس قدر حسین تھے، کہ اکثر عورتیں ان پر شیفہ ہو جاتی تھیں، اسی خطرہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ سے بصرہ منتقل کر دیا تھا۔

حضرت ابو برزہ سلمیٰ

نام و نسب فضلہ نام، ابو برزہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، فضلہ بن عبد اللہ بن حارث ابن جہال بن ربیعہ بن وعل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم بن اقصیٰ سلمیٰ۔ اسلام و غزوات دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اسلام کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے، فتح مکہ میں خون کا ایک قطرہ نہیں گرا تھا، اور رحمت عالم نے تمام دشمنان اسلام کے لئے غنودہ درگزر کا اعلان فرمادیا تھا، چند معاندین جن کا عناد اور جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی البتہ اس سے مستثنیٰ تھے اور ان کا خون ہر کر دیا گیا تھا، ان میں ایک عبد اللہ بن نطل تھا، یہ پہلے اسلام لا چکا تھا، مگر اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر دیا، اور اسلامی عدالت کے قانون قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، (زر قانی فتح مکہ) اس کی دو طوائفیں تھیں جو بازاروں میں آنحضرت ﷺ کی بھوکاتی پھرتی تھیں، اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو امان کے لئے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر ننگ گیا، آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ وہ کعبہ کے غلاف کی پناہ میں ہے، آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو، آقا کا اشارہ پاتے ہی ابو برزہؓ نے قتل کر دیا، ۳۔

ابو برزہؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر میں رہنے لگے، جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، نہروان میں خارجیوں کا مقابلہ کیا، پھر خراسان کی فتوحات میں مجاہدہ شریک ہوئے۔ ۴۔

وفات زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض ۲۰ھ اور بعض ۶۵ھ بتاتے ہیں، دوسری روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مروان اور ابن زبیر کے ہنگاموں تک زندہ تھے، اور کہتے پھرتے تھے، کہ یہ سب دنیا کے لیے جھگڑتے ہیں، ۵۰ وفات کے بعد ایک لڑکا مغیرہ یادگار چھوڑا۔

فضل و کمال ابو برزہؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا کافی موقع ملا، اس لئے احادیث نبوی کی معتد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، انکی روایات کی مجموعی تعداد ۶۴ ہے، ان میں ۲۷ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۲ بخاری میں اور ۴ مسلم میں منفرد ہیں۔ ۵۔

ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغیرہ، ابو منہال ریاچی، ارزق بن قیس، ابو عثمان نہدی، ابو العالیہ ریاچی، کنانہ ابن نعم ابو الزراع، رابی، ابو الوضی، سعید بن عبد اللہ، ابو السواری عدوی، ابو طالب، عبد السلام وغیرہ۔
زہد و عفاف..... حضرت ابو ہریرہؓ میں زہد و عفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا، نہ بھی بیش قیمت کپڑا پہنا اور نہ گھوڑے پر سوار ہوئے، گیسوے رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے، ان کے ایک معاصر عائد بن عمر بیش قیمت کپڑا بھی پہنتے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے، ایک شخص نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈالوانے کے خیال سے عائد سے آکر کہا، ابو ہریرہؓ کو دیکھئے، وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپکی مخالفت کرتے ہیں، آپ خز (ایک بیش قیمت کپڑا) استعمال کرتے ہیں، اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتے ہیں، لیکن صحابہ کی اخوت لباس اور طرز معاشرت کے اختلاف سے بلندگی، جواب دیا، خدا ابو ہریرہؓ پر رحم کرے، آج ہم میں ان کے رتبہ کا کون ہے، یہاں سے مایوس ہو کر یہ شخص ابو ہریرہؓ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا عائد کو دیکھئے، آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے، گھوڑ سواری میں ہے، خز کا لباس زیب تن ہے، مگر یہاں بھی وہی جواب ملا کہ خدا عائد پر رحم کرے، ہم میں ان کا ہر رتبہ کون ہے؟

مسکین نوازی..... مسکین نوازی ان کا خاص شعار تھا، صبح و شام معمولاً فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے، حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ ایک کاسہ ثرید (ایک قسم کا عربوں کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک کاسہ شام بیواؤں، یتیموں اور مساکین کو کھلاتے ہیں۔
احترام نبوت..... ذات نبویؐ کے ساتھ کسی قسم کا طنز و مسخر برداشت نہیں کر سکتے تھے، عبد اللہ ابن زید کو حوض کوثر کے متعلق کچھ پوچھنا تھا، اس نے لوگوں سے پوچھا، حوض کوثر کے متعلق کون بتا سکتا ہے، انہوں نے ابو ہریرہؓ کا نام لیا، عبید اللہ نے ان کو بلا بھیجا یہ گئے، اس نے آتے دیکھا تو بہ سبیل استہزاء کہا کہ تمہارے یہ محمدی ہیں ابو ہریرہؓ نے برہمی سے جواب دیا، خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ رہا جس میں شرف صحبت پر عار دلایا جاتا ہے، اور اس برہمی کی حالت میں تخت پر بیٹھ گئے، عبید اللہ نے اپنا سوال پیش کیا، انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس (حوض کوثر) کو جھٹلائے گا، وہ نہ اس کے پاس جانے پائے گا اور نہ خدا اس کو اس سے سیراب کرے گا یہ کہا اور اٹھ کے چلے آئے۔

حضرت ہشام بن عاص

نام و نسب..... ہشام نام، ابو معیط کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، ہشام بن عاص بن وائل ابن ہاشم بن سعید بن بہم قرشی، اموی، مشہور صحابی عمرو بن عاص فارح کے چھوٹے بھائی تھے۔ اسلام و ہجرت..... خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں، گو ہشام عمرو بن العاصؓ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا، چنانچہ عمرو بن العاصؓ جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت ہشام کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا، اسلام کے بعد مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے، کچھ دنوں رہ کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے، یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا، لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا، عرصہ تک محصور رہے، غزوہ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔ غزوات..... بدر، احد اور خندق وغیرہ کی لڑائیاں ان کے ایام اسیری میں ختم ہو چکی تھیں، البتہ خندق کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سب میں واد شجاعت دی۔

عہد خلفاء..... ہشام اس خاندان کے ممبر تھے، جو سپہ سالاری کے عہدہ جلیل کا حامل اور اپنی شجاعت و شہامت میں ممتاز تھا، اس لئے کواروں کی چھاؤں میں ان کی نشوونما ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ان کی تلوار کے جوہر چمکے، پھر عہد فاروقی میں شام کی مہم میں شریک ہوئے، ایک ہی دو معرکوں کے بعد اجنادین کا معرکہ پیش آیا، اس قبضہ، اور تدارق رومی میں سپہ سالار آئین لشکر جرار کے ساتھ اجنادین میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے، جمادی الاولیٰ ۳۱ھ میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، مسلمانوں میں کچھ کمزوری پیدا ہو چلی تھی، ہشامؓ نے دیکھا تو جوش میں آکر سر سے خود اتار کر پھینک دی اور لکار کر بولے مسلمانو! یہ غیر مختون تلوار کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو، یہ کہہ کر رومیوں کی صفیں چیرتے ہوئے قلب لشکر میں گھستے چلے گئے اور مسلمانوں کو غیرت دلاتے جاتے تھے کہ

۱۔ شیعاف جلد ۲ ص ۶۱۱ کنیت اسامہ میں ہے۔

۲۔ مستدرک عالم جلد ۳ ص ۲۳۰۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۳۰۔

مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں، میرے ساتھ آؤ تم لوگ جنت میں بھاگتے ہو، اسی طرح للکار تے شجاعت اور بہادری سے لڑتے مارتے شہید ہو گئے، حضرت عمرؓ کا علم ہوا تو فرمایا خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے، اسلام کے بہترین مددگار تھے۔ ع

ہشام کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ چند قریشی خانہ کعبہ کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ عمرو بن العاصؓ طواف کرتے ہوئے گزرے، ان کو دیکھ کر لوگوں نے آپس میں سوال کیا کہ ہشام افضل تھے، یا عمرو بن العاصؓ عمرو بن العاصؓ نے اس کو سن لیا، طواف ختم کرنے کے بعد آکر پوچھا، تم لوگ کیا باتیں کرتے تھے، انہوں نے کہا ”تمہارا اور تمہارے بھائی کا مقابلہ کر رہے تھے، کہ دونوں میں کون افضل ہے“ کیا میں تم کو ایک واقعہ سنا تا ہوں اس سے فضیلت کا اندازہ ہو جائے گا، ہم اور وہ دونوں یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے اور رات بھر شہادت کے لئے دست بدعا رہے، صبح ہوئی تو ان کی دعا کا ثمرہ مل گیا اور میری دعا نامقبول ہوئی، اس سے تم فضیلت کا اندازہ کر لو۔ ع

فضائل..... اسلام کی پختگی کا آخری درجہ ایمان ہے، ہشامؓ کا اسلام اسی درجہ میں تھا، خود زبان نبوتؐ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ابن العاص مومنان یعنی ہشامؓ و عمرؓ۔ ع

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰، شہادت کا ذکر ابن اثیر جلد ۲ فتوح البلدان باب ۱۲۰ ص ۱۲۰ میں بھی ہے،

۲۔ ابن سعد ج ۲ ق ۴ ص ۱۴۳،

۳۔ ابن سعد ج ۲ ق ۴ ص ۱۴۱، اس روایت میں اجنادین کے بجائے یرموک کا نام ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے، یا ان دونوں لڑائیوں کی قربت کی وجہ سے خود عمرو بن العاصؓ کو التباس ہو گیا، ورنہ اجنادین میں ان کی شہادت طے شدہ ہے،

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳

حضرت قدامہ بن مظعون

نام و نسب قدامہ نام، ابو عمر کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، قدامہ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن خذافہ بن جمح القرشی الجمحی، قدامہ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔
اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز میں دولت اسلام سے بہرور ہوئے اور اپنے بھائی عثمان اور عبد اللہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ۲

مغازی پھر حبشہ سے مدینہ آئے، اور سب سے پہلے غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور احد، خندق وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔ ۳

بحرین کی گورنری حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں قدامہؓ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا، اسی زمانہ میں ان پر شراب نوشی کی حد جاری ہوئی، گو حضرت عمرؓ کے سامنے انہوں نے اس جرم کا اقرار نہیں کیا، اور بدری صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کا بیان لائق اعتماد تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک شہادت جرم ثابت ہو گیا تھا، اس لئے آپ نے حد جاری کی اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ چارودہ بن عبد قیس کا سردار حضرت عمرؓ کے پاس قدامہؓ کی شراب نوشی کی شکایت لے کر آیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمہارے علاوہ اور کون شاہد ہے، عرض کیا! ابو ہریرہؓ، ان کو بولا کہ پوچھا انہوں نے شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ نشے میں تے کرتے ہوئے دیکھا حضرت عمرؓ نے فرمایا، صرف اتنی شہادت سے جرم نہیں ثابت ہوتا، مزید تحقیقات کے لئے قدامہؓ کو بحرین سے طلب کیا، جب وہ آئے تو چارودہ نے حضرت عمرؓ سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم شاہد ہو یا فریق! کہا شاہد، فرمایا بس شہادت کا فرض ادا کر چکے، اب تم خاموش رہو، تیسری مرتبہ پھر چارودہ نے قسم دلا کر حد کا مطالبہ کیا، اس اصرار پر حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا، آپ نے فرمایا تم اپنی زبان قابو میں رکھو، ورنہ مجھ کو تنبیہ کرنی پڑے گی، چارودہ نے کہا عمر! یہ انصاف سے بعید ہے، کہ تمہارا ابن عمر شراب پیئے، اور تم اس لئے میری تنبیہ کرو، ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر آپ کو شک ہو تو قدامہؓ کی بیوی کو بلا کر پوچھ لیجئے، آپ نے ان کی بیوی ہندہ کو بلا کر شہادت طلب کی، انہوں نے ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی، اس پر عدل فاروقی جوش میں

آگیا، اور فرمایا قد امہ! حد کے لئے تیار ہو جاؤ، قد امہؑ نے کہا، اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے بموجب شراب پی بھی تو آپ کو اجرائے حد کا حق نہیں ہے، فرمایا کیوں! عرض کیا خدا فرماتا ہے۔

ليس على الذين امنوا و عملوا الصلحت جناح فيما طعموا اذا

ما اتقوا و امنوا و عملوا الصلحت (ماندہ ۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو جو کچھ انہوں نے (تحریم کے قبل) کھا

یا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

فرمایا تم تادیل میں غلطی کر رہے ہو، اگر تم خدا سے ڈرتے تو قطعی حرام چیزوں سے احتراز کرتے، اس وقت حضرت قد امہؑ بیمار تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مشورہ سے کچھ دنوں کے لئے حد کا اجراء ملتوی کر دیا، لیکن اثبات جرم کے بعد اجرائے حد میں تاخیر آپ کے لئے بار تھی، اس لئے لوگوں سے دوبارہ مشورہ کیا، اس مرتبہ بھی سب نے التوا کا مشورہ دیا، فرمایا مجھ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ کوڑوں کے نیچے خدا سے ملیں، بہ نسبت اس کے کہ میں خدا سے ملوں اور ان کا بار میری گردن پر ہو، غرض ابی پیاری کی حالت میں حد جاری کی، اور قد امہؑ سے تعلقات منقطع کر لئے، کچھ دنوں کے بعد دونوں نے ساتھ حج کیا، لوٹتے وقت ایک مقام پر حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی، خواب میں آپ کو قد امہؑ سے صفائی کرنے کی ہدایت ہوئی، بیدار ہوتے ہی قد امہؑ کو بلوایا، مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا دوسری مرتبہ پھر آدمی بھیجا کہ اگر آسانی سے نہ آویں تو زبردستی لایا جائے، چنانچہ وہ آئے اور آپ نے خود گفتگو کی ابتدا کی اور پھر بدستور تعلقات قائم ہو گئے۔

وفات عمر کے ۶۸ مرحلہ طے کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے عہد خلافت ۳۵ھ میں وفات پائی۔

اہل و عیال آپ کے تین بیویاں اور ایک لونڈی تھی، جن سے سب ذیل اولادیں ہوئیں۔

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت ولید	عمر، قاطمہ
قاطمہ بنت ابی سفیان	عائشہ
صفیہ بنت خطاب	رملہ
ام ولد	حفصہ

حضرت ابواحمد بن جحش

نام و نسب..... عبدالنام، ابواحمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبد بن جحش بن رباب بن یحمر بن جبیر ابن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر، ان کی والدہ اسمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اور ام المومنین حضرت زینب کے حقیقی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت..... وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبیدہ اللہ کے ساتھ دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اور بھائیوں ہی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، اور مبشر بن عبدالمندر کے گھر مہمان ہوئے۔ ابوسفیان کی شرارت..... مکہ میں ایک جماعت تھی، جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کو اذیت دینا تھا، ابوسفیان اور ابو جہل اس کے سرغنہ تھے، ابواحمد ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لئے براہ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا، فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے، اور دشمنان اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں اس وقت ابواحمد نے سب کے سامنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے چپکے سے کچھ کہلادیا، انہوں نے ابواحمد کے کان میں جا کر کہہ دیا، اس کے بعد پھر آخر دم تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہا یا تھا، کہ تم اس سے مکان کو جانے دو، اس کے عوض میں تم کو خلد بریں قصر ملے گا۔

وفات..... سن وفات صحیح طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن ۳۰ھ کے قبل وفات پا چکے تھے، کیونکہ ان کی بہن حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور یہ ان کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔

ازواج و اولاد..... اولاد کوئی نہ تھی، مگر میں تنہا بیوی تھیں، ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ، عباس

۱ ابن سعد ج ۳ ص ۶۷۱

۲ ابن سعد جز ۲ ص ۶۷۱

۳ تنبیہ ص ۲۴۱

بن مطلب اور ابو جہل ادھر سے گزرے، رفاعہ کو تنہا دیکھ کر عتبہ نے ٹھنڈی سانس لی کہ ”افسوس آج بنی جنش کے گھر میں کوئی رہنے والا تک نہیں“ ابو جہل جو اپنی کینہ پروری کا ہر جگہ ثبوت دیتا تھا، بولا ان پر روتے کیا ہو، یہ سب ہمارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے، ان ہی نے ہمارا شیرازہ ورہم برہم کیا۔

فضل و کمال..... شاعری قریش کا طغرائے کمال تھا، حضرت ابواحمدؓ بھی شاعر تھے، چنانچہ ابوسفیان نے ان کو گھر بھیجا تو انہوں نے ایک منظوم شکایت لکھی، جس کے دو شعر یہ ہیں۔

اقطعت عقدک بینا

والجاریات الی ندامہ

دار ابن عمک بعثنا

نثری بہا عنک الندامہ

حضرت عمرو بن سعید بن العاص الاکبر

نام و نسب..... عمرو نام، ابو عقبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن سعید العاص بن امیہ بن عبد شمس القرشی الاموی، ماں کا نام صفیہ تھا، قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت عمرو خالد بن ولیدؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت..... ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعید مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے کچھ دنوں کے بعد عمرو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس کا ایک شعر یہ ہے

الایب منابا نظریۃ شاہد

لم یافتری فی الدین عمرو خالد

ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ
”کاش ظریبہ کا مرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افتراء پر دازی کی ہے۔“

حضرت عمروؓ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا آخری شعر یہ ہے

فدع عسک میتا قدمی بسیلہ

واقبل علی الحق الدی هو اظہر

”اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی

طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل عیاں ہے۔“

عمرو بن سعید نے اپنے بھائی خالد کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی فاطمہ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ غزوہ خیبر کے دوران میں مدینہ آئے۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

امارت آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ کے مغربی مقامات تبوک، خیبر اور فدک وغیرہ کا عامل مقرر کیا، جہاں وہ حیات نبوی تک اپنی خدمات نہایت جانفشانی سے انجام دیتے رہے، آنحضرت ﷺ کی خبر وفات سن کر وہاں سے واپس ہوئے واپسی کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تم سے زیادہ امارت کا کون مستحق ہو سکتا ہے، ۴ اور دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔ ۵

فتوحات شام اور وفات امارت سے واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، عمرو بھی اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ۳۱ھ میں اجنادین کے معرکہ میں نہایت جوش و خروش سے لڑے، جب مسلمانوں کے پیروں میں زرا بھی اغرش ہوئی تو یہ للکار کر ثبات و استقلال پر آمادہ کرتے، ایک مرتبہ جوش میں آکر کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کا میدان جنگ میں پلہ کمزور نہیں دیکھ سکتا، اب میں خود گھستا ہوں یہ کہہ کر دشمنوں کے قلب میں گھستے ہوئے گئے اور بڑی بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا شمار کرنے پر تیس سے زیادہ زخم جسم پر نکلے۔ ۶

۵ اصحابہ جلد ۴ ص ۳۰۱

۶ ایضاً ص ۳۲۲

۷ استیعاب بعد ص ۱۵۵

۸ واقعہ کی تفصیل اصحابہ جلد ۴ ص ۳۰۱ سے ماخوذ ہے لیکن شہادت کا تذکرہ فتوح البلدان بلاذری فتح اجنادین میں

حضرت مسطحؓ بن اثاثہ

نام و نسب..... عوف نام، ابو عباد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب ابن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی، عوف حضرت ابوبکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، اسلام و غزوات..... مسطح بہت ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے، البتہ ہجرت کا وقت متعین نہیں ہے، لیکن بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے، اور بدر میں شریک تھے، بدر کے بعد اور غزوات میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ غزوہ بنو مصطلق جس میں اٹک کا واقعہ پیش آیا، یہ شریک تھے اور اس فتنہ میں ان کا دامن بھی محفوظ نہ رہ سکا، جب منافقین نے یہ واقعہ مشہور کیا تو بعض صحابہؓ بھی ان کے دام فریب میں آ گئے، ان میں ایک مسطح بھی تھے جنگ سے واپسی کے بعد انہوں نے یہ واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا، وہ حضرت عائشہ کے پاس گئیں اور کسی بات پر مسطح کو بدعادی، حضرت عائشہ نے کہا تم بدری صحابی کو بدعادیتی ہو، انہوں نے کہا تم کو نہیں معلوم، ان لوگوں نے کیا افتراء پردازیاں کی ہیں اور کل واقعہ حضرت عائشہ کو سنایا، حضرت عائشہؓ کو اس افتراء پردازی کا سب سے پہلے ان ہی کے ذریعہ سے علم ہوا، مسطح حضرت ابوبکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، اس لئے وہ ان سے مسلوک ہوتے رہتے تھے، جب انہوں نے اٹک کے واقعہ میں شرکت کی اور قرآن پاک نے اس کو افتراء قرار دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو امداد کرنا بند کر دی اور فرمایا کہ اب مسطح پر ایک حصہ نہیں خرچ کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و لا یاتل اولوا الفضل منکم و السعة ان یوتوا اولی القربی و
المسکین و المهاجرین فی سبیل اللہ و لیعفووا و لیصفحوا الا
تحبون ان یغفر اللہ لکم و اللہ غفور رحیم (نور: ۲)

تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور صاحب قدرت ہیں، وہ قرابت والوں محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو امداد دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کر دیں، اور درگزر کریں، مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مدد کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد پھر حضرت ابوبکرؓ صدیق بدستوران کی خبر گیری کرنے لگے، لیکن چونکہ ایک محضہ پر تہمت لگائی تھی اور اس کی سزا قرآن نے یہ تجویز کی تھی۔

و الذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا بأربعة شہداء

فاجلدوہم ثمانین جلدۃ (نور . ۴)

یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں تو ان کو

اسی کوڑے لگائے۔

اس لئے دوسرے لوگوں کے ساتھ ان پر بھی حد جاری ہوئی۔

وفات..... زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے ۳۳ھ عہد عثمانی میں وفات ثابت ہوتی ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے عہد تک زندہ تھے، اور جنگ صفین میں ان کی حمایت میں لڑے اور اسی سال ۳۷ھ میں انتقال فرمایا، وفات کے وقت ۵۶ سال کی عمر تھی، آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

بدکردار مرد بدکار عورت یا مشرک سے نکاح کر لیا اور بدکردار عورت کو بدکار مرد

یا مشرک سے سوا کوئی نکاح میں نہ لائے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔

شہادت..... بنو عضل وقارہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے مذہبی تعلیم کے لئے چند معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی، آپ نے ان کی درخواست پر باختلاف روایت حضرت مرثد یا عاصم بن ثابت کی زیرامارت ایک جماعت بھیجی، یہ لوگ مقام رجع تک پہنچے تھے کہ بنو ہذیل اچانک ننگی تمواریں لئے ہوئے آگئے اور کہا ہمارا مقصد تمہارا خون بہانا نہیں ہے بلکہ تمہارے بدلہ میں اہل مکہ سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تمہاری حفاظت جان کا عہد کرتے ہیں، حضرت مرثد، خالد اور عاصم نے کہا کہ ہم مشرکین سے کسی قسم کا عہد کرنا نہیں چاہتے اور تینوں نے لڑکر جان دی۔

فضل و کمال..... فضل و کمال کے ثبوت کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ مذہبی تعلیم کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں انتقال کر گئے، اس لئے ان کے علمی جوہر کھلنے نہ پائے تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں۔

حضرت ابورہم غفاری

نام و نسب کلثوم نام، ابورہم کنیت، ”منخور“ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، کلثوم بن حصین بن خالد عسفی بن زید بن عثم بن احمس بن غفار۔

اسلام آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

غزوہ احد سب سے پہلے احد میں شریک ہوئے اور ایک تیر سینہ پر کھا کر نشان امتیاز حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگایا، چونکہ سینہ پر آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگایا تھا، اور سینہ کو ”نحر“ کہتے ہیں اس مناسبت سے لوگ ان کو ”منخور“ کہنے لگے۔

صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، اور بیعت رضوان میں شرف بیعت حاصل کیا۔

اس کے بعد غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، اور مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دو ہزار حصہ دیا۔

فتح مکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اس میں اس سے بھی بڑا یہ شرف حاصل ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے نکلے تو مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا گئے اس کے علاوہ عمرہ القضاء میں بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔

طائف کے محاصرہ میں بھی شریک تھے، واپسی کے وقت یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی کے بعد ہرانہ کی طرف چلے تو ابورہم کی اونٹنی آپ کی اونٹنی سے بھڑگنی اور ان کے جوتے کا کنارہ ران مبارک سے رگڑ کھا گیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی خراش سے تکلیف ہوئی، آپ نے ان کے پاؤں کو کوڑے سے کوچ کر فرمایا پاؤں ہٹاؤ، میری ران میں خراش آگئی، ابورہم بہت خوفزدہ ہوئے کہ مبادا وحی کے ذریعہ اس گستاخی کی تنبیہ نہ ہو، صبح کو جب قافلہ ہرانہ پہنچ کر خیمہ زن ہوا تو ابورہم حسب معمول اونٹ چرانے نکل گئے، مگر دل میں یہ خطرہ لگا رہا، اس لئے واپس آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا تو بظاہر اس خطرہ کی صحت کے آثار نظر آئے، معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا تھا، چنانچہ یہ ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہوئے

لیکن یہ قصیر و کسر کی کی شہنشاہی نہ تھی، جس میں ادنی گستاخی بھی سخت ترین پاداش کا مستحق بنا دیتی ہے، بلکہ رحمۃ للعالمین کے لطف و کرم کا دربار تھا، جس میں آقا غلام، مالک اور مملوک کا کوئی امتیاز نہیں اور جس کی تعزیرات میں غیظ و غضب، سزا اور انتقام سے زیادہ لطف و ترحم کی دفعات ہیں، چنانچہ جب یہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو تکلیف پہنچائی تھی، اس کے بدلہ میں میں نے تمہارے پیر کو کوڑے سے ہٹایا تھا، اب اس کے عوض یہ بکریاں انعام میں لو، حضرت ابورہمؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس وقت کی رضامندی میرے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر تھی۔

غزوہ تبوک میں بھی شریک ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے اور بہت سے قبیلہ والوں کو شریک کیا، اس غزوہ میں عرب میں ایسا نقطہ اور ایسی شدت کی گرمی تھی کہ لوگوں کا گھروں سے نکلتا دشوار تھا، اور منافقین مسلمانوں کو شرکت جنگ سے منع کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ جب ابورہمؓ نے حسب معمول دوسرے غزوات کی طرح اس میں بھی شرکت کے لئے تیاریاں شروع کیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم جا کر اپنے قبیلہ والوں کو جنگ پر آمادہ کرو، اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے قبیلہ غفار کے بہت سے لوگوں کو شرکت پر آمادہ کر دیا، اور ان کی معتد بہ تعداد اس غزوہ میں شریک ہوئی۔

اتفاق سے اس مرتبہ بھی واپسی میں ان کی سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے پہلو میں تھی، رات کا وقت تھا، بار بار غنودگی طاری ہو جاتی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ کی سواری سے بھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا، اس لئے جہاں ایسا موقع آتا وہ فوراً اپنی سواری ہٹا لیتے۔

وفات وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضل و کمال آپ سے دو حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت عمرو بن امیہ

نام و نسب عمرو نام، ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبد اللہ ابن یاس بن عبید بن ناثرہ بن کعب بن جدی بن حمزہ بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ کنانی۔ اسلام بدر اور احد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر و احد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا، وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا۔ بیر معونہ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۳ھ میں ابو براء قبیلہ کلاب کے رئیس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ کچھ مسلمان ہمارے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجے آپ نے فرمایا مجھ کو نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن اس کی ضمانت کے بعد ستر آدمیوں کی جماعت منذر بن عمرو کی ماتحتی میں بھیج دی، ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کا دعوت نامہ عامر بن طفیل کے پاس بھجوا دیا، اس نے ان کو قتل کر دیا، اور عصیہ، رعل اور ذکوان وغیرہ کے قبائل میں منادی کرادی، یہ سب جمع ہو گئے، یہاں جب حرام کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمان ان کی تلاش میں نکلے لیکن آگے بڑھ کر رعل و ذکوان وغیرہ کا سامنا ہو گیا ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی پوری جماعت تہ تیغ کر دی، صرف حضرت عمرو بن امیہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر کہ ”میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی“ چھوڑ دیا، اور نشانِ ذلت کے طور پر پیشانی کے بال تراش لئے، یہ واپس ہو رہے تھے، کے راستہ میں دو کلابی شخص ملے، ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے امان دے دی تھی، لیکن عمرو کو معلوم نہ تھا، اس لئے دونوں کو قصاص میں قتل کر دیا آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا، اور دونوں کی دیت ادا کی۔ ۳

حضرت عمروؓ کی سفارت اور نجاشی کا اسلام ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو نجاشی کے پاس دعوت اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوت اسلام کے علاوہ مہاجرین کی مین میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہؓ (جو اس وقت مہاجرین حبش کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کے ساتھ نکاح کا قیام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفر کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور آنحضرت ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں ایک عریضہ لکھا،

جس میں اسلام کا اقرار، قدم بوسی کی تمنا اور مہاجرین کی میزبانی وغیرہ کا ذکر تھا، اس کے بعد نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیام دیا، اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر منجمل ادا کیا۔

ایک سریہ اس سفارت کے بعد ابوسفیان کی ایک شرارت کا بدلہ لینے کی خدمت سپرد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان قریش کے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کر رہا تھا، ایک اعرابی نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ابوسفیان نے ضروری سامان مہیا کر دیا، وہ مدینہ پہنچا، آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے یہ بھی وہیں پہنچا، لیکن آنحضرت ﷺ اس کی نیت ناگزینے فرمایا کہ یہ کوئی فریب کرنا چاہتا ہے، اعرابی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے جھپٹ کر دبوچ لیا، اعرابی کے ازار سے خنجر گرا، جرم کھلا ہوا تھا، کسی شاہد کی ضرورت نہ تھی، لیکن رحۃ للعالمین نے معاف کر دیا، اس نے پورا پورا واقعہ سنایا، چونکہ اس جرم کا اصل بانی ابو سفیان تھا اور اس کی بدولت اہل مدینہ اور قریش کی باہمی جنگ کی سی حالت قائم تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم کو اس غرض سے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو اس فتنہ کے بانی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے، یہ دونوں بزرگ مکہ پہنچے، لیکن معاویہ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی، ان لوگوں نے کہا، ان کا آنا بے سبب نہیں ہے اور یہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے ان لوگوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو مکہ سے نکل گئے راستہ میں عبید اللہ بن مالک اور بنو ندیل کا ایک آدمی ملا، عمروؓ نے عبید اللہ کا اور سلمہ نے دوسرے شخص کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد قریش کے دو جاسوس ملے جو ان ہی کی تلاش میں پھر رہے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ان میں سے بھی ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔

وفات امیر معاویہؓ کے آخری عہد امارت ۶۰ھ کے قبل مدینہ میں وفات پائی۔

اولاد جعفر، عبد اللہ اور فضل تین لڑکے یادگار تھے۔

فضل و کمال فضل و کمال میں گو کوئی ممتاز حیثیت نہ تھی، تاہم ان کی ۲۰ روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، علامہ میں ذیل کے نام ہیں، عبد اللہ، جعفر، فضل، زبرقان، شععی، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، ابو قلابہ، جری اور ابو المہاجر۔

عام حالات شجاعت و شہامت اور جرأت و دلیری میں عرب کے ممتاز لوگوں میں تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرماتے تھے۔

۱ ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۶۸

۲ طبری ص ۱۵۶، ۱۵۷

۳ تہذیب العربین ج ۸ ص ۶

۴ تہذیب الکمال ص ۲۸

۵ تہذیب العربین ج ۸ ص ۶

۶ تہذیب الکمال ص ۲۸

۷ مد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۶

حضرت ابان بن سعید بن العاص

نام و نسب ابان نام، سلسلہ نسب یہ ہے، ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القریشی الاموی، ماں کا نام ہند بنت مغیرہ تھا، ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت پر عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔
زمانہ جاہلیت اسلام لانے کے قبل ابان بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، چنانچہ جب ان کے بھائی خالدؓ اور عمرو مشرفؓ باسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہار ناراضگی کیا، جس کا ایک شعر یہ ہے

الا لیت میتا بالظریہ شاہد

لما یفسری فی الدین عمرو و خالد

کاش ظریہ میں موت کی غیند سونے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا

افتراء کیا ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے، عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، لیکن ابان بچ کر نکل گئے،

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس صلح کی گفت و شنید کے لئے بھیجا تو وہ ابان ہی کے یہیں مہمان ہوئے تھے، کیوں کہ یہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے، اور ان ہی نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔

ایک راہب سے گفتگو گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف تھے تاہم اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارہ میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے، اس وقت شام اصحاب علم و خبر کا مرکز تھا، یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا فرستادہ ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے، راہب نے نام پوچھا، انہوں نے کہا محمدؐ راہب نے صحف آسمانی کی رو سے بنی مبعوث کا

نسب وغیرہ بتایا، ابان نے کہا یہ تمام باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں، راہب نے کہا تو خدا کی قسم وہ شخص عرب پر اقدار حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا، تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندے تک میرا سلام پہنچا دینا، چنانچہ ابان جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پر خاش باقی نہ رہی۔

اسلام و ہجرت..... کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبہ حق نہ دب سکا اور خیر کے قبل مشرف باسلام ہو گئے، اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

غزوات..... اسلام لانے کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر نجد روانہ کیا، وہاں سے کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو خیر فتح ہو چکا تھا، اسی وقت حضرت ابو ہریرہؓ بھی مہاجرین حبش کے ساتھ واپس ہوئے تھے، دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ خیر کے مال غنیمت سے کچھ ہم لوگوں کو بھی مرحمت ہو، ان میں اور حضرت ابو ہریرہؓ میں پہلے سے کچھ چشمک تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ان لوگوں کو نہ دیجئے، ابان کو غصہ آ گیا بولے پہاڑ کی بھیڑی اتری وہ بھی بولی! آنحضرت ﷺ نے دونوں کو خاموش کیا،

نجد کی مہم کے علاوہ ان کو دوسرے سریوں کی امارت بھی عطا کی گئی۔

بحرین کی امارت..... علاء بن حضرمی کو معزول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بحرین کے بری اور بحری دونوں حصوں کا عامل مقرر کیا، آپؐ کی وفات تک یہ اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دیتے رہے، وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔

خلافت صدیقی..... حضرت ابو بکرؓ کی بیعت عام کے بعد قریش کے جو چند افراد کچھ دنوں تک ان کی بیعت سے دست کش رہے تھے، ان میں ایک ابان بھی تھے، لیکن جب بنو ہاشم نے بیعت کر لی، تو ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوا، صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کے کسی عامل کو معزول نہیں کیا تھا، ابان بھی آپؐ کے مقرر کردہ عامل تھے، اس لیے ان سے دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا پیش کردہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر قائم نہیں رہے اور خلیفہ اول کے اصرار پر یمن کی گورنری قبول کر لی۔

وفات..... زمانہ وفات میں بہت اختلاف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

ابوبکرؓ کے آخر عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہادت پائی، ابن اسحق کی روایت ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے، ایک روایت کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک زندہ تھے، اور مصحف عثمانی ان ہی کی نگرانی میں حضرت زید بن ثابتؓ کا تب وحی نے لکھا تھا، لیکن ان سب میں مستند تر اجنادین کی شہادت کی روایت ہے چنانچہ مصعب، زبیر اور دوسرے نسابوں کا بھی یہی خیال ہے۔

حضرت نعیم بن مسعودؓ

نام و نسب نعیم نام، ابو سلمہ کنیت نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ ابن قنفذ بن حلاوہ بن سبیع بن بکر بن النجج بن ریث بن عطفان غطفانی انجعی۔

قبل اسلام غزوہ احزاب ۵ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے تو نعیم اس وقت آبائی مذہب پر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا، غزوہ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہو گیا، چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیئے بغیر مغرب و عشاء کے درمیان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا، پوچھا کیسے آئے ہو عرض کیا حلقہ مجبوش ہونے آیا ہوں، جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے حاضر ہوں، فرمایا اگر ان قبائل (احزاب کا اجتماع) کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو، گو عرب کے مڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا، اس لیے نعیم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی، پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے اور کہا قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موقع ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس جائیں گے، تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے، اس لیے تم درمیان میں پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو، اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی امانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بد عہدی نہ کر سکیں، ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا، اس کے بعد ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا قرظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے از سر نو تعلقات خوشگوار بنانا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے محمد کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم قریش اور غطفان کے ۷۰ ستر آدمی غفریب تمہارے پاس بھیجیں گے، تم ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ لینا، اور ان دونوں کے ہٹانے میں بھی ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے، اس لئے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ، اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدمی مانگیں تو ہرگز نہ دو، اس کے بعد قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا، یہ خود اس قبیلہ کے آدمی تھے، اس لیے سب نے متفقہ ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمدؐ کا ساتھ دو گے، اس لئے ہم اس وقت محمدؐ سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں نہ بھیج دو، ابوسفیان

نے کہا نعیم کا کہنا سچ تھا، اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیغام بھیجا، لیکن سب نے آدمی دینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم آدمی تو نہیں دے سکتے اگر تم کو یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو، یہودیوں نے کہا تو راءہ کی قسم نعیم کا کہنا بالکل سچ تھا، غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا، اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنائیں اکھڑ گئیں اور چولھوں پر سے ہانڈیاں الٹ گئیں، غرض کچھ نا اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نعیم کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے۔

ہجرت..... اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔
غزوات..... غزوہ احزاب کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے غزوہ تبوک میں اپنے قبیلہ کو ابھار کر لائے، پھر فتح مکہ کے لیے ہوا جمع کو آمادہ کرنے کے لئے گئے۔
وفات..... وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے دوسری یہ کہ اسی عہد میں وفات پائی۔

فضل و کمال..... کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر مرتبہ نہ تھا، تاہم ان کے صاحبزادے سلمہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

۱۱۔ ابن سعد جز ۳ ق ۲ ص ۲۰۔

۱۲۔ ایضاً،

۱۳۔ ایضاً،

۱۴۔ استیعاب ج اول ص ۳۱۴ تذکرہ نعیم بن مسعود،

۱۵۔ تہذیب الکمال ص ۴۰۳

حضرت واقد بن عبد اللہؓ

نام و نسب واقد نام، والد کا نام عبد اللہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔ واقد بن عبد اللہ بن عبد مناف بن عرین بن ثعلبہ بن ربیع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناة بن تميم شمسى حنظلي۔ اسلام و ہجرت دعوت کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد وطن چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی اور رفاعہ بن عبد المندر کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لئے ان میں اور بشر بن براء بن معرور میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات ہجرت عظمیٰ کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے سر یہ مقام نخلہ میں عبد اللہ ابن جحش کی زیر امارت قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، اس میں حضرت واقد بھی تھے، ان لوگوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر قیام کیا، ابھی یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گذرا، مسلمانوں نے حملہ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن رجب کا مہینہ تھا جس میں عرب میں خنزیری حرام تھی، اس لیے سب ابتدا کرتے ہوئے جھجھک محسوس کر رہے تھے، لیکن حضرت واقدؓ نے ہمت کر کے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنا دیا، مکہ والوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت کہلا بھیجی کہ تم لوگ بھی شہر حرام کی حرمت کرتے ہو اور اس میں خنزیری کرنا برا سمجھتے ہو، پھر تمہارے آدمی نے ہمارے ایک آدمی کا خون کیوں بہایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قَتَلَ فِيهِ قُلٌ قَتَلَ فِيهِ كَبِيرٌ وَ صَد

عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَ كَفَرُوا بِهِ وَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَ اخْرَاجْ أَهْلَهُ مِنْهُ الْكَبِيرُ
عند الله و الفتنه اكبر من القتل (بقرہ ۲۱)

اے محمد! شرکین تم سے شہر حرام میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور اس مسجد میں عبادت کرنے والوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فساد برپا کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

سریہ نخلہ میں ایک مشرک کا سب سے پہلا خون تھا جو حضرت واقعہ کے ہاتھ سے بہا اس
 سریہ کے بعد بدر، احد، خندق وغیرہ کی تمام معرکہ آرائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔
 وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔
 فضل و کمال..... فضل و کمال کے لحاظ سے گو کوئی لائق ذکر مرتبہ نہ پاسکے، تاہم ان کی ایک
 آدھ روایت کتب احادیث میں موجود ہے۔

حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ

نام و نسب عیاش نام، ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عیاش بن ابی ربیعہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، عیاش مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ اسلام و ہجرت گو عیاش ابو جہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آمینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا چنانچہ دعوت اسلام کی ابتدائی ایام میں یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، یہاں ایک صاحبزادہ عبد اللہ پیدا ہوئے، پھر حبشہ سے مکہ آئے، اور مکہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔

ابتلا و آزمائش ابو جہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برا بیچنے کرتا تھا، اور اس جرم میں اپنے زیر دستوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا، اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا، چنانچہ انکی تلاش میں مکہ سے مدینہ آ گیا، اور عیاش سے کہا کہ والدہ تمہاری جدائی سے سخت بے قرار ہیں، اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی، عیاشؓ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابو جہل کے ساتھ مکہ واپس آ گئے، یہاں پہنچ کر ابو جہل نے ان کو قید کر دیا، اور عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے، آنحضرت ﷺ دوسرے مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا۔

عیاشؓ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید بھی اسی جرم میں قید تھے، وہ کسی طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مصیبت بیان کی، آنحضرت ﷺ نے انہیں دوبارہ عیاشؓ اور سلمہؓ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا چنانچہ یہ مکہ گئے اور ان دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔

وفات حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں فتوحات شام میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ایک روایت کی رو سے اسی سلسلہ میں یرموک یا یمامہ کے معرکہ میں شہید ہوئے، اور دوسری روایت کی

رو سے شام میں وفات پائی، لیکن طبری کے بیان کے مطابق شام سے واپس ہو کر مکہ میں پہونند خاک ہوئے۔

فضل و کمال..... ان کی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد میں انس اور عبدالرحمن قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابو فکیہہؓ

نام و نسب یہاں نام، ابو فکیہہ کنیت، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا، ابتدا میں بنو عبد دار کے غلام تھے۔

اسلام و شہدائے دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ابو فکیہہؓ تو بے یار و مددگار غلام تھے اور سنگدل آقا خود آمادہ ستم تھے، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبد دار ان کو طرح طرح کی درد انگیز سزا میں دیتے تھے، ٹھیک دو پہر کو تہمتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر بیٹھ کر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابو فکیہہؓ بے ہوش نہ ہو جاتے، ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گذرا یہ بھی ”گرگ زادہ“ تھا، ابو فکیہہؓ سے پوچھا کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ اس حالت میں انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب خدا ہے، اس جواب پر صفوان نے غضب ناک ہو کر ابو فکیہہؓ کا گلا گھونٹنا شروع کیا اس کے دوسرے بھائی نے لکارا کہ ذرا اور زور سے صفوان نے شکنجہ اور کس دیا اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ (ابو بکر صدیق) ادھر سے گذرے، انہوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔

ہجرت و وفات آزادی کے بعد ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، لیکن طرح طرح کے المناک عذاب سہتے سہتے قویٰ ضعیف اور اعضاء کمزور ہو چکے تھے اس لیے ہجرت کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے، اور غزوہ بدر کے قبل انتقال کر کے کشتگان خنجر تسلیم میں جا ملے۔

حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ

نام ونسب عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبد وود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی، عامری، ماں کا نام بہنانہ تھا اور قبیلہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

اسلام و ہجرت آغاز دعوت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا، پھر وہاں سے مدینہ آئے پھر وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور فردہ بن عمرو بیاضی میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا امتیاز حاصل کیا، اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی، بدر کے بعد احد اور خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

شہادت حضرت عبداللہ کا جذبہ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہر موعے بدن خونناہ فشانی کے لیے بے قرار رہتا تھا، چنانچہ وہ دعا کیا کرتے تھے، کہ ”خدا یا تو مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک میرے جسم کا جوڑ جوڑ تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے“ یہ دعا قبول ہوئی اور بہت جلد اس کا موقع مل گیا، حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مہم میں مجاہدانہ شریک ہو گئے اور مرتدوں کے مقابلہ میں اس بے جگری سے لڑے کہ جسم کے تمام جوڑ بند زخموں سے چور ہو گئے، رمضان کا مبارک مہینہ تھا، روزہ رکھے ہوئے تھے، عبداللہ بن عمرؓ غروب آفتاب کے وقت جب کہ ابن مخرمہؓ کا آفتاب عمر لب بام آچکا تھا، ان کی خبر لینے آئے انہوں نے پوچھا ابن عمرؓ تم افطار کر چکے؟ انہوں نے کہا ہاں، فرمایا میرے لیے بھی پانی لاؤ، لیکن پانی آتے آتے ابن مخرمہؓ لب حوض کوثر پہنچ گئے اس وقت ان کا اکٹالیسواں سال تھا۔

اہل و عیال اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ مساحق کا پتہ چلتا ہے، یہ نسب بنت سراقہ کے بطن سے تھے۔

فضل و کمال ابن مخرمہؓ علم و عمل اور زہد و ورع کے لحاظ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں: کان فاضلاً عابداً یعنی ابن فکیہہؓ فاضل اور عبادت گزار تھے۔

حضرت نعیم النحامؓ

نام ونسب..... نعیم نام، نحام لقب، نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن عبد اللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی بن کعب عدوی قرشی، نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم کی ”نحمہ“ یعنی آواز سنی اسی وقت سے نحام ان کا لقب ہو گیا۔

اسلام..... نعیم نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۱۰ یا ۱۱ ہند گان خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے، لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں شدید ترین جرم تھا، اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے، ہجرت کے اذان کے بعد جب مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کا دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا راہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے، انہوں نے التجا کی کہ ہم کو چھوڑ کر نہ جائے، جس مذہب میں دل چاہے رہے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جا میں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی گزند پہنچ سکے گا، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے، جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

ہجرت..... ۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے گلے لگا کر بوسہ دیا ۴ اور فرمایا نعیم تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا قبیلہ بہتر تھا، فرمایا یہ کیسے؟ میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا، مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت پر آمادہ کیا، اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا۔ ۵

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۹۔

۲۔ استیعاب جلد اول ص ۳۱۱۔

۳۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۳ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حبشہ کی ہجرت میں شریک تھے، لیکن اور تمام ارباب سیرائے مخالف ہیں۔

۴۔ ابن سعد جلد ۴ ص ۱۰۶۔

۵۔ اسباب جلد ۶ ص ۲۴۸۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔
وفات..... بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں
اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ میں یرموک میں شہید
ہوئے۔

اولاد..... وفات کے بعد اولاد ذکر میں ابراہیم اور اثاث میں امہ چھوڑیں، اول الذکر زینب
بنت حظلہ کے لطن سے تھے اور ثانی الذکر عاتکہ بنت حذیفہ کے لطن سے تھیں۔
عام حالات..... نہایت فیاض، رحم دل، یتیموں کا بچا، یتیموں کا ماویٰ اور غریبوں کے مددگار
تھے، بنی عدی میں یتیموں اور یتیموں کے علاوہ اور جس قدر فقراء تھے، ان سب کو مہینہ مہینہ کر کے
کھانا کھلاتے تھے۔

حضرت معمرؓ بن عبد اللہ

نام و نسب معمر نام، باپ کا نام عبد اللہ، سلسلہ نسب یہ ہے۔ معمر بن عبد اللہ بن نعلہ بن عبد العزیٰ بن حرمٰن بن عوف بن عبید بن عوج بن عدی بن کعب القرشی العدوی۔

اسلام و ہجرت معمر ابتدائے دعوت اسلام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، پھر وہاں سے مکہ واپس آئے اور عرصہ تک یہاں مقیم رہے، اس لئے مدینہ کی ہجرت میں تاخیر ہوئی اور بالکل آخر میں یہ شرف حاصل ہو سکا۔

حجۃ الوداع اسلام کے بعد کا زمانہ زیادہ تر حبشہ اور مکہ میں گزارا تھا، اس لئے غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا اور مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اس سفر میں سواری مبارک کا اہتمام انہی کے سپرد تھا اور کجاوہ وغیرہ یہی کتے تھے، ایک دن کسی حاسد نے اس کو ڈھیلا کر دیا جس سے وہ چلنے میں ہلنے لگا، صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”رات تک ڈھیلا معلوم ہوتا تھا“، عرض کی میں نے حسب معمول کس کر باندھا تھا، اس شرف پر کسی حاسد نے ڈھیلا کر دیا ہوگا، تاکہ میری جگہ کسی دوسرے کو یہ خدمت سپرد کر دی جائے، آپ نے فرمایا ”تم مطمئن رہو، میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نہ مقرر کروں گا“ اسی حج میں ان کو موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا، جب یہ استرا لے کر تیار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مزاحاً فرمایا ”معمر تم کو رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے کان کی لو پر قابو دے دیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں استرہ ہے“ عرض کی خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت اور اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مجھ کو حضور کے بال تراشنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

فضل و کمال معمر کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا اس لیے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔

احتیاط تاہم عملی زندگی میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں بڑی احتیاط کرتے تھے، ایک مرتبہ غلام کو گیسپوں دیا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے بخرید لائے، غلام نے بیچنے کے بجائے بخرید لیا اور بخرید کی مقدار زیادہ بھی، ان کو معلوم ہوا تو باز پرس کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا، بتاؤ کہ مسادات کا لحاظ رکھا کرو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی چیزوں کا تبادلہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہیے، اور اسی وقت غلام کو بیچ کر واپس کر دیا۔

حضرت عمرو بن عوفؓ

نام و نسب..... عمرو نام، ابو عبد اللہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عوف بن زید بن ملیحہ ابن عمرو بن بکر بن افرک بن عثمان بن عمرو بن او بن طابخہ بن ایاس بن مضر۔

اسلام و ہجرت..... عمرو بن عوفؓ ابتدائے دعوت اسلام میں مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔

غزوات..... ابن سعد کی روایت کے مطابق سب سے پہلے غزوہ ابواء میں شریک ہوئے لیکن بعض خندق بتاتے ہیں۔

غزوہ تبوک..... غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں ایسا سخت قحط تھا کہ ذی حیثیت صحابہ کے لیے اس میں شریک ہونے کا انتظام مشکل تھا نادار صحابہ کا تو ذکر ہی نہیں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے تیاریاں شروع کیں اور دو تہند صحابہ اپنا ساز و سامان درست کیا تو وہ صحابہ جو ایمان کی لازوال دولت کے سوا مادی دولت سے تہی دامن تھے، خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، ان سب نے مل کر درخواست کی کہ ”ہم بالکل بے مایہ ہیں، اگر ہمارے لئے کچھ انتظام فرمایا جائے، تو ہم بھی شرف جہاد سے محروم نہ رہیں“، یہاں فقر و فاقہ کے سوا کیا تھا، جواب ملا، میرے پاس کیا ہے یہ لوگ جہاد کی محرومی پر غمگین و ملول روتے ہوئے واپس ہوئے، مگر ان آنسوؤں نے دامن رحمت کو نرم کر دیا اور اس حکم نے ان کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم

علیہ تولوا و اعینہم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقرون۔

(توبہ ۱۲)

اور نہ ان لوگوں پر (الزام) ہے جو تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری بہم پہنچا دو تو تم نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں (یہ سن کر) وہ لوٹ گئے، خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

وفات..... امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔

حضرت عثمان بن طلحہؓ

نام ونسب..... عثمان نام، والد کا نام طلحہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عثمان بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد دار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی العبدری ماں کا نام سنامہ تھا، یہ قبیلہ بنی عمرو سے تھیں، عثمانؓ کے والد طلحہ احد میں مشرکین کے ساتھ صف آرا تھے اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئے لیکن ذوالفقار حیدری سے نہ بچ سکے، زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلحہ کے متعلق تھا، اور زمانہ اسلام میں یہ وراثت عثمان کو ملی۔

اسلام و ہجرت..... فتح مکہ کے پہلے خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور ۸ھ میں ہجرت کر کے مدینہ کا قیام اختیار کیا۔

غزوہ فتح..... ہجرت کے بعد سب سے پہلے غزوہ فتح میں شریک ہوئے اور خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے جلو میں داخل ہوئے، اس وقت کلید برداری کے منصب پر یہی فائز تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے نجی طلب کی، انہوں نے گھر جا کر ماں سے مانگی، ماں نے دینے سے انکار کر دیا، (غالباً یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں) بولے ابھی حوالہ کر دو ورنہ خدا کی قسم یہ تلواریں پینچ میں اتار دوں گا اور کبھی ملے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، آپ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، یہ بھی ساتھ ساتھ تھے دونوں کے اندر جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا، پھر تطہیر کعبہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ برآمد ہوئے تو نجی عثمانؓ کے حوالہ کر کے فرمایا، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

وفات..... تاحیات نبویؐ مدینہ میں رہے، آپ کی وفات کے بعد کلید برداری کے فرائض کی وجہ سے پھر مکہ گئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت سہل بن بیضاءؓ

نام و نسب سہل نام، والد کا نام وہب، نسب نامہ یہ ہے، سہل بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک، ماں کا نام بیضاء تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے۔ بیضاء بنت محمد بن عمرو بن عائش بن ظرب بن حارث بن فہر، سہل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے، چنانچہ عام طور پر سہل بن بیضاء کہلاتے تھے۔

قبل از اسلام اسلام لانے سے پہلے بھی منصف مزاج اور رقیق القلب تھے، چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور بنی ہاشم کئی برس تک مصیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خدا ترس اور منصف مزاج آدمیوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوششوں سے یہ معاہدہ ٹوٹا، ان عدل پرور لوگوں میں سہل بھی تھے۔

اسلام اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد سہل مشرف باسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام لانے کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔

بدر غزوہ بدر تک انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب پر سمجھتے تھے، چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہل بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعود ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے، چنانچہ ان کی شہادت پر سہل کی رہائی ہوئی۔

ہجرت اور غزوات رہائی کے بعد مستقل مدینہ میں رہنے لگے اور بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

وفات زمانہ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکتی مگر اس قدر مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وفات پائی۔

حضرت سہیل بن بیضاءؓ

نام و نسب سہیل نام، ابو موسیٰ کنیت، باپ کا نام وہب تھا، حضرت سہیل مذکور الصدر بزرگ حضرت سہل کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں عرصہ تک مقیم رہے اور جب اسلام کے علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے، پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ گئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شریک ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی اس کے بعد احد اور خندق وغیرہ کے تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، ۳ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھے، راستہ میں آپ نے ان کو تین بلند آواز سے پکارا، یہ برابر جواب دیتے رہے اور لوگ بھی اس پکار کا مقصد سمجھ گئے، اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خدا کی توحید کی شہادت دی اس پر خدا آتش دوزخ حرام کر دے گا اور جنت یقینی ہو جائے گی۔

وفات تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی، ۱۵ھ موت کے بعد ان کی کوئی اولاد یادگار نہ تھی۔

بعض ارباب یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنا اسلام چھپایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ عبد اللہ بن مسعود سے بھی پہلے اسلام لائے تھے، اور حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، پھر مدینہ جانے سے بعد غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے، اسلام چھپانے والے ان کے بھائی حضرت سہل تھے، جو بدر میں گرفتار ہوئے اور عبد اللہ بن مسعود کی شہادت پر چھوڑے گئے، ان کا بعد بھی کوئی بیٹا نہیں ہے، ان کا ان بعد جلد ۳ ق اس ۱۵۶۔

۲ استیذانہ جلد ۳ ص ۵۶۱، ۳ ابن سعد جلد ۳ ق ۳ ص ۳۰۲

۴ تہذیب نام جلد ۳ ص ۶۳۰ مشدک میں تبوک کا ذکر نہیں ہے لیکن ابن سعد نے تصریح کر دی ہے۔

۵ تہذیب نام جلد ۳ ص ۲۶۹

حضرت ابو قیس بن حارثؓ

نام و نسب نام اور کنیت دونوں ابو قیس ہے، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے ابو قیس بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی السہمی، ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے، اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا، جو قرآن کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا، اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

الذين جعلوا القرآن عضين فيؤربك لنسئلتهم اجمعين عما
كانوا يعملون فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشركين انا
كفيناك المستهزئين (حجر: ٥)

جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، تمہارے رب کی قسم ہم ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے۔ پس تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سنا دو اور مشرکین کی پروا نہ کرو، جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں۔

اسلام و ہجرت لیکن اسی آذر کے گھر میں ابو قیس جیسا بت شکن پیدا ہوا، جن نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔ ۲

غزوات..... احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک ہوئے۔ ۳۔
شہادت..... حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ارتداد کے سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں
شہادت پائی۔ ۴۔

حضرت ابو کبشہؓ

نام و نسب سلیم نام، ابو کبشہ کنیت، وطن اور نسب کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، بعض فارسی، بعض دوسی اور بعض مکی بتاتے ہیں، ابو کبشہ غلام تھے آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کیا۔

اسلام ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، شرف غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ عورت اسلام کے قریب تر زمانہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے۔

ہجرت مکہ کے ارباب ثروت اور صاحب وجاہت مسلمانوں کی عزت و آبرو تک مشرکین کے ہاتھ محفوظ نہ تھی، ابو کبشہ غلام تھے، ان کا پشت پناہ کون تھا، اس لیے اذن ہجرت کے بعد مدینہ چلے آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں مقیم ہوئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدری ہونے کا شرف حاصل کیا، پھر احد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔

مشرکین کی سفاہت کفار قریش آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے، چنانچہ ایک سفاہت یہ بھی تھی، کہ آپ کو نعوذ باللہ ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے، ارباب سیر اس کی مختلف توجیہیں کرتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ابو کبشہ کے نانہالی اجداد میں کوئی شخص ابو کبشہ گذرا تھا، جو تمام عرب کے خلاف ”شعری“ کی کوشش کرتا تھا، آنحضرت ﷺ نے سرے سے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی تھی، اس لیے عربوں کی مخالفت کے اس اشتراک کی بنا پر لوگ کہتے تھے کہ یہ دوسرا اس کا بیٹا پیدا ہوا اور یہ ابو کبشہ اصحاب کرام میں تھے، اس لیے ادھر ذال دیا کہ محمد ابو کبشہ کے بیٹے ہیں۔

وفات ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ یوم سہ شنبہ کو جس دن حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے وفات پائی۔

حضرت سلیط بن عمروؓ

نام و نسب سلیط نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی، ماں کا نام خولہ تھا، نانہالی بجرہ نسب یہ ہے، خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بن عیس۔

اسلام دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا، پھر مدینہ آئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد بدر احد، خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

سفارت ۶؎ میں جب آپ نے آس پاس کے امراء اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ہوزہ بن عتیٰ حنفی کے پاس خط لے جانے کی خدمت سلیط کے سپرد ہوئی، ہوزہ نے بڑی خاطر مدارت کی اور انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا اور جواب میں لکھا کہ تم جس چیز کی دعوت دیتے ہو بہت بہتر ہے، لیکن میں بھی عرب کا ایک معزز و مقتدر شخص ہوں، اس لیے اگر بعض امور میں مجھے بھی شریک کر لو تو میں تمہاری پیروی کے لیے تیار ہوں، آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی۔ گئے تو میں نہیں دے سکتا۔

شہادت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مشہور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اولاد میں تنہا ایک لڑکے سلیط بن سلیط تھے۔

حضرت ابو مرثد غنویؓ

نام و نسب کنناز نام، ابو مرثد کنیت، باپ کا نام حصین تھا، نسب نامہ یہ ہے، کنناز بن حصین ابن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جنان ابن غنم بن یحییٰ ابن یعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔

اسلام و ہجرت ابو مرثد نے آغاز دعوت میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور عبادہ بن صامتؓ میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات بدر، احد، خندق اور دوسری معرکہ آرائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں ان کے حلیف کے نگرانی میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے خیال سے اپنے حلیف کو اس کی خفیہ تحریری اطلاع دے دی، آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ نے چند سوار حضرت علیؓ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں دوڑائے ان میں ایک ابو مرثد بھی تھے، ان لوگوں نے خانہ کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کر لیا اور جامہ تلاشی لے کر خط برآمد کیا۔

وفات حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں چھیا سٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ذوالشمالینؓ

نام و نسب عمیر نام، ابو محمد کنیت، ذوالشمالین لقب، نسب نامہ یہ ہے، عمیر بن عبد عمرو بن نھلہ بن عمرو بن نبشان بن سلیم بن مالک بن عیسیٰ بن حارث بن عمرو بن عامر۔
اسلام و ہجرت ان کا زمانہ اسلام متعین نہیں قبول اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی، اور سعد بن خثیمہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور یزید بن حارث میں مواخاۃ کرا دی۔
شہادت حضرت ذوالشمالینؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں تھے، جن کا دامن زیادہ عرصہ تک دنیا سے ملوث نہ ہونے پایا، مدینہ آنے کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے ان کا اول و آخر غزوہ یہی تھا، اس میں جام شہادت پی کر پاک و صاف دنیا سے اٹھ گئے، غربت کے غمگسار بھائی یزید نے بھی جو زندگی میں رفیق تھے، سفر آخرت میں ساتھ نہ چھوڑا اور انہوں نے بھی اسی غزوہ میں مرتبہ شہادت حاصل کیا۔

۱۔ بعض ارباب سیر ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی شخص کو قرار دیتے ہیں جو شخص القباس ہے، یہ دونوں دو شخص ہیں، احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ذوالیدین کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، جس کو صحیحین نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے دو رکعتوں کے بعد سے دو ہی رکعتیں نماز پڑھ کر سلام پھیر دیا، تمام صحابہ متحیر تھے، لیکن کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، ذوالیدین جری آدمی تھے، انہوں نے بڑھ کر پوچھا، یا رسول اللہ نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے، آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے تصدیق چاہی، انہوں نے تائید کی کہ ہاں آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں، تصدیق کے بعد آپ نے بقیہ دو رکعتیں پوری کر کے سجدہ سو کیا (بخاری کتاب الاذان باب من یأخذ الامام اذا قیل بقول الناس اس روایت کے راوی ابو ہریرہؓ میں جو غزوہ وغیرہ سے ہے اسلام لانے اور ذوالشمالین اس کے پانچ سال قبل بدر ۳ھ میں شہید ہو چکے تھے، اس لیے ذوالیدین اور ذوالشمالین، دونوں ایک شخص نہیں ہو سکتے، دونوں کے نام میں بھی فرق ہے، ذوالیدین کا نام مرقا ہے اور ذوالشمالین کا عمیر تھا۔

۲۔ ابن سعد جز ۳ ص ۱۱۸

۳۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱

۴۔ ابن سعد جز ۳ ص ۱۱۹

حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ

نام و نسب ابوسبرہ کنیت ہے، مگر اس کی شہرت نے اصل، چھپا دیا، نسب نامہ یہ ہے۔
ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبد العزی بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی
قرشی عامری، ان کی والدہ برہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور رشتہ سے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد
بھائی ہوئے۔۱

اسلام و ہجرت حضرت ابوسبرہؓ سابقین اسلام میں تھے، اور حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا
شرف حاصل کیا، دوسری ہجرت میں ان کی بیوی کلثوم بھی ساتھ تھیں، ہجرت مدینہ کے بعد
دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے اور منذر بن محمد کے یہاں اترے آنحضرت
ﷺ نے ان میں اور سلمہ بن سلامہ میں مواخاۃ کرا دی۔۲

غزوات مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ جس قدر غزوات ہوئے سب
میں شریک رہے، ۳ تا حیات نبوی ﷺ مدینہ میں قیام رہا، آپ کی وفات کے بعد مکہ چلے آئے
بدری صحابیوں میں تنہا یہی ہیں جنہوں نے مدینہ کا قیام ترک کر کے دوبارہ مکہ کی سکونت اختیار
کی۔۴

وفات اور یہیں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔۵

حضرت حمیس بن حذافہؓ

نام و نسب حمیس نام، ابو حذیفہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حمیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن بصریہ بن کعب بن لوی قرشی، ام المومنین حضرت حفصہ پہلے ان ہی کی زوجیت میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔ اسلام و ہجرت آنحضرت ﷺ کے ارجم کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمندر کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ ان میں اور ابی بکر بن جبر میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات و شہادت سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں تلوار کے جوہر دکھائے پھر احد میں شریک ہوئے اور میدان جنگ میں زخم کھایا، زخم کاری تھا، اس سے جان بر نہ ہو سکے اور اسی صدمہ سے ۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیے گئے، وفات کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت عتبہ بن مسعودؓ

نام و نسب..... عتبہ نام، والد کا نام مسعود تھا، نسب نامہ یہ ہے، عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ابن اسلم بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کابل بن حارث بن تمیم بن سعد بن بذیل بن مدرکہ حضرت عتبہؓ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کے حقیقی بھائی تھے۔
اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ پھر وہاں سے مدینہ گئے۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے اول احد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی کا فخر حاصل کرتے رہے۔
وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی، ان ہی نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عبداللہ بن مسعود اس وقت زندہ تھے، ان کو بھائی کی موت کا سخت قلق ہوا، ضبط و تحمل کے باوجود بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، لوگوں نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا آپ بھی روتے ہیں؟ جواب دیا میرا بھائی آنحضرت ﷺ کی صحبت کا میرا سا بھائی تھا اور عمرؓ بن الخطاب کے علاوہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔

فضل و کمال..... عبداللہ بن مسعود اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے سمر الامۃ کہلاتے تھے عتبہ بھی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے، لیکن دنیا سے کم سن گئے اس لیے ان کے جوہر نہ چمکنے پائے۔

حضرت صفوان بن بیضاءؓ

نام و نسب صفوان نام، ابو عمر و کنیت نسب نامہ یہ ہے۔ صفوان بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، حضرت صفوانؓ حضرت سہلؓ اور سہیلؓ کے بھائی تھے۔ اسلام و ہجرت حضرت سہلؓ ارض مکہ میں شرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور رافع بن معلیٰ میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات ہجرت کے بعد سب سے اول عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک سریہ میں بھی شریک ہوئے، پھر بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا، ابن اسحق کی روایت کی رو سے اسی غزوہ میں طیمہ ابن عدی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا، لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور بعض روایتوں سے ۳۸ھ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت سنان بن ابی سنانؓ

نام و نسب سنان نام سلسلہ نسب یہ ہے، سنان بن ابی سنان بن مہسن بن حریثان بن قیس بن لبد بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

اسلام و ہجرت زمانہ اسلام و ہجرت متعین نہیں، غالباً اپنے والد حضرت ابی سنانؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے اور ان ہی کے ساتھ ہجرت کی ہوگی۔

غزوات بدر واحد و خندق وغیرہ تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے، ۳ھ میں غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان میں جب آنحضرت ﷺ نے موت کی بیعت یعنی شروع کی تو سنانؓ نے بھی ہاتھ بڑھایا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کس چیز پر بیعت

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۰۳

۲ اصحابہ ج ۳ ص ۲۵۱ و الفہرست ج ۳ ص ۲۷

۳ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹

کرتے ہو عرض کی کہ جو آپ کے دل میں ہے۔
وفات..... ۳۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت آنسہؓ

نام و نسب..... آنسہ نام، ابو مسروح کنیت، سراقہ میں پیدا ہوئے، نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ سرور عالم کی غلامی کا طوق ان کی گردن میں تھا۔
اسلام و ہجرت..... اس شرف کی بنا پر آنسہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور ہجرت کے زمانہ میں مدینہ گئے اور سعد بن خثیمہ کے مہمان ہوئے، ۳۱ھ اور جب تک زندہ رہے، آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری محبوب مشغلہ رہا۔
غزوات..... ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور روایت سے معلوم ہوتا کہ اسی میں جام شہادت پیا۔
وفات..... لیکن زیادہ روایتیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں وفات کی ہیں۔ ۳۲ھ

حضرت طفیل بن حارثؓ

نام و نسب..... طفیل نام، والد کا نام حارث، نسب نامہ یہ ہے، طفیل بن حارث بن مطلب ابن عبد مناف قرشی مطلبی، ماں کا نام حمیلہ تھا، یہ ثقفی قبیلہ سے تھیں۔
اسلام و ہجرت..... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور سفیان بن نسر میں مواخاۃ کرا دیا۔ ۵
غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے بدر، احد اور خندق وغیرہ میں کوئی غزوہ نہ چھوٹا۔ ۱

۱۱ ایضاً استیعاب جلد ۲ ص ۷۷، ابن عبد البر نے یہ واقعہ حضرت ابی سنان کی طرف منسوب کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ابی سنان بیعت رضوان کے قبل بنو قریظہ میں وفات پا چکے تھے،

۱۲ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۳

۱۳ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۳۲

۱۴ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۵

۱۵ ایضاً اصحابہ تذکرہ آنسہ

۱۶ استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶

وفات عمر کے ستر مر طے طے کرنے کے بعد ۳۲ھ میں وفات پائی۔
اولاد اولاد میں صرف عامر بن طفیل کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت سائب بن عثمان

نام و نسب سائب نام، باپ کا نام عثمان تھا، نسب نامہ یہ ہے، سائب بن عثمان بن مظعون ابن حبیب بن دہب بن حذافہ بن نخع بن عمرو بن ہنصیص بن کعب بن لوی بن غالب قرشی المکی ماں کا نام خولہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص۔

ہجرت حبشہ اور واپسی دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے، ۳ اور ۵ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، وہاں سے اہل مکہ کے اسلام کی افواہ سن کر واپس آئے قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلی اس وقت واپس جانا بھی دشوار تھا سخت کشمکش میں مبتلا ہوئے، بالآخر حضرت عثمان بن مظعون اور ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے۔ ۵ھ ہجرت مدینہ بدر سے پہلے اپنے پورے کنبہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین چھوڑ کر یثرب کی غریب الوطنی اختیار کی، ۶ مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور حارثہ بن سراقہ انصاری میں مواخاۃ کرا دی۔ ۷

نیابت رسول بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ چھوٹے چھوٹے دستے قریش کے کاروان تجارت کا پتہ لگانے کے لئے بھیجتے تھے، اور بعض میں یہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے، اسی سلسلہ کے ایک سریہ لوط میں جب نکلے تو سائب کو مدینہ میں اپنی قائم مقامی کا شرف عطا فرمایا۔ ۸ غزوات سائب مشہور تیر انداز تھے، اس لیے غزوات میں بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے، چنانچہ بدر، احد، خندق اور ان کے علاوہ تمام معرکوں میں داو شجاعت دی۔ ۹ وفات حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور جنگ میں ایسا کاری زخم کھایا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دنوں بعد وفات پا گئے، وفات کے وقت ۳۰ سال سے کچھ اوپر عمر تھی۔ ۱۰

۱۱ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۳۵

۱۲ ایضاً

۱۳ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۲

۱۴ اصحابہ جلد ۳ ص ۶۰

۱۵ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۸۸

۱۶ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

۱۷ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۱

۱۸ ایضاً ص ۲۹۲

۱۹ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۲

۲۰ استیعاب ج ۲ ص ۵۸۸

حضرت عامر بن ابی وقاصؓ

نام و نسب عامر نام، والد کا نام ابی وقاص تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عامر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب، ماں کا نام حمزہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، حمزہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس امویہ، عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قاصح ایران کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے۔ ۱۔

اسلام حضرت عامرؓ کے نانا ابو سفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن حضرت عامرؓ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوت اسلام کو لبیک کہا، جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، چنانچہ اسلام لانے والوں میں ان کا دسواں نمبر ہے۔ ۲۔

اس وقت انکی والدہ زندہ تھیں، ان کو لڑکے کی اس ”بے راہ روی“ کا سخت صدمہ ہوا، انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک عمر اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی، حضرت سعد بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، ماں کی اس بے جا ضد پر بولے، اماں آپ عامر کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں، میرے لئے کیجئے، انہوں نے کہا کیوں؟ کہا تا کہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں، جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں، انہوں نے جواب دیا میں تیرے لیے کیوں عہد کروں، میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں، اس پر آیت نازل ہوئی۔ ۳۔

و ان جاهدک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم

فلا تطعہما و صاحبہما فی الدنیا معروف (القمان)

اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی ویدہ اشتریک بنا جس کا تجھ کو

کوئی ہم نہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر۔ دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر۔

ہجرت اور غزوات بالآخر ماں کی اس بیجا ضد سے تنگ آ کر ہجرت ثانیہ میں جوشہ چلے گئے، اور وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آ کر احد میں شریک ہوئے، ۵۔
وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شام میں وفات پائی۔ ۶۔

۱۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱، ۲۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱، ۳۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱

۴۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱، ۵۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱، ۶۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱

۷۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱، ۸۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱، ۹۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۱

حضرت وہب بن سعدؓ

نام ونسب..... وہب نام، والد کا نام سعد تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

اسلام و ہجرت..... زمانہ اسلام متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن سرزمین مکہ ہی میں اسلام لائے، اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سوید بن عمرو کو رشاخوت میں غسک کر دیا۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہر کاب رہے۔

شہادت..... غزوہ موتہ ۸ھ میں حق مذہب ادا کرتے ہوئے، شہید ہوئے، ان کے اسلامی بھائی سوید جنہوں نے زندگی میں رفاقت کی تھی، موت میں بھی ساتھ دیا، چنانچہ وہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے، ۳ شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن حارثؓ

نام ونسب..... عبداللہ نام، والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی، ماں کا نام عزیہ تھا، ماں بھالی شجرہ یہ ہے عزیہ بنت قیس، بن طریف بن عبدالعزی بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر، آبائی نام عبدشمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔

اسلام و ہجرت..... فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر کے مدینہ آئے۔

غزوات..... گوان کی شرکت غزوات کی تصریح و تفصیل نہیں ملتی، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ اس شرف سے محروم نہ تھے۔

وفات..... چنانچہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلے، وادی صفرا میں پہنچ کر وفات پا

گئے، آنحضرت ﷺ نے اپنے پیراہن مبارک میں کفنا کر دفن کیا، اور فرمایا کہ ان کو سعادت مل گئی۔

حضرت عمرو بن سراقہؓ

نام و نسب عمرو نام، والد کا نام سراقہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عمرو بن سراقہ بن معتمر بن انس اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بلاکشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمندر کے یہاں مہمان ہوئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے بدر، احد، اور خندق سب میں شرف جہاد حاصل کیا، ۳۲ بڑے معرکوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے سرایا بھی شریک ہوتے رہے، بعض سریوں میں فاقہ پر فاقہ ہوتے، لیکن ابرو پر شکن تک نہ پڑتی، عامر بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سریہ میں عمرو بن سراقہ ہمارے ہمراہ تھے، راستہ میں فاقہ کی نوبت آگئی، عمرو چھریں بدن کے نازک اندام اور لمبے آدی تھے، اس لیے ان کی حالت زیادہ نازک ہوگئی، اور پتھر باندھ کر چلنے کے لائق ہوئے۔

وفات حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی اولاد کوئی نہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن سراقہؓ

نام و نسب عبداللہ نام، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی۔

حضرت عبداللہ مذکور الصدر صحابی حضرت عمروؓ کے بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور مکہ سے براہ راست مدینہ آئے اور

رفاعہ بن عبدالمندر کے یہاں اترے۔^۱
غزوات..... مدینہ آنے کے بعد بدر، احد وغیرہ تمام معرکوں میں شریک ہوتے رہے۔^۲
وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی، وفات کے بعد ان کی نسل نہ چلی۔^۳

حضرت اسود بن نوفلؓ

نام و نسب..... اسود نام، والد کا نام نوفل تھا، شجرہ نسب یہ ہے، اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اسدی ماں کا نام فریہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، فریہ بنت عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی، حضرت اسود ام المومنین خدیجہ صدیقہ کے بھتیجے اور ورقہ بن نوفل کے بھائی تھے، ان کے والد نوفل سخت کینہ پرور مشرک اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے۔^۴
اسلام..... لیکن جس گھر میں خدا کا نام لینا سخت ترین جرم تھا، اسی میں اسود نے توحید کی صدا بلند کی۔^۵
ہجرت..... سبقت اسلام کے ساتھ اسود نے ہجرت حبشہ کا شرف بھی حاصل کیا اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ گئے۔^۶

حضرت ثمامہ بن عدیؓ

نام و نسب..... ثمامہ نام باپ کا نام عدی تھا، نسبی تعلق قریش سے تھا، لیکن اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس کی کس شاخ سے تعلق تھا۔^۱
اسلام..... زمانہ اسلام کی یسین بھی نہیں کی جاسکتی مگر اتنا معلوم ہے کہ یہ شرف ابتدائی ایام

۱ ابن سعد جزہ ص ۱۰۶

۲ اتقیابن اس ۳۹۳ واسطہ پڑا ابن عبد المند بن رافق

۳ اتقیابن اس ۱۹۹

۴ ابن سعد جزہ ص ۱۰۶

۵ ابن سعد

۶ ابن سعد الخ ۲۰۹

میں حاصل ہوا، چنانچہ ارباب سیر نے آپ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں شامل کیا۔ ۱۔
 غزوات..... ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر امتیاز خاص حاصل کیا۔ ۲۔
 حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں صنعا کی مسند حکومت پر سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت کے
 وقت یہیں تھے، یہ المناک خبر سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اسی حالت میں خطبہ دیا، ضبط
 گر یہ گلوگیر تھا، بمشکل چند جملے کہہ سکے کہ امت محمدیہؐ میں آج خلافت سلطنت سے بدل گئی،
 اب جو شخص جس چیز پر قابض ہوگا اس کو کھائے گا۔ ۳۔

حضرت سعد بن خولہؓ

نام و نسب..... سعد نام، والد کا نام خولہ تھا، یہ عجمی نژاد یمنی مسکن اور بنو عامر بن لوی کے
 حلیف تھے۔
 اسلام و ہجرت..... حضرت سعد سابقین اسلام میں تھے، حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کی
 ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہیں قیام پذیر ہوئے۔ ۱۔
 غزوات..... بدر، احد، خندق اور حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور بدر میں پچیس
 سال کی عمر تھی۔ ۲۔
 وفات..... حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ گئے، یہیں بیمار پڑے اور وفات
 پا گئے، مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا آنحضرت ﷺ پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے سعد کی وفات
 سے بہت محزون ہوئے۔ ۳۔
 اولاد..... آپ کی وفات کے دو ہی دن بعد آپ کی بیوی سبیحہ بنت حارث کے بطن سے
 ایک اولاد ہوئی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد فوت ہو گئی۔

۱۔ اسد الغابہ جلد اول ص ۲۳۹

۲۔ ابن سعد ج ۳ ص ۲۹۷

۳۔ مسلم ج ۱ ص ۵۸۷ طبع مصر

۱۔ اصحاب ج ۱ ص ۲۱۲

۲۔ استیعاب ج ۱ ص ۷۹

۳۔ ایضاً

۴۔ ابن سعد ج ۳ ص ۲۹۷

حضرت معمر بن ابی سرحؓ

نام و نسب ابو سعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے، معمر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن قہر فہری، ماں کا نام زہنب تھا، نانہالی حجرہ یہ ہے، زہنب بنت ربیعہ بن ہلال بن ضباب بن حجر بن عبد بن معیض بن عامر بن لوئی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، دوسری ہجرت میں حبشہ گئے، وہاں سے مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے۔

غزوات بدر، احد اور خندق تمام مشہور لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

وفات حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

ازواج و اولاد حضرت معمرؓ کے دو بیویاں تھیں، امامہ بنت عامر اور حضرت ابو عبیدہؓ کی بہن، پہلی کے نظن سے عبد اللہ تھے اور دوسری سے عمیر۔

حضرت حمیہ بن جزیؓ

نام و نسب حمیہ نام، والد کا نام جزیؓ تھا، نسب نامہ یہ ہے حمیہ بن جزیؓ بن عبد یغوث ابن عوث بن عمرو بن زبید الاصغر، بنو جیح کے حلیف تھے، حضرت عباسؓ کے چھوٹے صاحبزادے فضل کے ساتھ ان کی صاحبزادی بنی ہی تھیں۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

غزوات غزوہ مرہ سیح (بنو مصطلق) کے زمانہ میں ہجرت کی، اسی غزوہ سے شرکت کی ابتدا ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو فوس کا عامل بنایا، غزوہ مرہ سیح میں بھی یہ خدمت انہی کے سپرد

تھی۔

آنحضرت ﷺ ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ اظہار خوشنودی کے طور پر نہایت خوبصورت لونڈی عطا فرمائی تھی۔

حضرت عدی بن نضلہؓ

نام و نسب..... عدی نام، والد کا نام نضلہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عدی بن نضلہ بن عبد العزیٰ ابن حنٹان بن عوف عوف بن عدی بن کعب۔
اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ۳

وفات..... وقت پورا ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہیں آئی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہو گئے، مہاجرین میں عدی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ارض حبشہ کو آرام گاہ بنایا۔ ۴
اولاد..... وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، صاحبزادوں میں نعمان اور نعیم اور صاحبزادیوں میں آمنہ تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نعمان کو بیسان کا عامل بنایا تھا، یہ شاعر آدمی تھے، ایک غزل میں ایک عورت کی تشبیہ کر ڈالی حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً معزول کر دیا، نعمان نے بڑی صفائی پیش کی کہ اس کا مقصد شاعری تھا واقعہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں، لیکن آپ نے کوئی عذر معقول نہ سمجھا اور فرمایا، ان اشعار کے بعد تم میرے عامل نہیں رہ سکتے۔ ۵

حضرت یزید بن زمعہؓ

نام و نسب..... یزید نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب ابن اسد بن عبد العزیٰ قریشی اسدی، ماں کا نام قریبہ تھا، تانہالی شجرہ یہ ہے، قریبہ بنت

ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، قریبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن تھیں، یزید کا خاندان زمانہ جاہلیت سے مشورہ کے عہدہ جلیل کا حامل چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت یہ اس پر فائز تھے۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

غزوات و شہادت مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابر جہاد میں شریک ہوتے رہے، غزوہ طائف میں بھی آپ کے ساتھ تھے، اتفاق سے میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا، انہوں نے پکڑ کر شہید کر دیا، کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت سکران بن عمروؓ

نام و نسب سکران نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سکران بن عمرو بن عبد شمس ابن عبد ود بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری، ماں کا نام جسی تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، جسی بنت قیس بن ضحیس بن ثعلبہ بن حبان بن غنم بن ملیح بن مر و خزاعی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی اہلیہ کے حبشہ گئے۔

وفات موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق حبشہ میں وفات پائی، اور ابن اسحاق کی روایت کے رو سے حبشہ سے مکہ آئے اور مدینہ جانے کی نوبت نہ آ سکی۔ یہیں وفات پا گئے، ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی سودہ ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

حضرت ابوشنان بن محسنؓ

نام و نسب وہب نام، ابوشنان کنیت، والد کا نام محسن تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب ابن

۱۔ اصحاب بن ۲۰ ص ۳۴۰، ۲۔ ابن سعد بن حقی ۱ ص ۸۹،

۳۔ یضاد الشیوخ بن ۲ ص ۲۲۶، ۴۔ تقدی فی تفصیل ابن سعد میں ہے

مع ابن سعد جز ۱ ص ۵۱، ۵۔ الشیوخ بن ۲ ص ۵۵۹، ۶۔ ابن سعد حوالہ مذکور۔

محسن بن حریث بن قیس بن لبہ بن عنتم بن دودان بن اسد بن خزیمہ، وہب مشہور صحابی، حضرت عکاشہ بن محسن کے بھائی اور قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔
اسلام و ہجرت زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی مگر اتنا مسلم ہے کہ اذن ہجرت کے پہلے اسلام لا چکے تھے، اور بدر سے پہلے مدینہ آ گئے تھے۔
بدر مدینہ آنے کے بعد ہی بدر کا معرکہ پیش آیا، چنانچہ اول اول اسی میں شریک ہوئے پھر احد اور خندق میں جان بازیاں دکھائیں۔
وفات ۵ھ میں بنو قریظہ کی مہم میں نکلے اور دوران محاصرہ میں انتقال کر گئے، اور بنو قریظہ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔
بعض ارباب سیر کا بیان ہے، کہ ابوسنان صلح حدیبیہ میں موجود تھے اور بیعت رضوان میں سب سے پہلے انہوں نے بیعت کی تھی، لیکن یہ محض التباس ہے، غزوہ بنو قریظہ میں ان کی وفات مسلم ہے اور بیعت اس سے ایک سال بعد ۶ھ میں ہوئی، بیعت کرنے والے یہ نہیں بلکہ ان کے لڑکے سنان بن ابوسنان تھے۔

حضرت فراس بن نصرؓ

نام و نسب فراس نام، والد کا نام نصر تھا، نسب نامہ یہ ہے فراس بن نصر بن حارث ابن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی، ماں کا نام زینب تھا، نہالی شجرہ یہ ہے زینب بنت یناش بن زرارہ بن اسد بن عمرو بن تمیم تھیں۔
اسلام و ہجرت مکہ میں ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔
شہادت ان کی مدنی زندگی کے حالات کچھ نہیں معلوم، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی لڑائیوں میں شریک ہوئے، اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ یرموک میں جام شہادت پیا۔

حضرت حاطب بن حارثؓ

نام و نسب حاطب نام، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن نجح، ماں کا نام قلیلہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے قلیلہ بنت مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اہل و عیال حبشہ گئے۔

وفات پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لئے مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی اور اسی سرزمین کو آرام گاہ بنایا، ۷ھ میں آپ کے اہل و عیال مدینہ واپس ہوئے، بچوں میں محمد اور حارث یادگار تھے۔ ۳

حضرت معمر بن حارثؓ

نام و نسب معمر نام والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، معمر بن حارث بن معمر ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح، ماں کا نام قلیلہ تھا، حضرت معمر مشہور صحابی حضرت عثمانؓ ابن مظعون کے بھانجے تھے۔

اسلام و ہجرت آنحضرت کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور معاذ بن عفراءؓ میں مواخاۃ کرا دی۔ ۴

غزوات مدینہ آنے کے بعد بدر واحد و خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ ۵

وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت ابو رہم اشعریؓ

نام و نسب..... مجدی نام، ابو رہم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، مجد بن قیس بن حضار بن جرب بن عامر بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر، حضرت ابو رہم مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔
اسلام و ہجرت..... بڑے بھائی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے اور حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے یہ جنگ خیبر کا زمانہ تھا، مگر ابو رہم اس میں شریک نہ ہو سکے تھے تاہم آنحضرت ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا اور فرمایا تم لوگ دو ہرے مہاجر ہو، ایک مکہ سے حبشہ کی ہجرت دوسری حبشہ سے مدینہ کی۔
مدینہ آنے کے بعد سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، پھر دور فتن میں نظر آتے ہیں، یہ طبعاً ہنگامہ پسند تھے، فتنہ کے زمانہ میں بھی بہت نکلتے تھے، اور حضرت ابو موسیٰ ان کو روکتے تھے۔

حضرت ابو بردہؓ

نام و نسب..... عامر نام، ابو بردہ کنیت، یہ بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بھائی تھے۔
اسلام..... بھائی کے ساتھ اسلام لائے اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے، پھر وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے۔
مدینہ آنے کے بعد کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت حارث بن خالدؓ

نام و نسب..... حارث نام، والد کا نام خالد، نسب نامہ یہ ہے، حارث بن خالد بن صخر بن

عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ
اسلام و ہجرت دعوت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اور دوسری ہجرت میں مع اپنی
اہلہ ریطہ کے حبشہ گئے۔
وفات حبشہ میں ان کے چار اولادیں ہوئیں، موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ، حبشہ سے
مدینہ کی واپسی میں ایک مقام پر پانی پیا، اس میں سمیت تھی، اس کے اثر سے گھر کا گھر صاف ہو
گیا، البتہ خود بیچ گئے، اور راہ خدا میں پورے گھر کو دفنا کر یکہ و تنہا مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ نے
ان کی وجمعہ کے لیے یزید بن ہاشم کے غلام کی لڑکی سے شادی کر دی۔

حضرت عیاض بن زبیرؓ

نام و نسب عیاض نام، ابو سعد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عیاض بن زبیر بن ابی شداد ابن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر قرشی، ماں کا نام سلمیٰ تھا، نانہالی بجرہ یہ ہے سلمیٰ بنت عامر بن ربیعہ بن ہلال بن مال بن ضبہ بن حارث۔ ۳۔

اسلام و ہجرت زمانہ اسلام کی تعیین نہیں کی جاسکتی، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے۔ ۴۔

غزوات بدر واحد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔ ۵۔

وفات ۳۰ھ میں وفات پائی۔ ۶۔

التي هي جزء من تاريخنا.

۲۹۰

[illegible]

منی مہر، قزاقستان

دینا

۱۴۰۰

حضرت خبابؓ

نام و نسب خباب نام، ابو محیی کنیت، خباب بن نوفل بن عبد مناف کے حلیف اور مشہور صحابی حضرت عتبہؓ بن غزوہ ان کے غلام تھے۔

اسلام و ہجرت ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں، لیکن قیاس ہے کہ اپنے آقا حضرت عتبہؓ کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے ہوں گے، حضرت عتبہؓ قدیم الاسلام تھے، ان ہی کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور تیسیم کے غلام خراش بن صمد میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، پھر احد اور خندق وغیرہ میں داد شجاعت دی۔

وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ۱۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچاس سال کی عمر تھی۔

حضرت مسعود بن ربیعؓ

نام و نسب مسعود نام، ابو عمیر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مسعود بن ربیع بن عمرو بن سعد بن عبد العزی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے پھر ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور ابو عبیدہ بن تیہاں میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔

وفات ۳۰ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ساٹھ سال سے اوپر کی عمر تھی۔

حضرت ربیعہ بن اکثمؓ

نام و نسب ربیعہ نام، ابو زید کنیت، نسب نامہ یہ ہے ربیعہ بن اکثم بن شجرہ بن عمرو بن کبیر ابن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خذیمہ اسدی
اسلام و ہجرت بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔
شہادت اور سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شہادت کا امتیاز حاصل کیا، پھر اس کے بعد تمام مہموں، احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے اور غزوہ خیبر میں حارث یہودی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔

حضرت عمیر بن ربابؓ

نام و نسب عمیر نام، والد کا نام رباب تھا، شجرہ نسب یہ ہے عمیر بن رباب بن حذیفہ بن جہشم ابن سعد بن سلیم، ماں کا نام ام وائل تھا، مانہالی نسب نامہ یہ ہے، ام وائل بنت معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح۔
اسلام و ہجرت اذن ہجرت کے قبل اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔
شہادت عراق کی مہم میں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے اور یمن التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

حضرت عمرو بن عثمانؓ

نام و نسب عمرو نام، والد کا نام عثمان تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔
اسلام و ہجرت مکہ میں دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔ ۱
وفات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں شہادت پائی، شہادت کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔ ۲

حضرت خطاب بن حارثؓ

نام و نسب خطاب نام، والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، خطاب بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن ح۔
اسلام دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنے بچوں کے حبشہ گئے۔ ۳
وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ۴

حضرت عاقل بن ابی بکرؓ

نام و نسب حضرت عاقل چار بھائی تھے، عاقل، ایاس، خالد اور عامر، ان کے والد کا نام ابی بکر تھا، ان سب کا نسب نامہ یہ ہے، ایسا ابی بکر بن عبد یالیل بن ناشب بن غیرہ ابن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ کنانی لکھی۔

اسلام و ہجرت..... ارقم کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز ان ہی چاروں بھائیوں سے ہوا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی چاروں مشرف باسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے لیے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، مدینہ آنے کے بعد چاروں رفاعہ بن عبدالمعذر کے یہاں اترے، پھر آنحضرت ﷺ نے ایاس اور حارث بن خزیمہ میں خالد اور یزید بن دہنہ میں، عاقل اور معذر بن زیاد میں، اور عامر اور ثابت بن قیس بن شماس میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد چاروں غزوات میں شریک ہوتے رہے، عاقل ان سب میں زیادہ خوش نصیب تھے، انہوں نے بدر میں مالک بن زہیر کے ہاتھوں حیات جاوید حاصل کی، ایاس کے بعد خالد نے بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کے بعد سریہ رجب میں ۳ھ میں جام شہادت پیا، عامر، بدر، احد اور خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے اور ۳ھ میں مرتدوں کی سرکوبی پر مامور ہوئے اور اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت حاصل کی، ہم سب سے آخر میں ایاس، بدر، احد، خندق، خیبر اور دوسری معرکہ آرائیوں میں شریک ہوتے رہے، ۳۲ھ میں راہی ملک بقاء ہوئے، ۶۰

اس طرح آخر الذکر بزرگ کے سو ۱۳ سال کی مدت میں تین بھائی خدا کی راہ میں کام آئے۔

حضرت عبد اللہ الاصفغرؓ

نام و نسب..... عبد اللہ نام، والد کا نام شہاب تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبد اللہ بن شہاب ابن عبد اللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب، عبد اللہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بھائی اور امام شیعہ کے نانا تھے۔

ہجرت..... دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد حبشہ گئے۔ ۴ھ وفات..... پانچ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ آنے کی نوبت نہ آ سکی، اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہوئے۔ ۵ھ

حضرت قیس بن عبد اللہؓ

نام و نسب قیس نام، والد کا نام عبد اللہ تھا، نسب تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا، ان کی لڑکی آمنہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی دایہ تھیں، اور یہ خود ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن حبشہ کی زوجہ تھی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اپنے آقا عبید اللہ بن حبش کے ساتھ مع اپنی بیوی برکہ بنت یسار کے حبشہ گئے، عبید اللہ نے یہاں مذہب عیسوی قبول کر لیا، لیکن قیس نے اس میں آقا کی پیروی نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔

حضرت مالک بن زمعہؓ

نام و نسب مالک نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، مالک بن زمعہ بن قیس ابن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی، مالک ام المومنین حضرت سودا کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی عمیرہ کے حبشہ گئے، اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۱، اصحابہ جلد ۵ ص ۶۲۔

۲۔ ابن سعد جز ۲ ص ۷۷۔

۳۔ ابن سعد جز ۲ ص ۱۵۰۔

۴۔ ایضاً

حضرت حاطب بن عمروؓ

نام و نسب..... حاطب نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد دو بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی، ماں کا نام اسماء تھا۔
اسلام و ہجرت..... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد حبشہ کی ہجرت کی، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، پھر وہاں سے مدینہ گئے اور رفاعہ بن عبد المذہر کے مہمان ہوئے۔ ۲
غزوات..... مدینہ آنے کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، بدر کے بعد احد میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے، مگر اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔

حضرت اربد بن حمیرؓ

نام و نسب..... اربد نام، ابو فحشی کنیت، نسب قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھے۔
اسلام و ہجرت..... مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں سے ہجرت کے زمانہ میں مدینہ آئے۔ ۵
غزوات..... اور بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، بدر کے بعد کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ ۶

۱۔ القیام بن س ۱۳۳

۲۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۹۳

۳۔ السیرۃ ج ۱ ص ۳۱۵

۴۔ ابن سعد جز ۱ ص ۵۸

۵۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۶۹

حضرت جہم بن قیسؓ

نام و نسب..... جہم نام، ابو خزیمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، جہم بن قیس بن عبد اللہ بن شریحیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی، ماں کا نام ربیعہ تھا۔
اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں شرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع یوی بچوں کے حبشہ گئے، یہیں ان کی بیوی حرملہ نے وفات پائی۔ ان کی وفات کے حالات نہیں معلوم۔

حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ

نام و نسب..... ہاشم نام، والد کا نام ابو حذیفہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، ہاشم بن ابو حذیفہ ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔
ہجرت..... حضرت ہاشمؓ قدیم الاسلام تھے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔
وفات..... وفات کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ اس وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

ت

دعوت و تبلیغ اور مطالعہ کے لیے مستند کتب

حیۃ الصحابہ	۳ جہدار و ترجمہ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
حیۃ الصحابہ	۳ جلد انگریزی	مولانا محمد احسان صاحب
فضائل اعمال	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل اعمال	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات مع فضائل حج	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل نماز		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل قرآن		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل رمضان		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل حج		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل تبلیغ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل ذکر		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
حکایات صحابہ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
شمال ترمذی		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
منتخب احادیث	اردو	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
منتخب احادیث	انگریزی	مترجم مولانا محمد سعد غلام
		مولانا محمد یوسف کاندھلوی
		مترجم مولانا محمد سعد غلام

ناشر و ازالہ اشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ
 محلہ چکریا پاکستان (Punjab)
 دیکھو لوگوں کی کتب دنیا سب سے بڑی کتاب خانہ کے طور پر کام کرتی ہے۔